ہندوستانی سماج

بارھویں جماعت کے لیے سماجیات کی درسی کتاب



© NCERT not to be republished

جامعہ ملیہ اسلامیہ

नेशनल कौंसिल ऑफ एजुकेशनल रिसर्च एंड ट्रेनिंग
एन सी ई आर टी
NCERT

2019-20

Hindustani Samaj (Indian Society)
Text book for Class XII

ISBN 81-7450-785-X

پہلا اردو ایڈیشن

جنوری 2008 ماگھ 1929

دیگر طباعت

فروری 2014 ماگھ 1935

جولائی 2018 آشاڑھ 1940

اپریل 2019 چیتر 1941

PD 1H SPA

© نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، 2008

قیمت: ₹ ???.00

این سی ای آر ٹی واٹر مارک 80 جی ایس ایم کاغذ پر شائع شدہ

سکریٹری، نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، شری اروندو مارگ، نئی دہلی نے _____

_____ میں

چھپوا کر پبلی کیشن ڈویژن سے شائع کیا۔

جملہ حقوق محفوظ

- ناشر کی پہلے سے اجازت حاصل کیے بغیر، اس کتاب کے کسی بھی حصے کو دوبارہ پیش کرنا، یادداشت کے ذریعے بازیافت کے سسٹم میں اس کو محفوظ کرنا یا برقیاتی، میکانیکی، فوٹو کاپینگ، ریکارڈنگ کے کسی بھی وسیلے سے اس کی ترسیل کرنا منع ہے۔
- اس کتاب کو اس شرط کے ساتھ فروخت کیا جا رہا ہے کہ اسے ناشر کی اجازت کے بغیر، اس شکل کے علاوہ جس میں کہ یہ چھاپی گئی ہے یعنی، اس کی موجودہ جلد بندی اور سرورق میں تبدیلی کر کے، تجارت کے طور پر نہ تو مستعار دیا جا سکتا ہے، نہ دوبارہ فروخت کیا جا سکتا ہے، نہ کرایہ پر دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی تلف کیا جا سکتا ہے۔
- کتاب کے صفحہ پر جو قیمت درج ہے وہ اس کتاب کی صحیح قیمت ہے۔ کوئی بھی نظر ثانی شدہ قیمت چاہے وہ ربر کی مہر کے ذریعے یا چپی یا کسی اور ذریعے ظاہر کی جائے تو وہ غلط متصور ہوگی اور نا قابل قبول ہوگی۔

این سی ای آر ٹی کے پبلی کیشن ڈویژن کے دفاتر

این سی ای آر ٹی کیمپس
شری اروندو مارگ
نئی دہلی - 110016 **فون** 011-26562708

108,100 فٹ روڈ ہوسڈے کیرے ہیلی
ایکسٹینشن بناشنکری III اسٹیج
بینگلورو - 560085 **فون** 080-26725740

نوجیون ٹرسٹ بھون
ڈاک گھر، نوجیون
احمد آباد - 380014 **فون** 079-27541446

سی ڈبلیو سی کیمپس
بمقابل ڈھانکل بس اسٹاپ، پانی ہاٹی
کولکاتہ - 700114 **فون** 033-25530454

سی ڈبلیو سی کامپلیکس
مالی گاؤں
گواہاٹی - 781021 **فون** 0361-2674869

اشاعتی ٹیم

ہیڈ، پبلی کیشن ڈویژن	:	محمد سراج انور
چیف ایڈیٹر	:	شویتا اُپّل
چیف پروڈکشن آفیسر	:	ارون چتکارا
چیف بزنس منیجر	:	ابیناش کُلّو
ایڈیٹر	:	سید پرویز احمد
پروڈکشن آفیسر	:	عبد النعیم
سرورق، لے آؤٹ		شویتا راؤ
تصاویر		ندھی وادھوا
کارٹوگرافی		کارٹوگرافک ڈیزائن

© NCERT not to be republished

پیش لفظ

قومی درسیات کا خاکہ— 2005 میں سفارش کی گئی ہے کہ بچّوں کی اسکول کی زندگی، ان کی باہر کی زندگی سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ یہ زاویۂ نظر، کتابی علم کی اس روایت کی نفی کرتا ہے جس کے باعث آج تک ہمارے نظام میں گھر اور سماج کے درمیان فاصلے حائل ہیں۔ نئے قومی درسیات کے خاکے پر مبنی نصاب اور درسی کتابیں اسی بنیادی خیال پر عمل آوری کی ایک کوشش ہے۔ اس کوشش میں مختلف مضامین کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے اور رٹ کر پڑھنے کے طریقۂ کار کی حوصلہ شکنی بھی شامل ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان اقدامات سے قومی تعلیمی پالیسی 1986 میں مذکور 'تعلیم کے طفل مرکوز نظام' کی طرف مزید پیش رفت ہوگی۔

اس کوشش کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ اسکولوں کے پرنسپل اور اساتذہ بچّوں میں اپنے تاثرات خود ظاہر کرنے اور ذہنی سرگرمیوں اور سوالوں کے ذریعے سیکھنے کی ہمّت افزائی کریں۔ ہمیں یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیے کہ بچوں کو اگر موقع، وقت اور آزادی دی جائے تو وہ بڑوں سے حاصل شدہ معلومات سے وابستہ ہوکر، نئی معلومات مرتّب کرتے ہیں۔ آموزش کے دوسرے ذرائع اور محل وقوع کو نظر انداز کرنے کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب مجوّزہ درسی کتاب کو امتحان کے لیے واحد ذریعہ بنانا ہے۔ بچّوں کے اندر تخلیقی صلاحیت اور پیش قدمی کے رجحان کو فروغ دینا اسی وقت ممکن ہے جب ہم آموزشی عمل میں بچّوں کو بحیثیت شریک کار قبول کریں اور اُن سے اسی طرح پیش آئیں۔ انھیں محض مقررہ معلومات کا پابند نہ سمجھیں۔

یہ مقاصد اسکول کے معمولات اور طریقۂ کار میں معقول تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ روزمرہ نظام الاوقات (Time-Table) میں لچیلا پن اُسی قدر ضروری ہے جتنی کہ سالانہ کیلنڈر کے نفاذ میں سخت محنت کی تاکہ مطلوبہ ایّام کو حقیقتاً تدریس کے لیے وقف کیا جاسکے۔ تدریس اور اندازۂ قدر کے طریقوں سے بھی اس امر کا تعین ہوگا کہ یہ درسی کتاب، بچوں میں ذہنی تناؤ اور اکتاہٹ کا ذریعہ بننے کے بجائے ان کی اسکولی زندگی کو خوش گوار بنانے میں کس حد تک مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ نصابی بوجھ کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے نصاب سازوں نے مختلف سطحوں پر معلومات کی تشکیلِ نو اور اسے نیا رخ دینے کی غرض سے بچوں کی نفسیات اور تدریس کے لیے دستیاب وقت پر زیادہ سنجیدگی کے ساتھ توجہ دی ہے۔ اس مخلصانہ کوشش کو مزید بہتر بنانے کے لیے یہ درسی کتاب سوچنے اور محسوس کرنے کی تربیت، چھوٹے گروپوں میں بحث ومباحثہ کرنے اور عملاً انجام دی جانے والی سرگرمیوں کو زیادہ اوّلیت دیتی ہے۔

این سی ای آر ٹی اس کتاب کے لیے تشکیل دی جانے والی ''کمیٹی برائے درسی کتاب'' کی مخلصانہ کوششوں کو شکر گزار ہے۔ کونسل سماجی علوم کی مشاورتی کمیٹی کے چیئرپرسن پروفیسر ہری واسودیون اور اس کتاب کے خصوصی صلاح کار پروفیسر یوگیندر سنگھ کی ممنون و مشکور ہے۔ اس درسی کتاب کی تیاری میں جن اساتذہ نے حصّہ لیا، ہم ان کے متعلقہ اداروں کے بھی شکر گزار ہیں۔ ہم ان سب ہی اداروں اور تنظیموں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے وسائل، مآخذ اور عملے کی فراہمی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ ہم وزارت برائے فروغ انسانی وسائل کے شعبے برائے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کی جانب سے پروفیسر مرنال مری اور پروفیسر جی۔ پی۔ دیش پانڈے کی

سربراہی میں تشکیل شدہ نگراں کمیٹی (مانیٹرنگ کمیٹی) کے اراکین کا بھی خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنا قیمتی وقت اور تعاون ہمیں دیا۔

ہم اس نصابی کتاب کے اردو ترجمے کی ذمے داری بخوبی انجام دینے کے لیے جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے شکر گزار ہیں، خاص طور پر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر پروفیسر مشیر الحسن اور محترمہ رخشندہ جلیل کے ممنون اور شکر گزار ہیں جنھوں نے مرکز برائے جواہر لعل نہرو اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے آؤٹ ریچ پروگرام کے ذریعے اس عمل میں رابطہ کار کے فرائض بخوبی انجام دیے۔ کونسل اس کتاب کے اردو ترجمے کے لیے جناب ظفر الاسلام کی شکر گزار ہے۔ باضابطہ اصلاح اور اپنی اشاعت کے معیار کو مسلسل بہتر بنانے کے مقصد کی پابند ایک تنظیم کے طور پر این سی ای آر ٹی، تمام مشوروں اور آرا کا خیر مقدم کرتی ہے تاکہ کتاب کو مزید غور وفکر کے بعد اور زیادہ کارآمد اور بامعنی بنایا جاسکے۔

نئی دہلی
20 نومبر 2006

ڈائریکٹر
نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

© NCERT not to be republished

اس درسی کتاب کو کس طرح استعمال کریں

بارھویں جماعت کے لیے سماجیات کی دو درسی کتب میں سے یہ پہلی کتاب ہے۔ اس کا اصل مقصد قومی درسیات کا خاکہ 2005 کے نئے رہنما اصولوں کو عمل میں لانا ہے، ساتھ ہی این سی ای آر ٹی کے ذریعہ اپنائے گئے سماجیات کے نصابِ تعلیم کے مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لیے کوشش کرنا شامل ہے (دیکھیے باکس 1)

باکس 1: سماجیات کے نصابِ تعلیم کے مقاصد، این سی ای آر ٹی 2005

- طلبا میں کلاس روم کی تدریس کو اپنے بیرونی ماحول کے ساتھ جوڑنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔
- انھیں سماجیات کے بنیادی تصورات سے واقف کرانا تاکہ وہ سماجی زندگی کا مشاہدہ کرسکیں اور ان کی تشریح و توضیح کرسکیں۔
- انھیں سماجی عمل کی پیچیدگیوں سے واقف کرنا۔
- ہندوستان میں اور کافی حد تک دنیا کے اندر سماج کے اندر پائے جانے والے تنوع کا احساس پیدا کرنا۔
- طلبا میں عصری ہندوستانی سماج میں ہو رہی تبدیلیوں کو سمجھنے اور تجزیہ کرنے کی اہلیت کو فروغ دینا۔

''ہندوستانی سماج'' گیارھویں جماعت کی دو درسی کتابوں کی توسیع ہے اور بارھویں جماعت کے لیے سماجیات کی دوسری کتاب ''ہندوستان میں سماجی تبدیلی اور ترقی'' کی تکمیل کرتی ہے۔ اس کتاب کے بعض ابواب اور سیکشن کی این سی ای آر ٹی کے نصاب سے خصوصی مطابقت کو باکس 2 میں ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ ایک مجوزہ مطابقت ہے؛ اساتذہ دیگر حصوں کو بھی نصاب کے مخصوص حصے سے متعلق یا مفید پا سکتے ہیں۔

باکس 2: این سی ای آر ٹی کے سماجیات کے نصاب کے ساتھ مطابقت

(نصاب کے موضوعات سے متعلق اس درسی کتاب کے ابواب اور حصوں کو ہر ایک نصابی حصے کے بعد بریکٹ میں دیا گیا ہے)

یونٹ I: ہندوستانی سماج کی ساخت

1.1 ہندوستانی سماج کا تعارف (باب 1؛ 4.1 میں استعماریت اور نئے بازاروں کا ابھرنا؛ 6.1 میں کمیونٹیاں، اقوام اور قومی ریاستیں۔

1.2 آبادیاتی ساخت (باب 2)

1.3 دیہی و شہری روابط اور اختلاف (باب 2.6؛ 4.1 میں 'ہفتہ وار قبائلی بازار پر ایک سیکشن')

یونٹ II: سماجی ادارے: تسلسل اور تبدیلی

2.1 خاندان اور قرابت داری (باب 3.3، 5.3)

© NCERT not to be republished

2.2 ذات پات کا نظام (باب 3.1؛ 4.1 میں ذات پر مبنی بازار اور تجارتی نٹ ورک؛ باب 5.2)

2.3 قبائلی سماج (باب 3.2؛ 4.1 میں 'ہفتہ وار قبائلی بازار' پر سیکشن)

2.4 بازار ایک سماجی ادارے کے طور پر (باب 4)

یونٹ III: سماجی عدم مساوات اور اخراج

3.1 ذاتی تعصب، درج فہرست ذات اور دیگر پس ماندہ طبقات (باب 5.1، 5.2)

3.2 قبائلی کمیونیٹیوں کو حاشیے پر ڈھکیلنا (باب 5.1، 5.2)

3.3 خواتین کی مساوات کے لیے جدوجہد (باب 5.3، 3.3)

3.4 مذہبی اقلیتوں کا تحفظ (باب 6.1، 6.3)

3.5 جداگانہ طور پر اہل لوگوں کی دیکھ بھال (باب 5.4)

یونٹ IV: تنوع میں اتحاد کی دشواریاں

4.1 فرقہ واریت، علاقائیت اور ذات پرستی کے مسائل (باب 6، باب 5.1، 5.2)

4.2 کثیر اور غیر مساوی سماج میں ریاست کا کردار (باب 6، 6.1، باب 5.1، 5.2)

4.3 ہماری مشترکہ باتیں (باب 6، 6.1، 6.4)

یونٹ V: پروجیکٹ کے کام (باب 7)

استعمال کے لیے تجاویز

جیسا کہ پہلے واضح کیا گیا ہے کہ یہ کتاب نئے قومی درسیات کے خاکے کے حقیقی جذبے کا اظہار کرتی ہے۔ اس میں بچوں پر درسی یا نصابی، خاص طور پر معلومات کے دوہرائے جانے کی شکل میں، بوجھ کو کم کیا گیا ہے۔ مزید برآں، مواد کو آج کے سماجی ماحول سے اور بچوں کی روزمرہ کی زندگی کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے لیے درسی کتاب کے مواد اور اس کی وضع میں تبدیلیاں لازمی ہیں۔ اور بے شک اس درسی کتاب کو کلاس روم میں استعمال کرنے کے لحاظ سے تیار کیا گیا ہے۔ جب کہ ہر اسکول، ہر ٹیچر اور ہر کلاس بلاشبہ اس درسی کتاب کے استعمال کے اپنے اپنے طریقوں سے کریں گے، وہیں یہ بھی سچ ہے کہ قومی درسیات کے خاکے کے تحت اب کلاس روم میں مباحثے، سرگرمیوں اور پروجیکٹوں پر زیادہ زور دیا جائے گا اور معلومات کو رٹ کر یاد کرنے اور دہرانے کے عمل سے احتراز کیا جائے گا۔

© NCERT not to be republished

قومی درسیات کے خاکے کی ان بنیادی خصوصیات جو سبھی مضامین پر اثر انداز ہوں گی کے علاوہ درسی کتاب سے متعلق کچھ ایسی خصوصیات مخصوص ہیں جن پر خاص توجہ دی جانے کی ضرورت ہے۔ کچھ واضح مثالیں ذات و دیگر قسم کی عدم مساوات اور اقلیتوں اور متعلقہ امور کے موضوع پر تحریر کیے گئے (ابواب 3، 5 اور 6) ہیں۔ یہ اساتذہ کو اپنی کلاس کی سماجی ساخت کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان حساس موضوعات کو کسی بھی طبقے کے طلبا کو ٹھیس پہنچائے بغیر پڑھانے کے اپنے طریقوں کو وضع کرنے کی تدبیر کرنی ہوگی۔ تاہم ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ سماج کے غالب طبقات کے طلبا کو بھی ان امور خیالات کو جنھیں سچ مان لیا جاتا ہے اپنے فہم عامہ سے تردید کرنے اور دوبارہ غور کرنے کے لیے تحریک دی جانی چاہیے۔ کچھ انھیں اسباب کی بنا پر باب 3 میں سرگرمیوں کی تعداد کم رکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ اساتذہ اپنی کلاس کے مخصوص صورتِ حال کو ذہن میں رکھتے ہوئے موزوں سرگرمیاں خود وضع کریں گے۔

اس استثنیٰ کے علاوہ تمام متن کو سرگرمیوں کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔ سرگرمیاں اس درسی کتاب کا لازمی جزو ہیں اور، انھیں غور وخوض کے بعد اور منصوبہ بند طریقے سے مواد میں شامل کیا گیا ہے۔ اساتذہ اور طلبا ان سرگرمیوں میں مقامی صورت حال کے مطابق ردّبدل کر سکتے ہیں، لیکن براہ کرم انھیں خارج نہ کریں۔ سرگرمیاں مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک نئے قسم کی سرگرمی کو 'مشق' کہا گیا ہے۔ یہ مخصوص متن یا متن میں دیے گئے جدول پر مبنی ہوتی ہے اور اس میں طلبا کو نہایت مخصوص سوالات کا جواب دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انھیں واجب التعمیل سمجھا جانا چاہیے۔ ان کے علاوہ کتاب میں اضافی معلومات فراہم کرنے والے معلوماتی باکس بھی ہیں۔ جو طلبا کو سیاق وسباق سے متعلق مواد فراہم کرتے ہیں اور جو تشخیصی مواد کا جز نہیں ہے، (یعنی امتحان میں اس مواد پر طلبا سے سوال نہیں پوچھے جائیں گے)۔ یہ رنگین ہیں (یعنی خاکستری رنگ کے علاوہ، جو باکس کے لیے معیاری شیڈ ہے)۔

متن بھاری بھرکم نہ لگے اس لیے ہم نے بہت سے حوالہ جات یا اقتباسات کو شامل نہیں کیا ہے۔ ہر باب کے آخر میں حوالے اس طرح دیے گئے ہیں کہ یہ حوالوں کی عام فہرست کے برعکس کتابیات زیادہ ہے۔ تاہم جہاں مخصوص معلومات یا اقتباسات ضروری ہیں وہاں پر ہی حوالے دیے گئے ہیں۔ اگر اساتذہ کسی اضافی مطالعے یا متون کو فائدہ مند پاتے ہیں تو بے شک وہ ان کا استعمال کر سکتے ہیں۔ درسی کتاب کے آخر میں فرہنگ اصطلاحات کا ایک مجموعہ دیا گیا ہے۔ طلبا کو اس سے رجوع کرنے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ جن الفاظ کی توضیح کتاب کے متن میں کی گئی ہے انھیں فرہنگ اصطلاحات میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

پروجیکٹ اور پریکٹکل کام میں بھی ایک خاص بات یہ ہے۔ یہ ایک نئی پہل ہے جس کا اندازِ قدر کے مرحلے پر خاص اثر پڑے گا۔ چوں کہ سماجیات کے لیے کل نمبروں کا کم سے کم بیس فیصد اس سیکشن کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، اس لیے اس پر خاص توجہ دی جانی چاہیے۔ باب 7 میں کچھ تجاویز دی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ گیارھویں جماعت کی درسی کتاب (سماجیات ایک تعارف کے باب 5) میں جن طریقوں پر بحث کی گئی ہے، ان کا اعادہ بھی کیا گیا ہے۔ پروجیکٹ کو پورا کرنے میں کافی وقت لگے گا، اس لیے یہ ضروری ہے کہ انھیں کو اس کے ابتدائی دور میں شروع کروا دیا جائے۔ باب 2 اور 3 کے بعد پروجیکٹوں پر غور کیا جائے اور طلبا کو اپنے اپنے پروجیکٹوں کے موضوعات متعین کر لینے چاہئیں۔ سبھی ابواب کو پڑھا لینے تک انتظار نہ کریں۔ کورس کے آخر میں بھی باب 7 کو دوبارہ پڑھا جا سکتا ہے۔ اس باب میں دی گئی تجاویز محض تجاویز ہیں۔ آپ دیگر مناسب موضوع پر بھی پروجیکٹ کروا سکتے ہیں لیکن ایسا کرتے

وقت باب 7 میں دیے گئے تحقیقی نظام اور تحقیقی کام سے متعلق، عملی اور نظریاتی مسائل کا ضرور خیال رہے۔

بارھویں جماعت کے لیے نئے قومی درسیات کے خاکے کے متعلقات کو زیرِغور لانے کی این سی ای آر ٹی کی یہ پہلی کوشش ہے۔ ہمیں اندازہ ہے کہ اس درسی کتاب کو مزید بہتر بنایا جاسکتا ہے اور آنے والے سال میں ہمیں پورا یقین ہے کہ اساتذہ اور طلبا اپنی بہت سی تجاویز اور تبصروں کے ذریعے اس کتاب کو بہتر بنانے میں ہماری مدد کریں گے۔ ہمیں براہ کرم درج ذیل پتے پر لکھیں:

ہیڈ
ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان سوشل سائنسز اینڈ ہیومینٹیز، این سی ای آر ٹی،
شری ارِبندو مارگ، نئی دہلی 110016

یا آپ ncertsociologytexts@gmail.com پر ای میل کے ذریعہ بھی رابطہ قائم کرسکتے ہیں۔ ہم آپ کے جوابات، تنقیدی تبصرات ہی نہیں بلکہ کتاب کی وضع اور ترتیب وغیرہ کے لیے بھی تجاویز کا انتظار کریں گے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں سبھی مفید تجاویز کی اس درسی کتاب کی اگلی اشاعت میں پذیرائی کی جائے گی۔

© NCERT not to be republished

کمیٹی برائے درسی کتب

چیئر پرسن، مشاورتی کمیٹی برائے سماجی علوم کی درسی کتب (اعلیٰ ثانوی سطح)

ہری واسودیون، پروفیسر، شعبۂ تاریخ، کلکتہ یونیورسٹی، کولکاتہ

خصوصی صلاح کار

یوگیندر سنگھ، پروفیسر ایمریٹس سینٹر فار دی اسٹڈی آف سوشل سسٹمس، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

صلاح کار

ستیش دیش پانڈے، پروفیسر، شعبۂ سماجیات، دہلی یونیورسٹی، دہلی

میتریہ چودھری، پروفیسر، سینٹر فار دی اسٹڈی آف سوشل سسٹمس، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

اراکین

امیتا باوِسکر، ایسوسی ایٹ پروفیسر، انسٹی ٹیوٹ آف اکنامک گروتھ، دہلی

انجن گھوش، فیلو، سینٹر فار اسٹڈیز ان سوشل سائنسز، کولکاتہ

کرول اپادھیائے، فیلو، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز، بنگلور

خامیامم اندرا، اسسٹنٹ پروفیسر، نارتھ ایسٹ ریجنل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، این سی ای آر ٹی، شیلانگ

کشال دیب، ایسوسی ایٹ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ہیومینٹیز اینڈ سوشل سائنس، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی، ممبئی

منجو بھٹ، پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان سوشل سائنسیز اینڈ ہیومینٹیز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

تاسونگ نیومی، اسسٹنٹ پروفیسر، نارتھ ایسٹرن، ریجنل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، این سی ای آر ٹی، شیلانگ

ممبر کوآرڈی نیٹر

ساریکا چندرونشی ساجو، اسسٹنٹ پروفیسر، آر آئی ای، بھوپال

© NCERT not to be republished

اظہار تشکر

اس درسی کتاب کی تیاری میں جو چیلنج پیش آئے ان کو پورا کرنے میں کئی لوگوں کا تعاون حاصل رہا ہے، جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ سب سے پہلے ان سبھی رفیق کاروں کے ممنون ہیں جنھوں نے اپنی دیگر مصروفیات سے وقت نکال کر اس کام کو پورا کرنے میں اپنا پورا تعاون دیا۔ درسی کتاب کے مواد میں نمایاں اشتراک کے لیے ایڈیٹوریل ٹیم کے ممبران امیتا باوسکر، کشل دیب، انجن گھوش اور کرول اپادھائے کے ہم شکر گزار ہیں۔ ہم پروفیسر نندنی سندر، شعبہ سماجیات، دہلی یونیورسٹی؛ نتیہ رام کرشن، ایڈوکیٹ، نئی دہلی؛ محترمہ لتا گووند، لکھنو؛ محترمہ سیما بنرجی، لکشمن پبلک اسکول، نئی دہلی اور جناب دیو پاٹھک، بلیوبیل انٹرنیشنل اسکول، نئی دہلی کا بھی ان کے تعاون اور تجاویز کے لیے شکر گزار ہیں۔

ہم شویتا راؤ کے خاص طور پر ممنون ہیں جنھوں نے بہت ہی کم وقت میں اس کتاب کی ڈیزائن اور مختلف ذرائع سے کچھ فوٹو گراف حاصل کرنے کا چیلنج قبول کیا۔ ان کا تعاون ہر صفحہ پر صاف دکھائی دیتا ہے۔ کونسل خصوصی صلاح کار پروفیسر یوگیندر سنگھ کی شکر گزار ہے جنھوں نے آگے بڑھنے میں ضروری اعتماد پیدا کیا انھوں نے اور پروفیسر کرشن کمار، ڈائرکٹر، این سی ای آر ٹی نے وہ ''ابھے ہست'' فراہم کیا جس سے ہماری اجتماعی کوششوں کو سمت ملی۔ پروفیسر سویتا سنہا، ہیڈ، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان سوشل سائنسز اینڈ ہیومینیٹیز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی نے ہر لمحے ہر طرح کا تعاون فراہم کیا۔ ڈاکٹر شویتا اپل، چیف ایڈیٹر، این سی ای آر ٹی نے ہمارے کام کو آسان تو بنایا ہی، ساتھ ہی انھوں نے ہمیں ایسے اعلا مقاصد متعین کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کی جو شاید ہم خود طے نہیں کر پاتے ہم ان سب کے بے حد ممنون ہیں۔

آخر میں، ان سبھی اداروں اور افراد کے شکر گزار ہیں جنھوں نے ہمیں اپنے مواد کا استعمال کرنے کی اجازت دی۔ ڈاکٹر سی۔ پی۔ چندر شیکھر، ڈاکٹر رام چندر گوہا اور جناب بشارت پیر کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں کہ بالترتیب فرنٹ لائین، دی ٹائمس آف انڈیا اور تہلکہ جن کی تحریروں کو ہم نے استعمال کیا ہے، این سی ای آر ٹی کے آر۔ کے۔ لکشمن کے خاص طور پر شکر گزار ہیں جنھوں نے اپنے کارٹونوں کا اس درسی کتاب میں استعمال کرنے کی اجازت دی۔ کونسل ڈاکٹر مالویکا کارلیکر کا بھی شکریہ ادا کرتی ہے جنھوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نئی دہلی کے ذریعہ مطبوعہ اپنی کتاب Visualizing Indian Woman 1875-1947 سے فوٹو گراف کے استعمال کے لیے ہمیں اجازت دی۔ کچھ فوٹو گراف راجستھان ٹورزم ڈپارٹمنٹ، حکومت کے ذریعہ شائع کیے گئے مواد سے، انڈیا ٹوڈے، آوٹ لک اور فرنٹ لائن سے لیے گئے تھے۔ کونسل ان مواد کے مصنفین، کاپی رائٹ کے حاملین اور ناشرین کی شکر گزار ہے۔ کونسل، پریس انفارمیشن بیورو، وزارت اطلاعات ونشریات دہلی کی بھی شکر گزار ہے جنھوں نے اپنی فوٹو لائبریری میں دستیاب فوٹو گراف کے استعمال کی اجازت دی۔ ایک کولاز سینٹ میری اسکول، نئی دہلی کی چھٹی کلاس کی طالبہ مہما چوپڑا نے تیار کیا تھا جس کے لیے کونسل ان کی شکر گزار ہے۔ کچھ فوٹو گراف ہم رکش ٹرسٹ، نئی دہلی، محترمہ آرتی ناگ راج، نئی دہلی، جناب وائی۔ کے۔ گپتا اور جناب آر۔ سی داس سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل ٹکنالوجی، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی کے ذریعہ فراہم کیے گئے تھے۔ کونسل ان سبھی کے اشتراک کے لیے شکر گزار ہے۔

© NCERT not to be republished

فہرست

پیش لفظ	iii
اس درسی کتاب کو کیسے استعمال کریں	v
باب1 ہندوستانی سماج کا تعارف	1-8
باب2 ہندوستانی سماج کی آبادیاتی ساخت	9-40
باب3 سماجی ادارے: تسلسل اور تبدیلی	41-62
باب4 بازار ایک سماجی ادارے کی حیثیت سے	63-82
باب5 سماجی عدم مساوات اور اخراج کی شکلیں	83-116
باب6 ثقافتی تنوع کے چیلنج	117-146
باب7 پروجیکٹ کام کے لیے تجاویز	147-159
فرہنگِ اصطلاحات	160-169

© NCERT not to be republished

بھارت کا آئین

تمہید

ہَم بھارت کے عوام متانت وسنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بَھارَت کو ایک مقتَدر، سمَاج وَادی، غیَر مَذہَبی عَوامی جَمہُوریَہ بنائیں اور اس کے تمام شہریوں کے لیے حاصل کریں۔

انصاف سماجی، معاشی اور سیاسی

آزادی خیال، اظہار، عقیدہ، دین اور عبادت

مساوات بہ اعتبار حیثیت اور موقع اور ان سب میں

اخوت کو ترقی دیں جس سے فرد کی عظمت اور قوم کے اتحاد اور سالمیت کا تیقن ہو۔

اپنی آئین ساز اسمبلی میں آج چھبیس نومبر 1949ء کو یہ آئین ذریعہ ہذا اختیار کرتے ہیں، وضع کرتے ہیں اور اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں۔

1۔ آئینی (بیالیسویں ترمیم) ایکٹ، 1976 کے سیکشن 2 کے ذریعہ ''مقتدر عوامی جمہوریہ'' کی جگہ (3-1-1977 سے)

2۔ آئینی (بیالیسویں ترمیم) ایکٹ، 1976 کے سیکشن 2 کے ذریعہ ''قوم کے اتحاد'' کی جگہ (3-1-1977 سے)

© NCERT not to be republished

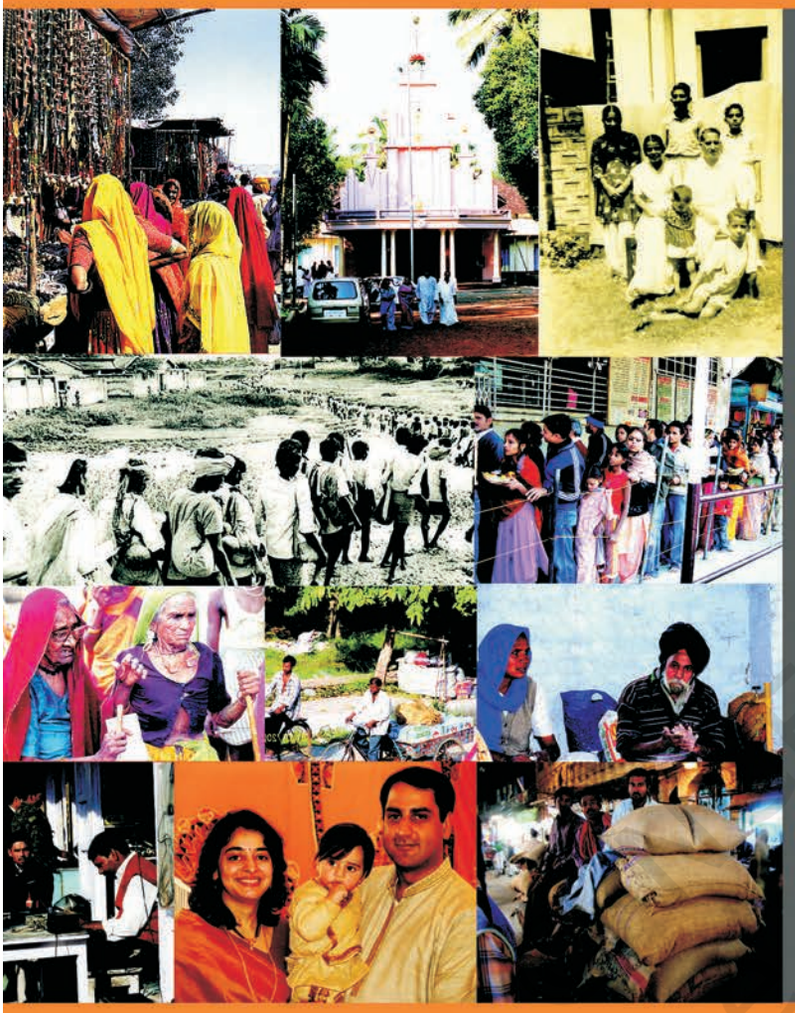

5273CH01

باب 1

ہندوستانی سماج کا تعارف

(Introducing Indian Society)

not to be republished © NCERT

ایک اہم معنی میں سماجیات اُن تمام مضامین سے الگ ہے جو آپ نے پڑھے ہیں۔ یہ ایک ایسا مضمون ہے جسے کوئی بھی صفر سے شروع نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو سماج کے بارے میں پہلے سے ہی کچھ نہ کچھ پتہ ہوتا ہے۔ دوسرے مضامین کو ہم سکھائے جانے پر ہی سیکھ پاتے ہیں، (خواہ انھیں اسکول، گھر یا اور کہیں سے حاصل کیا جائے) لیکن سماج کے بارے میں ہمارا بہت کچھ علم براہِ راست تعلیم کے بغیر ہی حاصل کیا ہوا ہے کیوں کہ یہ ہمارے بڑے ہونے کے عمل کا ایک ایسا جزولازمی ہے جس میں سماج کے بارے میں علم ''فطری طور پر'' یا خود بخود حاصل کیا ہوا لگتا ہے۔ پہلے درجے میں داخل ہونے والے کسی بچے سے ہم یہ توقع نہیں کرتے کہ وہ تاریخ، جغرافیہ، نفسیات یا معاشیات جیسے مضامین کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے لیکن ایک چھے سال کا بچہ بھی سماج اور سماجی رشتوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اٹھارہ سال کے بالغ نوجوان ہونے کی حیثیت سے آپ اپنے سماج کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ آپ نے سماج کا مطالعہ کیا ہے بلکہ محض اس لیے کہ آپ اس سماج میں رہتے ہیں اور اس میں پرورش پائی ہے۔

اس قسم کا ''پہلے سے ہی'' یا ''اپنے آپ'' حاصل کیا گیا علم سماجیات کے لیے فائدے مند بھی ہے اور نقصان دہ بھی۔ فائدے مند اس لیے کہ عام طور پر طلبا، سماجیات سے ڈرتے نہیں ہیں۔ انھیں لگتا ہے کہ یہ مضمون آسان ہوگا اور اُسے سیکھنے میں انھیں دشواری نہیں ہوگی۔ نقصان دہ اس لیے کہ پہلے ہی سے حاصل کیا گیا علم ایک مسئلہ بن سکتا ہے۔ سماجیات کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس علم کو بھلا دینے کی ضرورت ہے جو ہم سماج کے بارے میں پہلے سے جانتے ہیں۔ درحقیقت سماجیات کو سیکھنے کا ابتدائی مرحلہ خاص طور پر اسے بھول جانے پر مضمر ہے۔ یہ ضروری ہے، کیوں کہ سماج کے بارے میں ہمارا پہلے سے حاصل شدہ علم ہماری عام سمجھ ہے جس کو ہم ایک خاص نقطۂ نظر سے حاصل کرتے ہیں۔ یہ سماجی گروہ اور سماجی ماحولیات کے بارے میں وہ نقطۂ نظر ہے جس میں ہم سب سماجی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ ہمارا سماجی زاویہ بھی ہمارے نظریات عقائد اور توقعات جو کہ سماج اور سماجی رشتوں کے بارے میں ہوتے ہیں انھیں شکل وصورت عطا کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ عقائد غلط ہی ہوں، لیکن ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ وہ نامکمل (مکمل کے برعکس) اور جانب دار (غیر جانب دار کے برعکس) ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمارا بغیر سیکھا ہوا علم یا عام سمجھ ہمیں اکثر اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم سماجی حقیقت کا صرف ایک حصہ ہی دیکھیں۔ ان کے علاوہ یہ عموماً ہمارے اپنے سماجی گروہ کے مفاد اور نظریات کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے۔

سماجیات اس مسئلے کا حل ایک ایسے نظریے کے طور پر پیش نہیں کرتا جس کے ذریعہ پوری حقیقت کو غیر جانب داری کے ساتھ دیکھا جاسکے۔ حقیقت میں، ماہرینِ سماجیات کا ماننا ہے کہ ایسا مثالی ماحول یا 'مثالی نظریہ ہوتا ہی نہیں ہے کہ ہم کسی بھی جگہ سے کھڑے ہوکر کسی ایک جگہ کو ہی دیکھ سکتے ہوں۔ کسی ایک مقام سے دنیا کو صرف جزوی نظریے سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ سماجیات ہمیں یہ سیکھنے کی دعوت دیتا ہے کہ دنیا کو ہمارے اپنے نظریے کے علاوہ ہم سے الگ لوگوں کے نظریے سے کیسے دیکھا جائے۔ ہر ایک نظریہ صرف ایک جزوی نظریہ پیش کرتا ہے۔ لیکن جب ہم دنیا کی نگاہوں اور مختلف لوگوں کے نظریات کا تقابل کرتے ہیں تو ہمیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر کیا ہوسکتا ہے اور ہر اُس خاص نظریے کے اعتبار سے کیا کچھ پوشیدہ رہ گیا ہے۔

اس سے بھی اچھی بات یہ ہے کہ سماجیات آپ کو یہ دکھا سکتا ہے کہ دوسرے آپ کو کس طرح دیکھتے ہیں یا یوں کہیں کہ آپ کو یہ سکھا سکتا ہے کہ آپ خود کو باہر سے کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔ اسے 'خود شناسی' یا ''خود شعوری'' کہا جاتا ہے۔ یہ اپنے بارے میں سوچنے، اپنی نگاہوں کو لگاتار اپنی طرف رکھنے (جو کہ اکثر باہر کی طرف ہوتی ہیں) کی صلاحیت ہے۔ لیکن خود کا یہ معائنہ تنقیدی ہونا چاہیے یعنی اپنی تنقید کے لیے جلد بازی اور تعریف کے لیے سست رفتاری۔

© NCERT not to be republished

سب سے آسان مرحلہ پر کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی سماج اور اس کی ساخت کی سمجھ آپ کو ایک سماجی قسم کا نقشہ عطا کرتا ہے جس کے ذریعہ آپ خود کو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ جغرافیائی نقشہ کی طرح خود کو سماجی نقشے میں پتہ لگانا ان معنوں میں مفید ہوسکتا ہے کہ اس سے آپ کو یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ سماج میں دوسرے لوگوں سے تعلقات کے حوالہ سے آپ کہاں ہیں۔ مثال کے طور پر مان لیجیے کہ آپ اروناچل پردیش میں رہتے ہیں۔ اگر آپ جغرافیائی نقشے کو دیکھیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ کی ریاست ہندوستان کے شمالی مشرقی کونے میں موجود ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ آپ کی ریاست دوسری بڑی ریاستوں جیسے، اتر پردیش، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر یا راجستھان کے مقابلے میں چھوٹی ہے۔ لیکن یہ دوسری بہت سی ریاستوں جیسے، منی پور، گووا، ہریانہ یا پنجاب سے بڑی ہے۔ اگر آپ طبیعی خصوصیات کے نقشے کو دیکھیں گے تو آپ کو یہ معلومات حاصل ہوسکتی ہیں کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں اور ریاستوں کے مقابلے میں اروناچل پردیش کا خطہ کیسا ہے (پہاڑوں، جنگلوں سے بھرپور)، یہاں کون سے قدرتی وسائل بھرپور مقدار میں پائے جاتے ہیں اور اسی طرح کی دوسری باتوں کے بارے میں آپ جان سکیں گے۔

ایک تقابلی سماجی نقشہ آپ کو سماج میں آپ کے وقوع کے بارے میں بتا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، سترہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں آپ اس سماجی گروہ کے ممبر ہیں جسے ''نوجوان طبقہ'' کہا جاتا ہے۔ ہندوستان کی تقریباً 40 فی صد آبادی آپ کی یا آپ سے چھوٹے عمر کے لوگوں کی ہے۔ آپ کسی خاص حلقہ یا لسانی طبقہ (جیسے گجرات سے گجراتی زبان یا آندھرا پردیش سے تیلگو بولی) سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ والدین کے پیشے اور آپ کے خاندان کی آمدنی کے مطابق آپ ایک معاشی طبقہ (جیسے متوسط طبقہ یا اونچا طبقہ) کے ممبر بھی ہوں گے۔ آپ ایک خاص مذہبی گروہ، ایک ذات یا قبائلی یا ایسے ہی کسی دوسرے سماجی گروہ کے فرد بھی ہوسکتے ہیں۔ ایسی ہر ایک پہچان سماجی نقشے میں اور سماجی تعلقات کے تانے بانے میں آپ کی حیثیت معین کرتی ہے۔ سماجیات آپ کو سماج میں پائے جانے والے مختلف قسم کے گروہوں، اُن کے آپسی تعلقات اور آپ کی اپنی زندگی کی اہمیت کے بارے میں بتلاتا ہے۔

لیکن سماجیات صرف آپ کا یا دوسرے لوگوں کا محلِ وقوع معین کرنے میں اور مختلف سماجی گروہوں کے مقامات کو بیان کرنے میں معاون ہونے کے علاوہ اور بھی بہت کچھ سکھا سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک مشہور ماہر سماجیات سی۔ رائٹ ملس (C.Wright Mills) نے لکھا ہے۔ سماجیات آپ کی 'ذاتی الجھنوں' اور 'سماجی امور' کے بیچ کی کڑیوں اور تعلقات کو اُجاگر کرنے میں مدد کرسکتا ہے۔ ذاتی الجھنوں سے ملس کی مراد ہے مختلف قسم کی ذاتی فکر و پریشانی، مسائل و معاملات جس سے ہر ایک دوچار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہوسکتا ہے آپ کے خاندان کے بزرگ افراد یا آپ کے بھائی، بہن، دوست آپ سے جو سلوک کرتے ہیں، ان سے آپ خوش نہیں ہیں۔ شاید آپ اپنے مستقبل کے بارے میں یا آپ کو کس قسم کی نوکری ملے گی اس بارے میں فکرمند ہوں۔ آپ کی ذاتی شناخت کے دوسرے پہلو انانیت، تناؤ، خود اعتمادی یا مختلف قسم کی الجھنوں کے ذرائع ہوسکتے ہیں۔ لیکن یہ سب ایک ہی خاص فرد سے جڑی ہوتی ہیں اور ان کے معنی اس ذاتی تناظر تک ہی محدود ہیں۔ دوسری طرف، ایک سماجی مدعا بڑے گروہوں سے جڑا ہوتا ہے کہ اس تنہا فرد سے جو ان گروہوں کے افراد ہیں۔

اس لیے بزرگ اور نوجوان نسلوں کے درمیان ''نسلی فاصلہ'' یا من مٹاؤ ایک غیر معمولی سماجی مشاہدہ ہے جو مختلف سماجوں اور اوقات میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ بے روزگاری یا پیشوں کی ساخت میں ہونے والی تبدیلی کے اثرات بھی ایک دوسرا سماجی مسئلہ ہے، جو مختلف قسم کے لاکھوں افراد سے جڑا ہے۔ مثال کے لیے اطلاعات کی تکنیک سے جڑے پیشوں میں اچانک اضافہ ہونا

© NCERT not to be republished

اور ساتھ ہی زرعی مزدوروں کی مانگ میں کمی آنا اس میں شامل ہے۔فرقہ واریت یا ایک مذہبی طبقہ کا دوسرے مذہبی طبقہ کے لیے نفرت اور سخت دشمنی یا ذات پرستی جو کہ کچھ ذاتوں کے ذریعہ دوسری ذاتوں سے قطعۂ تعلق یا ظلم و تشدد جیسے واقعات سماج میں عام طور پر پائے جانے والے مسائل ہیں۔مختلف افراد کا اس میں مختلف رول ہوسکتا ہے جو ان کی سماجی حیثیت پر منحصر ہوتا ہے۔اس لیے کسی نام نہاد اونچی ذات کا فرد جو کسی نچلی ذات میں پیدا ہوئے فرد کو اپنے سے نیچا مانتا ہے ذات پرستی کے عمل میں مرتکب کی حیثیت میں شامل ہے جب کہ کسی نام نہاد ذات کا فرد بھی اس میں شامل ہے، لیکن ایک مظلوم کی حیثیت سے۔اسی طرح مرد اور عورتیں دونوں ممتاز سماجی گروہ کی حیثیت سے صنفی نابرابری سے متاثر ہوتے ہیں لیکن بالکل مختلف طریقے سے۔

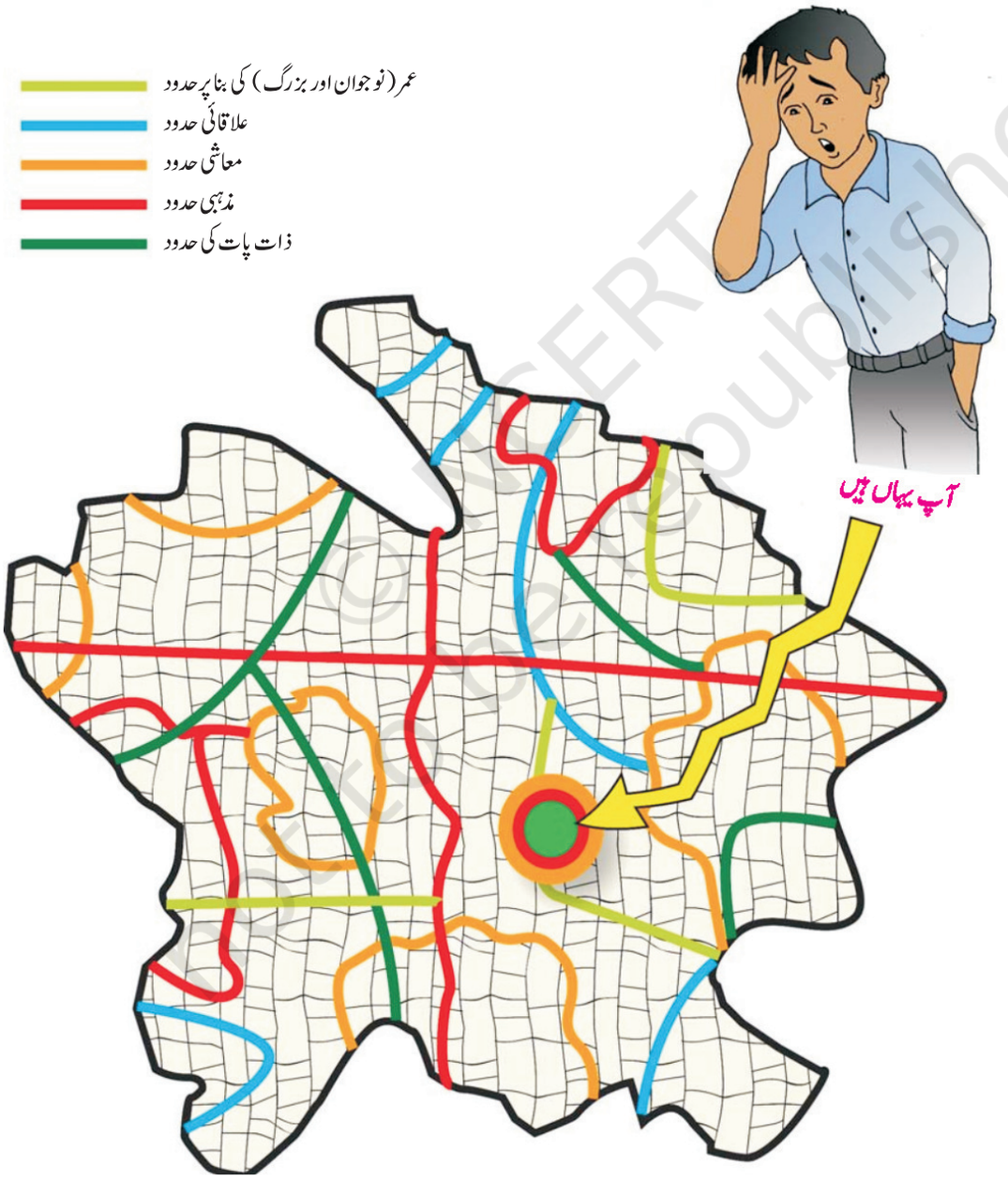

© NCERT not to be republished

اس طرح کے سماجی نقشے کی ایک شکل ہمیں بچپن میں ہی سماجیات کے عمل کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ وہ تمام طور طریقے جس کے ذریعے ہمیں آس پاس کی دنیا کو سمجھنا سکھایا جاتا ہے۔ وہ سب اس نقشہ کو بنانے میں شامل ہیں۔ یہ عام سمجھ کا نقشہ ہوتا ہے۔لیکن جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اس طرح کے نقشے عام سمجھ کے جزوی و جانب دار ہونے کے سبب غلط رہنمائی کر سکتے ہیں یا شکل کو توڑ مروڑ کر پیش کر سکتے ہیں۔ ہماری عام سمجھ کے نقشے کے علاوہ ہمارے پاس کوئی دوسرا تیار نقشہ نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ہماری اشتراکیت صرف ایک گروہ سے ہوتی ہے نہ کہ تمام گروہوں سے۔ اگر ہم دوسری طرح کے نقشے چاہتے ہیں تو ہمیں ان کو کیسے بنایا جائے یہ سیکھنا ہوگا۔ ایک سماجیاتی پس منظر آپ کو مختلف قسم کے سماجی نقشوں کو بنانا سکھاتا ہے۔

1.1 تعارف کا تعارف...

اس پوری کتاب کا مقصد ہندوستانی سماج کا عام فہم کے نقطہ نظر سے نہیں بلکہ سماجیاتی نقطۂ نظر سے تعارف کراتا ہے۔ اس تعارف کے تعارف میں کیا کہا جاسکتا ہے؟ شاید یہاں ان وسیع سماجی عمل کاریوں کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہوگا جو ہندوستانی سماج کو شکل دے رہے ہیں، جن کے بارے میں آپ اگلے صفحات میں تفصیل سے پڑھیں گے۔

موٹے طور پر کہا جائے تو نوآبادیاتی دورِ حکومت میں ہی ایک مخصوص ہندوستانی شعور بیدار ہوا۔ نوآبادیاتی حکومت نے پہلی بار پورے ہندوستان کو متحد کیا اور سرمایہ دارانہ معاشی تبدیلی و جدیدیت کی طاقت ور روشوں سے ہندوستان کو متعارف کرایا۔ ایک طرح سے جو تبدیلی لائی گئی۔ انھیں واپس تو نہیں کیا جاسکتا اور سماج بھی پہلی حالت میں نہیں واپس ہوسکتا تھا۔ نوآبادیاتی حکومت کے دوران ہندوستان کی معاشی، سیاسی اور انتظامیہ کی یکسانیت کو مہنگی قیمت ادا کر کے حاصل کیا گیا تھا۔ برطانوی لوٹ کھسوٹ اور تسلط کے ذریعے دیے گئے مختلف زخموں کے نشان ہندوستانی سماج پر آج بھی موجود ہیں لیکن اُس دور کی درحقیقت ایک متناقص سچی بات یہ بھی ہے کہ برطانوی حکومت نے ہی اپنے حریف قومیت (قوم پرستی) کو جنم دیا۔

تاریخی اعتبار سے، ہندوستانی قومیت نے برطانوی نوآبادیاتی کے دور میں ہی شکل وصورت اختیار کی۔ نوآبادیات کے مشترکہ تجربات نے برادری کے مختلف اجزا کو جوڑنے پر زور دیا اور انھیں جلا بخشی۔ مغربی طرز کی تعلیم کی بدولت ابھرتے ہوئے متوسط طبقہ نے نوآبادیات کو اس کی اپنی بنیاد پر ہی للکارا۔ ہماری تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ نوآبادیات اور مغربی تعلیم نے ہی روایت کی دوبارہ تلاش کو حوصلہ عطا کیا۔ اس سے کئی قسم کی ثقافتی اور عصری سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی ہوئی جس سے قومی اور علاقائی سطحوں پر برادری کی نئی شکل کو مضبوطی حاصل ہوئی۔

نوآبادیاتی طرز نے نئے طبقوں اور برادریوں کو پیدا کیا جنھوں نے بعد میں تاریخ میں اہم رول ادا کیے۔ شہری متوسط طبقے قوم پرستی کے اہم ذرائع تھے جس نے آزادی حاصل کرنے کی مہم کی سربراہی کی۔ نوآبادیات کی دخل اندازی نے ذات اور مذہب پر مبنی طبقوں کو ایک واضح شکل بھی دی اور ان سب نے ایک اہم رول ادا کیا۔ عصری ہندوستانی سماج کے بعد کی تاریخ جن پیچیدہ طریقوں سے ترقی پا رہی ہے ان کے بارے میں آپ اگلے اسباق میں پڑھیں گے۔

© NCERT not to be republished

1.2 اس کتاب کا پیشگی مشاہدہ

سماجیات کی دو کتابوں میں سے پہلی کتاب میں آپ کا تعارف ہندوستانی سماج کی بنیادی ساخت سے کرایا جائے گا۔ (دوسری کتاب ہندوستان میں سماجی تبدیلی اور ترقی کی خصوصیت پر مرکوز ہوگی)

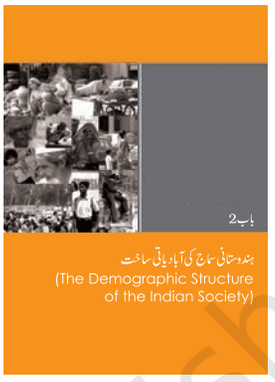

ہم ہندوستانی آبادی کی آبادیاتی ساخت (باب 2) پر غور وفکر سے شروعات کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، آج ہندوستان دنیا کا دوسرا سب سے زیادہ آبادی والا ملک ہے اور ایک اندازے کے مطابق کچھ دہائیوں میں چین کو پیچھے چھوڑ کر دنیا کا سب سے زیادہ آبادی والا ملک بن جائے گا۔ وہ کون سے طریقے ہیں جن کے ذریعے ماہرین سماجیات اور ماہرین آبادیات آبادی کا مطالعہ کر سکتے ہیں؟ آبادی کے کون سے پہلو سماجی طور پر اہم ہیں اور ہندوستانی تناظر میں ان محاذوں پر کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہماری آبادی ترقی میں ایک رکاوٹ ہے یا اسے ترقی میں کسی قسم کی مدد کے طور پر بھی دیکھا جا سکتا ہے؟ اس مطالعہ میں ان چند سوالات کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

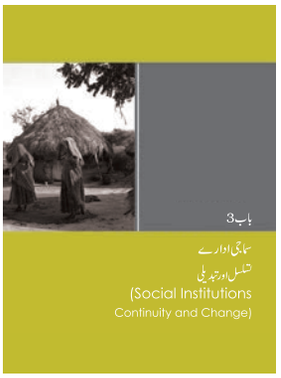

باب 3 میں ہم ذات، قبائل اور خاندان کے اداروں کی شکل میں ہندوستانی سماج کے بنیادی تعمیری اجزا کا دوبارا مطالعہ کریں گے۔ برصغیر ہند کی ایک مخصوص پہچان کے طور پر ذات ہمیشہ عالمانہ توجہ کی باعث رہی ہے۔ مختلف صدیوں سے یہ ادارہ کس طرح تبدیل ہو رہا ہے اور آج حقیقت میں ذات کے کیا معنی ہیں؟ کس حوالہ کے تحت 'قبائل' کا تصور ہندوستان میں آیا تھا؟ قبائل کس طرح کی برادری مانی جاتی ہے اور انھیں اس طرح سے متعارف کرانے میں ہم کیا داؤ پر لگا رہے ہیں؟ قبائلی برادری، عصری ہندوستان میں خود کو کس طرح متعارف کراتی ہے؟ آخر کار ایک ادارے کی حیثیت سے خاندان بھی اس ہولناک اور گہرے سماجی تبدیلی کے بھاری دباؤ کا موضوع رہا ہے۔ ہندوستان میں پائے جانے والے خاندان کی مختلف شکلوں میں ہم کیا تبدیلی دیکھتے ہیں؟ اس قسم کے سوالات زیر بحث لاکر باب 3 میں ہندوستانی سماج کے دوسرے پہلو جیسے ذات، قبائل اور خاندان کو دیکھنے کی بنیاد تیار کرتا ہے۔

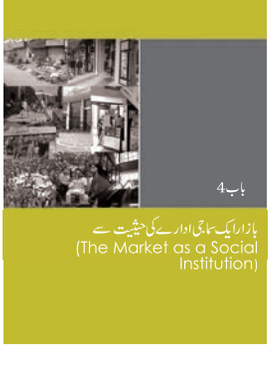

باب 4 ایک طاقت ور ادارے کی حیثیت سے بازار کے سماجی۔ ثقافتی طول وعرض کو ڈھونڈتا ہے، جو کہ تمام دنیا کی تاریخ کو تبدیل کرنے کا ایک اہم ذریعہ رہا ہے۔ یہ مانتے ہوئے کہ سب سے گہرا اثر ڈالنے والی اور دور رس معاشی تبدیلی سب سے پہلے نوآبادیات کے ذریعے اور بعد میں ترقی پذیر پالیسیوں کے ذریعے لائی گئی۔ یہ باب یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ ہندوستان میں مختلف قسم کے بازاروں کا وجود کس طرح قائم ہوا اور اس نے کس طرح نئی روشنی کو پیدا کیا۔

© NCERT not to be republished

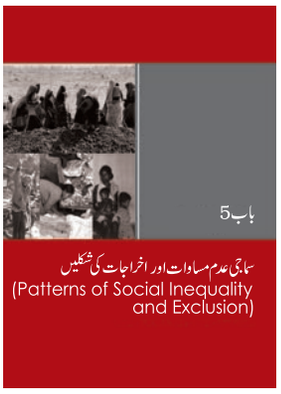

ہمارے سماج کی خصوصیات میں جو سب سے زیادہ فکر کا موضوع رہا ہے وہ ہے عدم مساوات اور اخراج پیدا کرنے کی غیر محدود صلاحیت۔ باب 5 اس اہم موضوع کی نذر ہے۔ باب 5 غیر برابری اور خارجیت کو ذات، قبائل، جنس اور دوسرے باصلاحیت، لوگوں کے حوالے سے دیکھتا ہے۔ تقسیم اور ناانصافی ایک ذریعہ کے طور پر بدنام ذات کے نظام کو مٹانے یا اس میں سدھار لانے کی منظّم کاوش دبی کچلی ذاتوں اور ریاستوں کے ذریعے کی جاتی رہی ہے۔ وہ کون سے واضح مسائل اور امور ہیں جو ان کوششوں کے ذریعہ سامنے آئے؟ ہمارے قریب کے ماضی میں ہوئی کچھ تحریکیں اخراج ذات کو روکنے میں کتنی کامیاب رہی ہیں؟ قبائلی تحریکوں کے اہم مسائل کیا ہیں؟ آج قبائلی کس حوالے سے اپنی پہچان کو دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں؟ اس طرح کے سوالوں کو جنس پر مبنی تعلقات یا معذور یا مختلف قسم کے اہل کے لوگوں کے حوالے سے بھی جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمارا سماج کس حد تک مختلف قسم کے اہل لوگوں کی ضروریات کے تئیں جواب دہ ہے۔ خواتین کی تحریکوں کا سماجی اداروں پر جنھوں نے خواتین پر ظلم کیا ہے اس پر کتنا اثر پڑا ہے؟

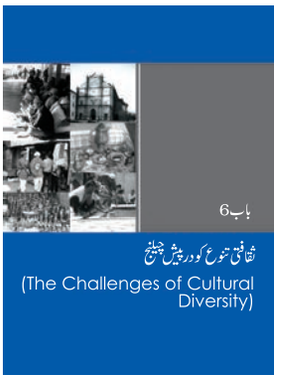

باب 6 ہندوستانی سماج کے بے شمار تنوع سے پیدا ہونے والے چیلنج کے بارے میں بات کرتا ہے۔ یہ باب ہمیں ہمارے عام اور آرام دہ فکر کے طریقوں سے باہر آنے کی دعوت دیتا ہے۔ ہندوستان کی کثرت میں وحدت ہونے کے مقبول عام نعروں کا ایک پیچیدہ پہلو بھی ہے۔ تمام تر ناکامیوں اور خامیوں کے باوجود ہندوستان نے اس محاذ پر کوئی بڑا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ ہماری طاقت اور کمزوریاں کیا رہی ہیں؟ نوجوان بزرگ کس طرح مختلف مسائل جیسے فرقہ وارانہ تصادم، علاقائی اور لسانی انتہا پسندی کا سامنا کرتے ہیں اور ذات پرستی کو ہٹائے بغیر یا ان سے پوری طرح متاثر ہوئے بغیر ان کا سامنا کیسے کریں گے؟ ایک ملک کی حیثیت سے ہمارے اجتماعی مستقبل کے لیے یہ کیوں اہم ہے کہ ہندوستان میں پائی جانے والی ہر ایک اقلیت یہ محسوس نہ کرے کہ وہ غیر محفوظ ہے یا خطرے میں ہے؟

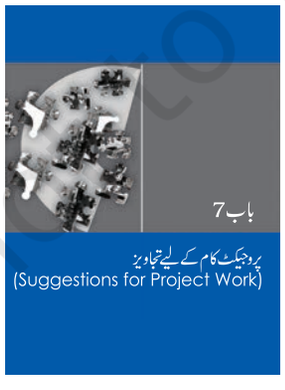

آخر میں باب 7 میں آپ کو اور اساتذہ کو آپ کے نصاب کے تجرباتی حصے کے بارے میں غور وفکر کے لیے کچھ مشورے دیے گئے ہیں۔ جیسا کہ آپ دیکھیں گے کہ یہ کافی دلچسپ اور پرلطف ہو سکتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

نوٹس

© NCERT not to be republished



5273CH02

باب 2

ہندوستانی سماج کی آبادیاتی ساخت

(The Demographic Structure of the Indian Society)

not to be republished © NCERT

آبادیات، آبادی کا منظّم مطالعہ ہے۔ یہ یونانی اصل کی اصطلاح ہے اور دو الفاظ demos (لوگ) اور 'graphein' (بیان کرنا) سے مل کر بنی ہے، ان سے لوگوں کے بارے میں بیان کی دلالت ہوتی ہے۔ آبادیات میں آبادی سے متعلق رجحانات اور عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس میں آبادی کے حجم میں تبدیلیاں، پیدائش، اموات اور نقل مکانی کی وضع اور آبادی کی شناخت اور ترکیب جیسے عورتوں، مردوں اور مختلف عمر کے گروپوں کا نسبتی تناسب شامل ہے۔ آبادیات کی کئی قسم ہے جس میں رسمی آبادیات جو بڑی حد تک مقداری میدان ہے اور سماجی آبادیات جو آبادی کے سماج، معاشی یا سیاسی پہلو پر مرکوز ہے، شامل ہے۔ سبھی آبادیاتی مطالعات مردم شماری (جس میں کسی مخصوص خطے میں رہنے والے لوگوں کے اعداد و شمار کو منظّم طور پر جمع کرنا شامل ہے) جیسے شمار (سروے) کے عمل پر مبنی ہیں۔

آبادیات وہ میدان ہے جس کی سماجیات میں خاص اہمیت ہے۔ درحقیقت سماجیات کے ظہور میں اور ایک علمی مضمون کی حیثیت سے اسے مستقل صورت اختیار کرنے میں آبادیات کی کافی اہمیت رہی ہے۔ اٹھارھویں صدی کے دوسرے نصف کے دوران یوروپ میں دو مختلف عمل تقریباً ساتھ ساتھ واقع ہوئے۔ ایک تو سیاسی تنظیم کی خاص شکل کے طور پر دوسرے قومی ریاستوں کی تشکیل اور شماریات کی جدید سائنس کی شروعات۔ جدید ریاست نے اپنے کردار و عمل میں توسیع کی شروعات کی۔ مثال کے لیے اس کے ذریعے عوامی صحت کا انتظام، پولیس، نظم و ضبط قائم کرنے، زراعت اور صنعت، ٹیکس کاری اور محاصل سے متعلق معاشی پالیسی اور شہروں کے انتظامیہ ابتدائی شکلوں کے فروغ میں زبردست دلچسپی لینے کی شروعات ہوئی۔

ریاست کو اس نئے اور مستقل طور پر وسعت پزیر دائرہ عمل کے لیے سماجی شماریات یا آبادی اور معیشت کے مختلف پہلوؤں پر مقداری اعداد کو منظّم اور باقاعدہ طور پر جمع کرنے کی سرگرمی کی ضرورت تھی۔ ریاست کے ذریعے سماجی شماریات کے جمع کرنے کا رواج اپنے آپ میں بہت پرانا ہے لیکن اٹھارھویں صدی کے آخر تک اس نے جدید شکل حاصل کر لی۔ 1790 میں امریکا کے ذریعے کی گئی مردم شماری شاید پہلی جدید مردم شماری تھی اور یہ عمل جلد ہی 1800 کی ابتدا میں یوروپ میں شروع ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں مردم شماری کی شروعات 72-1867 کے درمیان برطانوی ہندوستانی حکومت کے زیر اہتمام کی گئی تھی اور 1881 سے باقاعدہ دس سالوں پر (دہ سالہ) اس کا اہتمام کیا جانے لگا۔ آزاد ہندوستان میں عمل جاری رہا اور چھ دہ سالہ مردم شماریوں کا اہتمام 1951 سے ابھی حال تک 2011 میں کیا جا چکا ہے۔ ہندوستان میں ہونے والی مردم شماری دنیا کی ایسی سب سے بڑی مردم شماری ہے (کیوں کہ چین میں اس سے تھوڑی زیادہ آبادی ہے لیکن وہ باقاعدہ بنیاد پر مردم شماری انجام نہیں دیتا۔)

منصوبہ بندی اور ریاست کی پالیسیوں کے نفاذ کے لیے آبادیاتی اعداد و شمار اہم ہیں، خاص طور پر معاشی ترقی اور فلاح عامہ کے لیے۔ لیکن جب ان کی پہلی بار ابتدا ہوئی تو سماجیات کے ایک نئے مضمون کے لیے سماجی شماریات کا ایک مضبوط جواز بھی فراہم ہوا۔ مجموعۂ شماریات یا عددی خصوصیات، جو لاکھوں کروڑوں لوگوں پر مشتمل ایک بڑی اجتماعیت سے منسوب ہے سماجی مظہر کے ظہور کے لیے ٹھوس اور مضبوط دلیل پیش کرتی ہے۔ اگرچہ ملکی یا ریاستی سطح کی شماریات جیسے فی 1,000 آبادی پر اموات کی تعداد یا شرح اموات، انفرادی اموات کو جمع کرنے کے ذریعے دریافت کی جاتی ہے۔ شرحِ اموار بذات خود ایک سماجی مظہر ہے اور سماجی سطح پر اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ ایمائل درکھیم (Emile Durkheim) کے مشہور مطالعہ جس میں مختلف ملکوں کی

© NCERT not to be republished

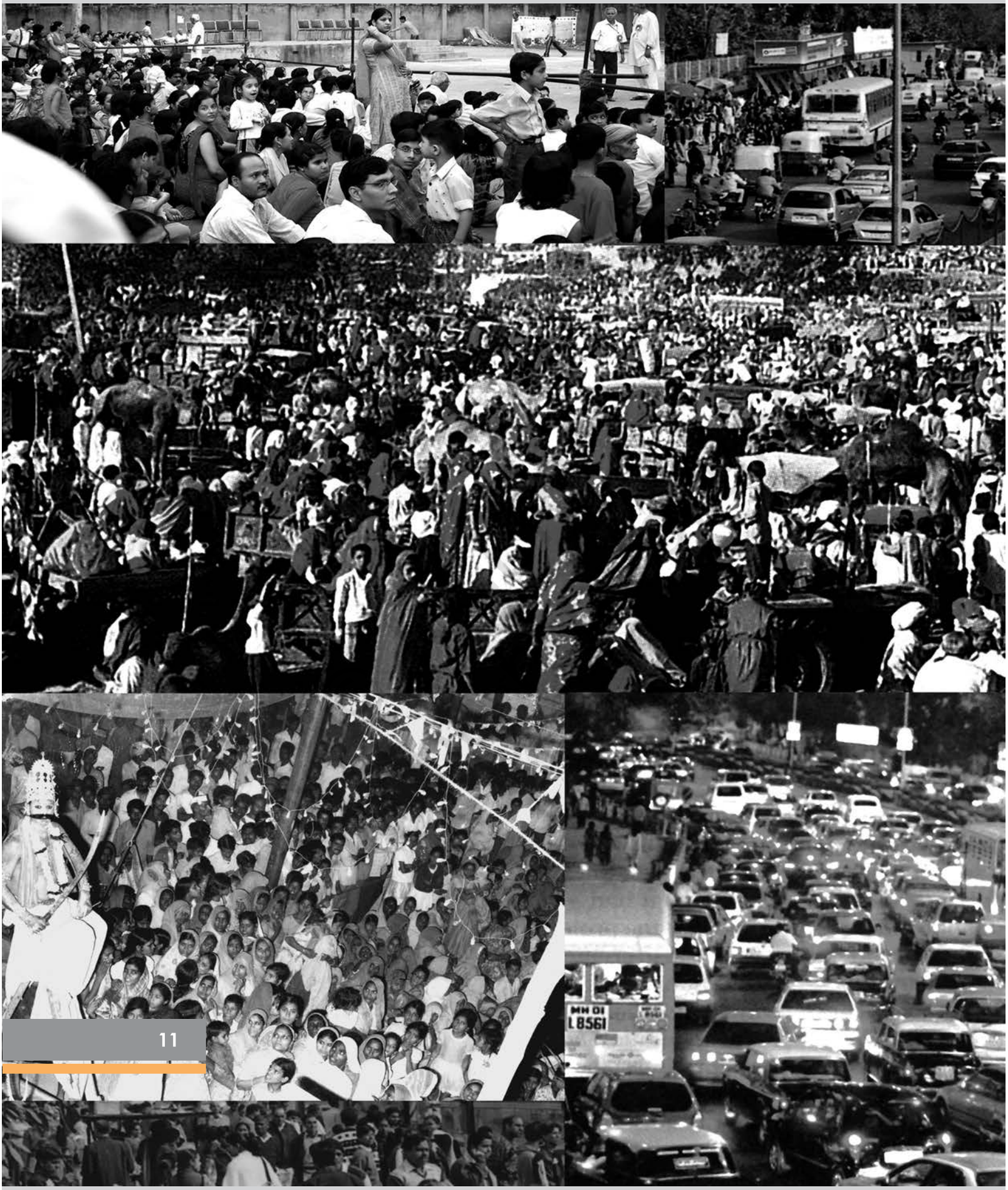
MH 01
L 8561

شرحِ خودکشی میں تنوع کے بارے میں توضیح کی گئی ہے، اس کی ایک اچھی مثال ہے۔ درکھیم نے دلیل دی ہے کہ شرح خودکشی (یعنی فی 10,000 آبادی پر خودکشی کی تعداد) کی سماجی اسباب کے ذریعے وضاحت کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ خودکشی کی ہر مخصوص مثال میں اس فرد یا اس کے حالات کی خصوصی وجوہات شامل ہوسکتی ہیں۔

کبھی کبھی رسمی آبادیات اور آبادی کے مطالعات کے وسیع تر میدان کے درمیان ایک امتیاز ہوتا ہے۔ رسمی آبادیات بنیادی طور پر تبدیلیِ آبادی کے اجزا کی پیمائش اور تجزیے کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ یہ مقداری تجزیے پر مرکوز ہوتی ہے جس کے لیے اس میں نہایت ترقی یافتہ ریاضیاتی طریقۂ کار شامل کیا جاتا ہے جو آبادی کی افزائش اور آبادی کی ترکیب کے بارے میں پیشین گوئی کے لیے موزوں ہوتا ہے۔ جب کہ دوسری طرف مطالعات آبادی یا سماجی آبادیات میں آبادی کی ساختوں اور تبدیلی کے وسیع اسباب کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے۔ ماہرینِ آبادیات یہ مانتے ہیں کہ سماجی عمل کاریاں اور شناختیں آبادیاتی عمل کو اسی طرح منضبط کرتی ہیں۔ جس طرح ماہرین سماجیات آبادی کے رجحانات کے لیے ذمہ دار اسباب کا پتہ لگانے کی جستجو کرتے ہیں۔

2.1 آبادیات میں بعض نظریات اور تصوارت

آبادی میں افزائش کا مالتھوسین (Malthusian) نظریہ

آبادیات کے انتہائی مشہور نظریات میں سے ایک کا تعلق ایک انگریز سیاسی معاشیات داں تھامس رابرٹ مالتھس (1766 تا 1834) سے ہے۔ آبادی کی افزائش کے مالتھس نظریے کا خاکہ ان کے "Eassy on Population" (1798) میں پیش کیا گیا ہے جو کسی حد تک قنوطی (Pessimistic) تھا۔ اس نے دلیل دی کہ انسانی آبادیوں کی افزائش کا میلان انسان کے گزر بسر کے ذرائع (خاص طور پر غذا، لیکن کپڑا اور زراعت پر مبنی دیگر اشیا بھی) کی شرح کی نسبت زیادہ تیز شرح پر ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان ہمیشہ غربت میں رہنے پر مجبور ہوتا ہے کیوں کہ زرعی پیداوار کی افزائش پر ہمیشہ آبادی کی افزائش حاوی ہوجاتی ہے۔ جہاں آبادی اقلیدسی (جیومٹری) انداز میں بڑھتی ہے یعنی ہر اگلا عدد اسی نسبت سے بڑھتا ہے جس نسبت سے پچھلا عدد بڑھتا ہے (جیسے 32,16,8,4,2 وغیرہ) وہیں زرعی پیداوار توالی ہندسے یعنی ایک ہی مقدار سے بڑھتی ہے (جیسے 10,8,6,4 وغیرہ) چوں کہ آبادی کی افزائش ہمیشہ گزر بسر کے وسائل کے پیداوار میں اضافے کو پیچھے چھوڑ دیتی ہے اس لیے خوش حالی بڑھانے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ آبادی میں اضافے کو قابو میں کیا جائے۔ بدقسمتی سے نوع انسانی کے پاس اپنی آبادی کے اضافے کو رضا کارانہ طور پر کم کرنے کی صرف محدود اہلیت ہے (احتیاطی رکاوٹوں کے ذریعے جیسے شادی کو ملتوی کرنا یا جنسی عمل سے احتراز یا تجرد (یا برہمچریہ)۔ لہٰذا مالتھس مانتا ہے کہ آبادی میں اضافے میں مثبت رکاوٹیں، قحط سالی اور بیماریوں کی شکل میں ناگزیر تھیں کیوں کہ یہ غذا کی فراہمی اور بڑھتی آبادی کے درمیان عدم توازن سے نمٹنے کا قدرتی طریقہ تھیں۔

مالتھس کا نظریہ کافی عرصے تک اثر پزیر رہا۔ لیکن بہت سے نظریہ سازوں کے ذریعے اسے چیلنج ملا جنھوں نے دعویٰ کیا کہ معاشی نمو، آبادی کے اضافے کو پیچھے کرسکتی ہے۔

© NCERT not to be republished

باکس 2.1

''آبادی کی قوت انسان کے لیے گزربسر پیدا کرنے کی زمین کی طاقت سے کہیں بڑھ کر ہے، یہ کہ بے وقت اموات کا سامنا کسی نہ کسی شکل میں نوع انسان کو کرنا ہوتا ہے۔ نوع انسانی کی بدی سرگرم عمل ہے اور تخفیف آبادی کا عمل انجام دینے کی پوری طرح اہل ہے۔ یہ تخریب کی یا تباہی کی عظیم فوج میں نقیب کے طور پر ہے اور اکثر اس ناگوار عمل کو خود ہی پورا کرتی ہیں۔ لیکن کیا انھیں اس قلع وقمع اور بربادی کی جنگ میں ناکام ہونا چاہیے۔ بیماری کے موسم، وبائی امراض، مرض طاعون، مہلک وبا خطرناک طور پر صف آرا اور ان کے ہزاروں لاکھوں کے خاتمے کے لیے تیار ہیں۔ کیا کامیابی اب بھی ادھوری ہوگی، زبردست ناگزیر قحط سالی دبے پاؤں شکار کی تلاش میں ہے اور وہ ایک زبردست قوت دنیا کی غذا کے ساتھ آبادی کی سطح کو اڑا دے گی'':

تھامس رابرٹ مالتھس، آبادی کے اصول پر ایک مضمون، 1798

تھامس رابرٹ مالتھس
(1766-1834)



مالتھس نے کیمبرج میں اور ایک عیسائی پادری ہونے کے لیے تربیت حاصل کی۔ بعد میں وہ لندن کے قریب ہیلی بیری میں ایسٹ انڈیا کمپنی کالج میں تاریخ اور سیاسی معاشیات کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ یہ انڈین سول سروس میں بھرتی کیے جانے والے افسروں کا ٹریننگ مرکز تھا۔

تاہم اس کے نظریے کی نہایت موثر تردید یوروپی ممالک کے تاریخی تجربے سے ہوئی۔ آبادی میں اضافے کا انداز انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں تبدیل ہونا شروع ہوا اور بیسویں صدی کی پہلی ربع کے آخر تک یہ تبدیلیاں کافی ڈرامائی ہوگئیں شرح پیدائش گر گئی اور وبائی امراض پر بھی قابو کیا جانے لگا۔ مالتھس کی پیشن گوئی غلط ثابت ہوئی کیوں کہ غذائی پیداوار اور معیارِ زندگی میں آبادی میں بہتری تیز اضافے کے باوجود جاری رہی۔

مالتھس پر لبرل اور مارکسی دانشوروں نے بھی اس بات کے دعوے کے لیے تنقید کی کہ غربت آبادی میں اضافے کے سبب بڑھتی ہے۔ تنقید کرنے والوں نے دلیل دی کہ غربت اور فاقہ کشی جیسے مسائل کی وجہ آبادی میں اضافے کے سبب نہیں بلکہ معاشی وسائل کی غیر مساوی تقسیم ہے۔ ایک غیر منصفانہ سماجی نظام میں ایک دولت مند اور مراعات یافتہ اقلیت تعیش میں رہتی ہے جب کہ لوگوں کی ایک بڑی اکثریت غربت میں رہنے پر مجبور ہوتی ہے۔

آبادیاتی عبور کا نظریہ (The Theory of Demographic Transition)

آبادیات میں ایک اور اہم نظریہ آبادیاتی عبور کا نظریہ ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آبادی میں اضافہ معاشی ترقی کی مجموعی سطح سے جڑا ہوا ہے اور ہر سماج آبادی میں اضافے سے متعلق ترقی کی مثالی وضع کی پیروی کرتا ہے۔ آبادی میں اضافے کے تین بنیادی مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ سماج میں آبادی میں کم اضافے کا ہے اور یہ سماج کم ترقی یافتہ اور تکنیکی طور پر پس ماندہ ہے۔ شرحِ اضافہ کم اس لیے ہے کہ شرحِ اموات اور شرح پیدائش دونوں اونچے ہیں۔ اس طرح دونوں کے درمیان فرق (خالص شرح اضافہ) کم ہوتا ہے۔ تیسرا (اور آخری) مرحلہ بھی ترقی یافتہ سماج میں کم افزائش کا ہے جہاں شرحِ اموار اور شرح پیدائش نمایاں طور پر کم ہوگئی ہے اور ان کے درمیان فرق بھی کم ہوتا ہے۔ ان دونوں مراحل پس ماندہ سے ترقی یافتہ مرحلے تک کے درمیان عبور نقل ہے اور اس مرحلے کی خصوصیات آبادی کی افزائش میں بہت اونچی شرح کا ہونا ہے۔

© NCERT not to be republished

یہ آبادی کا دھماکہ (غیر معمولی اضافہ) اس لیے واقع ہوتا ہے کیوں کہ شرحِ اموات، بیماریوں پر قابو پانے، صحت عامہ اور بہتر تغذیہ کے ترقی یافتہ طریقوں کے ذریعے تیزی سے کم ہوتی جارہی ہے۔ تاہم، سماج کے لیے اس تبدیلی سے تطابق کرنے اور اس کے تولیدی کردار (جس کا ارتقا غربت اور اونچی شرحِ امواد کی مدت کے دوران ہوا تھا) کی اضافی خوش حالی اور طویل دور حیات کی نئی صورت حال کی موزونیت میں وقت لگتا ہے۔ عبور کی اسی قسم پر انیسویں صدی کے آخر اور ابتدائی بیسویں صدی کے دوران گہرا اثر پڑا تھا۔ کم ترقی یافتہ ممالک میں بھی، جو گرتی ہوئی شرحِ امواد کے لحاظ سے شرحِ پیدائش میں بھی کمی کی جدوجہد کررہے ہیں کم وبیش اس انداز کی تعمیل ہوئی۔ ہندوستان میں آبادیاتی عبور ابھی پورا نہیں ہوا ہے کیوں کہ شرحِ اموات تو کم ہوئی ہے لیکن شرحِ پیدائش اس حد تک کم نہیں ہوسکی ہے۔

سرگرمی 2.1

پچھلے صفحے کے سیکشن اور باکس 2.1 میں مالتھس کے قول کو پڑھیے۔ مالتھس کیوں غلط ثابت ہوا۔ اس کی ایک وجہ زراعت کی پیداواریت میں کافی حد تک اضافہ ہونا ہے۔ کیا آپ دریافت کرسکتے ہیں کہ کس طرح یہ بڑھی ہوئی پیداواری صلاحیت حاصل کی گئی۔ یعنی وہ عوامل کون سے تھے جن کے ذریعے زراعت میں زیادہ پیداوار یت آئی؟ کچھ دوسرے اسباب کیا ہوسکتے ہیں جن سے پتہ چلے کہ مالتھس غلط تھا؟ اپنے ہم جماعتوں سے بحث کیجیے اور اپنے استاد کی مدد سے ایک فہرست تیار کیجیے۔

عام تصورات اور اظہار

اکثر آبادیاتی تصورات کو شرح یا تناسب کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس میں دو اعداد شامل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک عدد خاص شماریاتی ہوتا ہے جس کو ایک مخصوص جغرافیائی انتظامی اکائی کے لیے شمار کیا جاتا ہے؛ دوسرا عدد موازنے کا ایک معیار فراہم کرتا ہے۔ مثال کے لیے شرح پیدائش کسی مخصوص علاقے (ایک پورا ملک۔ ایک ریاست یا کوئی دوسری علاقائی اکائی) میں ایک مخصوص مدت کے دوران (عام طور پر ایک سال) اس علاقے کی کل آبادی کو ایک ہزار سے تقسیم کرنے کے ذریعے حاصل زندہ پیدائشوں کی تعداد ہے۔ دوسرے لفظوں میں شرح پیدائش فی 1000 آبادی پر زندہ پیدائشوں کی تعداد ہے شرحِ اموات اسی طرح شمار سے متعلق ہے جیسے ایک مخصوص مدت کے دوران ایک مخصوص علاقے میں فی 1000 آبادی پر اموات کی تعداد کے طور پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ شماریات ان خاندانوں (جن میں پیدائش یا اموات واقع ہوتی ہے) کے ذریعے دی گئی اطلاع کی بنیاد پر منحصر ہے۔ درحقیقت زیادہ تر ملکوں بشمول ہندوستان میں لوگوں کو پیدائش اور اموات سے متعلق اطلاع متعلقہ حکام یعنی مقامی پولیس اسٹیشن یا ابتدائی مرکز صحت (گاؤں کے معاملے میں)، متعلقہ میونسپل دفتر (قصبے اور شہروں کے معاملے میں) میں دینا ضروری ہے۔

آبادی میں قدرتی اضافے کی شرح یا آبادی کی شرح افزائش سے مراد شرح پیدائش اور شرحِ امواد کے درمیان فرق ہے۔ جب کہ یہ فرق صفر ہے (یا عملاً بہت ہی مختصر ہے) تب ہم کہہ سکتے ہیں کہ آبادی مستحکم ہے یا سطح بدل یا بھرپائی کی سطح تک پہنچ چکی ہے جو نئی نسلوں کے لیے پرانے لوگوں (جو ختم ہورہے ہیں) کی جگہ لینے کے لیے مطلوبہ شرح افزائش ہے۔ کبھی کبھی سوسائٹیوں میں ایک منفی شرح افزائش کا تجربہ ہوتا ہے۔ یعنی ان کی شرح بارآوری کی سطح بھرپائی کی شرح سے نیچے ہوتی ہے۔ یہ آج دنیا کے کئی ملکوں اور خطوں جیسے جاپان، روس، اٹلی اور مشرقی یورپ میں صحیح ہے۔ جب کہ دوسری طرف کچھ سوسائٹیوں میں بہت اونچی شرحِ افزائش ہے، خاص طور پر اس وقت جب وہ پچھلے صفحے میں بیان کیے گئے آبادیاتی عبور کے مرحلے میں ہوں۔

© NCERT not to be republished

شرح بارآوری سے مراد عمر گروپ میں فی1000 زندہ پیدائشوں کی تعداد ہے، یہ عمر عام طور پر 15 تا49 سال مانی جاتی ہے۔ لیکن پچھلے صفحے میں جن دیگر شرحوں (شرحِ پیدائش اور شرحِ اموات) پر بحث کی گئی ہے ان سے الگ یہ خام شرح ہے۔ یہ پوری آبادی کے لیے ایک خام اوسط ہے اور مختلف عمر گروپوں میں فرق کا لحاظ نہیں کرتی۔ مختلف عمر گروپوں میں فرق کبھی کبھی اشاریوں یا اظہاریوں کے مفہوم میں کافی اثر انداز ہوسکتی ہیں یہی وجہ ہے کہ آبادیاتی مطالعہ کرنے والے مخصوص عمری شرح کا بھی شمار کرتے ہیں۔ کل شرح بارآوری سے مراد ان کل زندہ پیدائشوں کی تعداد ہے جو قیاسی طور پر کوئی عورت جنم دیتی ہے اگر وہ تولیدی عمر گروپ میں زندہ رہتی تو اس عمر گروپ کے ہر حصے میں بچوں کی اوسط تعداد کو اس مخصوص علاقے کے لیے مخصوص عمری شرح بارآوری کے ذریعے متعین کیا جانا چاہئے۔ اس کے اظہار کا ایک طریقہ اور ہے وہ یہ کہ کل شرح بارآوری پیدائشوں کی اوسط تعداد ہے جو تولیدی عمر کی آخری مدت تک کی حامل عورتوں کے گروپ سے متعلق ہوتی ہے۔ تولیدی عمر کا اندازہ ایک مخصوص مدت کے دوران مشاہدہ کیے گئے مخصوص عمری شرح کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ (وسار یہ اینڈ وسار یہ 2003)

سرگرمی 2.2

یہ معلوم کرنے کی کوشش کیجیے کہ شرح پیدائش میں گراوٹ سست ہے جب کہ شرح اموار نسبتاً زیادہ تیزی سے گراوٹ کی طرف مائل ہے۔ وہ کون سے بعض عوامل ہیں جو ایک فیملی یا میاں بیوی کے فیصلے پر اثر انداز ہوتے ہیں کہ ان کے کتنے بچے ہونے چاہئیں؟ اپنی فیملی یا پڑوس میں اس کے امکانی اسباب کے بارے میں معلوم کیجیے کہ ماضی میں لوگ بہت سے بچوں کی پیدائش کی طرف کیوں مائل تھے؟

شرح مرگ اطفال ایک سال کی عمر سے پہلے فی1000 زندہ پیدائشوں میں بچوں کی اموات کی تعداد ہے۔ اس طرح مادری شرحِ اموار عورتوں کی وہ تعداد ہے جو فی1000 زندہ پیدائشوں میں موت کا شکار ہوجاتی ہے۔ طفل اور مادری اموات کی اونچی شرح پس ماندگی اور غربت کا واضح اظہار ہے۔ جیسے جیسے طبی سہولیات، تعلیم کے معیار اور آگہی اور خوش حالی میں اضافہ ہوتا ہے، ان شرحوں میں تیزی سے گراوٹ کے ساتھ ساتھ ترقی واقع ہوتی ہے۔ ایک تصور جو کسی قدر پیچیدہ ہے وہ ہے امکان زندگی (Life expectancy)۔ اس سے مراد تخمینی سالوں کی تعداد جس میں ایک اوسط آدمی کے زندہ رہنے کی توقع کی جاتی ہے۔ (اس کا شمار ایک مخصوص مدت کے دوران کسی مخصوص علاقے میں مخصوص عمری شرحِ اموار پر مبنی شماریات کی بنیاد پر کیا جاتا ہے)۔

جنسی تناسب ایک مخصوص مدت میں کسی مخصوص علاقے میں فی1000 مردوں پر عورتوں کی تعداد کی دلالت کرتا ہے۔ تاریخی طور پر پوری دنیا میں یہ پایا گیا ہے کہ زیادہ تر ملکوں میں مردوں کے مقابلے عورتیں تھوڑا زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ اس حقیقت کے باوجود ہے کہ پیدا ہونے والی بچیوں کی تعداد سے پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد تھوڑی زیادہ ہوتی ہے۔ لگتا ہے قدرت کے ذریعے موٹے طور پر فی1000 بچوں کے لیے943 تا952 بچیوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود جنسی تناسب کسی قدر عورتوں کے حق میں ہوتا ہے۔ اس کی بظاہر دو وجوہات ہیں۔ پہلی، طفولیت، میں بیماری کے تئیں مدافعت کے معنی میں لگتا ہے کہ بچوں کے مقابلے بچیوں کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ دائرہ حیات کے دوسرے سرے پر اکثر سوسائیٹیوں میں مردوں کے مقابلے عورتوں میں زیادہ عرصے تک جینے کا میلان ہوتا ہے۔ اس طرح مردوں کی نسبت بوڑھی عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ مجموعی طور پر ان دونوں عوامل کا نتیجہ اکثر سیاق وسباق میں جنسی تناسب پر اثر انداز ہونے کی صورت میں نکلا ہے جو موٹے طور پر 1000 مردوں پر 1050 عورتوں کا ہوتا ہے۔ تاہم، یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ کچھ ملکوں میں جیسے چین، جنوبی کوریا اور خاص طور پر ہندوستان میں جنسی تناسب میں گراوٹ پیدا ہوتی ہے۔ یہ مظہر رائج سماج معیار واصول سے جڑا ہوا ہے جس میں عورتوں کی نسبت مردوں کی قدر زیادہ ہے۔ اس میں بیٹوں کو زیادہ ترجیح ملتی ہے اور بیٹیوں کو نسبتاً زیادہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔

© NCERT not to be republished

آبادی کی عمری ساخت کل آبادی سے متعلق مختلف عمر گروپوں میں افراد کے تناسب کی دلالت کرتی ہے۔عمری ساخت ترقی کی سطحوں میں اور اوسط امکان زندگی میں تبدیلیوں کے ردعمل میں تبدیلی ہوتی ہے۔ابتدائی طور پر کمزور طبی سہولیات امراض اور دیگر عوامل کے سبب عرصۂ حیات نسبتاً کم تھا۔اس کے علاوہ طفل اور مادری اموات کی اونچی شرح بھی عمری ساخت پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ترقی کے ساتھ ساتھ معیارِ زندگی میں بہتری پیدا ہوتی جاتی ہے اور اس کے سبب عمر کی امکانیت بھی بڑھ جاتی ہے۔اس کے نتیجے میں عمری ساخت میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔چھوٹی عمر کے گروپوں کا نسبتاً آبادی کا قلیل ترین تناسب اور بڑی عمر کے گروپوں کا بڑا تناسب پایا جاتا ہے۔اسے آبادی کے بوڑھے ہونے کے طور پر بھی حوالہ دیا جاتا ہے۔

انحصاری تناسب آبادی کے اس حصے جو متعلقین پر مشتمل ہے (یعنی، بزرگ لوگ جو اتنے بوڑھے ہیں کہ کام نہیں کر سکتے اور اتنے چھوٹے بچے ہیں کہ وہ بھی کام نہیں کر سکتے) اور وہ حصہ جو برسرکار عمر گروپ پر مشتمل ہے (عام طور پر 15 تا 64 سال کی عمر گروپ) کے ساتھ موازنہ کرنے کی پیمائش ہے۔انحصاری تناسب 15 سال سے کم اور 64 سال سے زیادہ عمر گروپ کے لوگوں کی تعداد کو 15 تا 64 سال کی عمر گروپ کے لوگوں کی آبادی سے تقسیم کرنے کے بعد حاصل ہوئی تعداد کے برابر ہوتا ہے۔ یہ تناسب عام طور پر فی صد کی شکل میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ بڑھتا ہوا انحصاری تناسب ان ملکوں کے لیے پریشانی کا سبب بن جاتا ہے جو بوڑھی ہو رہی آبادی کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں کیوں کہ وہاں متعلقین یا منحصر لوگوں کی تعداد بڑھ جانے سے برسرکار عمر والے لوگوں کا تناسب نسبتاً کم ہو جاتا ہے جو متعلقین کا بوجھ ڈھونے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔ دوسری طرف ایک گرتا ہوا انحصاری تناسب معاشی نمو اور خوش حالی کا ذریعے بن سکتا ہے کیوں کہ وہاں برسرکار لوگوں کا تناسب کام نہ کرنے والوں کے مقابلے زیادہ بڑا ہوتا ہے۔اسے کبھی کبھی آبادیاتی منافع یا بدلتی عمری ساخت سے ہونے والا فائدہ کہا جاتا ہے لیکن یہ فائدہ عارضی ہوتا ہے کیوں کہ برسرکار آبادی والے لوگوں کا بڑا حصہ آگے چل کر کام نہ کرنے والے بوڑھے لوگوں کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

2.2 ہندوستان کی آبادی کا حجم اور افزائش

ہندوستان دنیا میں چین کے بعد دوسرا سب سے بڑی آبادی والا ملک ہے۔ 2011 کی مردم شماری کے مطابق اس کی کل آبادی 121 کروڑ (یعنی 1.21 بلین) ہے جیسا کہ جدول 1 میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کی آبادی کی شرح افزائش ہمیشہ بہت اونچی رہی ہے۔سال 1951-1901 کے دوران اوسط سالانہ شرح افزائش 1.33 فی صد سے زیادہ نہیں ہوئی جو کہ ایک عام شرحِ افزائش کہی جاسکتی ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ 1911 سے 1921 کے دوران شرح افزائش منفی 0.03 فی صد تھی۔اس کی وجہ 19-1918 کے دوران انفلوئنزا وبا پھیلی تھی جس نے تقریباً 12.5 ملین لوگوں یعنی ملک کی کل آبادی کے 5 فیصد کو موت کا شکار بنادیا (وساریا اور وساریا 2003:191)۔ برطانوی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے بعد آبادی کی شرح میں کافی اضافہ ہوا اور 1981-1961 کے دوران 2.2 فی صد پہنچ گئی۔تب سے اگرچہ سالانہ شرح افزائش میں گراوٹ تو آئی ہے پھر بھی وہ ترقی پزیر دنیا میں سب سے اونچی بنی ہوئی ہے۔ چارٹ 1 میں خام پیدائش اور اموات کی شرح کی تقابلی حرکت دکھائی گئی ہے۔ آبادیاتی عبور کے مرحلے کا اثر گراف میں واضح طور پر دکھایا گیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شرح 1921 سے 1931 تک کے دہے کے بعد ایک دوسرے کی مخالف سمت میں جانے لگی تھی۔

© NCERT not to be republished

جدول 1: ہندوستان کی آبادی اور 20ویں صدی میں اس کی افزائش

سال	کل آبادی لاکھوں میں	اوسط سالانہ شرح افزائش%	عشری شرح افزائش%
1901	238	–	-
1911	252	0.56	5.8
1921	251	-0.03	-0.3
1931	279	1.04	11.0
1941	319	1.33	14.2
1951	361	1.25	13.3
1961	439	1.96	21.5
1971	548	2.22	24.8
1981	683	2.20	24.7
1991	846	2.14	23.9
2001	1028	1.93	21.3
2011	1210	1.64	17.6

ماخذ: **2011** کی مردم شماری کے مطابق (عارضی) **Website: http//censusindia.gov.in**

چارٹ 1: ہندوستان میں شرحِ پیدائش اور اموات 1901-2001

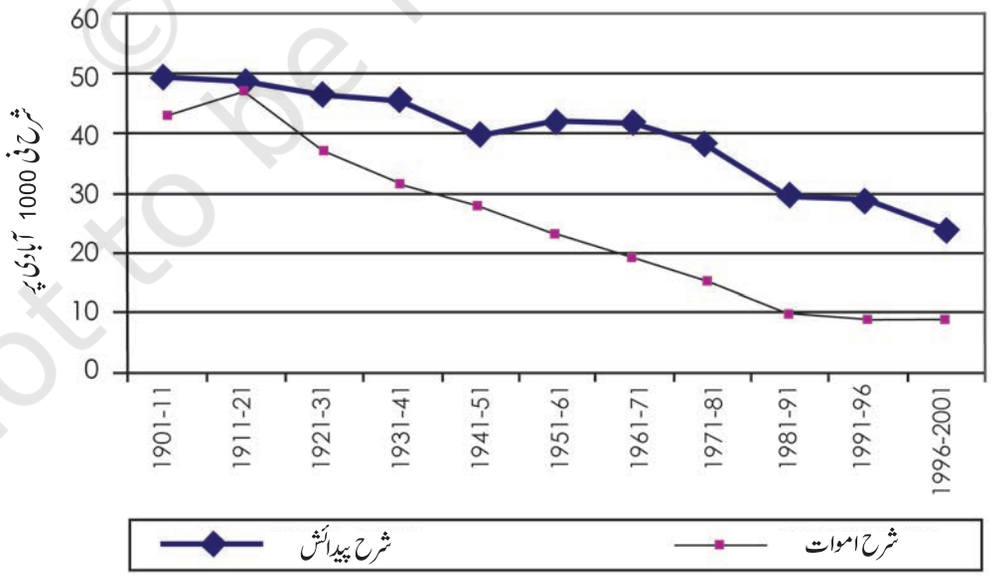

ماخذ: نیشنل کمیشن آف پاپولیشن، حکومت ہند
website: http://populationcommission.nic.in/facts1.htm#

© NCERT not to be republished

1931 سے پہلے شرحِ اموات اور شرح پیدائش دونوں اونچی تھیں،اس عبوری مدت کے بعد شرحِ اموات تیزی سے گرنے لگی لیکن شرح پیدائش میں گراوٹ تھوڑی ہلکی رہی ہے۔

1921 کے بعد شرحِ اموات میں گراوٹ کی اہم وجہ یہ تھی کہ قحط سالی اور وبائی بیماریوں پر قابو پانے کی سطح بڑھ گئی تھی۔اس میں وبائی بیماریوں کی روک تھام غالباً زیادہ اہم ثابت ہوئی۔ پہلے متعدد بڑے وبائی امراض تھے جن میں کئی طرح کے بخار،طاعون،چیچک اور ہیضہ زیادہ خطرناک تھے۔لیکن 19-1918 میں انفلوئنزا نام کے وبائی مرض نے تو اکیلے ہی ملک بھر میں تباہی مچا دی جس

باکس 2.2

19-1918 کی ہمہ گیر انفلوئنزا وبا

انفلوئنزا نام کی وبا ایک وائرس کے ذریعے پھیلتی ہے جو خاص طور پر اوپری مجموعی اعضائے تنفس یعنی ناک،حلق اور پھیپھڑوں کی نالیوں اور کبھی کبھی پھیپھڑوں پر بھی حملہ کر دیتی ہے۔ وائرس (مرض کے زہریلے جراثیم) کی جینی بناوٹ کچھ ایسی ہوتی ہے کہ وہ خود بخود چھوٹی بڑی جینی تبدیلی پیدا کر کے خود کو موجودہ ویکسین کے اثر سے محفوظ کر لیتا ہے۔پچھلی صدی میں انفلوئنزا کے وائرس میں تین بار بڑی بڑی جینی تبدیلی پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں ہمہ گیر (عالمی پیمانے پر) وبا (Pandemics) پھیلی اور کافی بڑی تعداد میں لوگ انفلوئنزا میں مبتلا ہوئے اور اموات کا شکار بنے۔ان میں سب سے زیادہ خطرناک وبا ''اسپینش فلو'' تھی جو دنیا کی آبادی پر زبردست اثر انداز ہوئی اور ایسا سمجھا جاتا ہے کہ 1919-1918 کے دوران اس میں مبتلا ہو کر کم سے کم 4 کروڑ لوگ موت کے منھ میں چلے گئے۔اس کے بعد انفلوئنزا کی وبا ملک گیر سطح پر کئی علاقوں میں دوبارہ پھیلی۔1957 میں ایشین انفلوئنزا اور 1968 میں ہانگ کانگ انفلوئنزا اور اس سے عالمی سطح پر لاکھوں لوگ مبتلا ہوئے اور موت کا لقمہ بن گئے۔

19-1918 کے اسپینش فلو سے عالمی سطح پر مجموعی طور پر کتنی اموات ہوئیں۔ یہ ٹھیک ٹھیک بتانا ممکن نہیں ہے لیکن یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ پوری کی کل آبادی کا 20 فیصد حصہ کچھ حد تک اس وبا میں مبتلا ہوا اور 2.5 سے 5 فیصد تک انسانی آبادی اس کے سبب موت کا شکار بنی۔انفلوئنزا سے پہلے 25 ہفتوں میں ڈھائی کروڑ لوگ فوت ہوئے۔ اس کے برخلاف ایڈس کی بیماری سے پہلے 25 سال میں ڈھائی کروڑ لوگوں کی موت ہوئی۔ انفلوئنزا دنیا بھر میں پھیل گیا اور اس سے چھ مہینے میں 250 لاکھ سے بھی زیادہ لوگوں کی موت ہوئی۔ دیگر اندازے کے مطابق مرنے والوں کی کل تعداد اس سے دوگنی سے بھی زیادہ یعنی 10 کروڑ تک ہوسکتی ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکا میں تقریباً 28 فیصد آبادی اس وبا کا شکار ہوئی اور ان میں سے 500,000 سے 675,000 لوگ موت کا لقمہ بنے۔ برطانیہ میں اس سے مرنے والوں کی تعداد 2,00,000 اور فرانس میں 4,00,000 سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔الاسکا اور جنوبی افریقہ میں اس سے گاؤں کے گاؤں تباہ ہوگئے۔آسٹریلیا میں اس سے 10,000 لوگ مرے اور فجی مجموعہ الجزائر میں صرف دو ہفتوں میں وہاں کی 14 فی صد آبادی ضائع ہوگئی اور مغربی سموا میں 22 فی صد لوگ مارے گئے۔ ہندوستان میں تقریباً 170 لاکھ لوگ مارے گئے یعنی اس وقت کی ہندوستان کی آبادی کی تقریباً 5 فی صد آبادی کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ برطانوی ہندوستانی فوج میں تقریباً 22 فی صد فوجی اس وبا میں مبتلا ہو کر موت کا لقمہ بنے۔

اگرچہ پہلی عالمی جنگ اس فلو کی براہ راست وجہ نہیں تھی لیکن فوجیوں کے ساتھ ساتھ رہنے اور ان کی اجتماعی نقل وحرکت سے وبا کے پھیلاؤ میں تیزی آئی۔ یہ بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ جنگ کے تناؤ بھرے ماحول میں اور کیمیائی حملوں کے سبب مرض سے مقابلہ کرنے یا مدافعت کا نظام کمزور ہوگیا تھا جس کے سبب وبا کی لپیٹ میں آنے کا امکان بڑھ گیا تھا۔

ماخذ: وکی پیڈیا اور عالمی تنظیم برائے صحت کے ویب صفحات سے مرتب :

http://en.wikipedia.org/wiki/Spanish_flu
http://www.who.int/mediacentre/factsheets/fs211/en/

© NCERT not to be republished

میں125لاکھ یعنی سوا کروڑ لوگوں کو یعنی اس وقت کی ہندوستان کی کل آبادی کے تقریباً 5 فی صد حصے کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔(اس وبائی مرض سے ہونے والی اموات کے بارے میں الگ الگ اندازہ لگایا گیا جن میں سے کچھ کے اعداد و شمار بہت زیادہ تھے۔ اسپینی فلو نام سے معروف انفلوئنزا پینڈیمک جو ایک عالمی مظہر تھا (یعنی پوری دنیا اس کی لپیٹ میں تھی) کے بارے میں باکس دیکھیں۔ پینڈیمک ایک وبا ہے جو ایک نہایت وسیع جغرافیائی علاقے پر اثر انداز ہوتی ہے۔فرہنگِ اصطلاحات دیکھیں)۔

ان بیماریوں کے لیے طبی دیکھ بھال میں بہتری، بڑے پیمانے پر چلائے گئے ٹیکہ کاری کے پروگرام اور صفائی ستھرائی کو بہتر بنانے کی کوششوں سے ان وباؤں پر قابو پانے میں مدد ملی۔لیکن ملیریا،تپ دق،پیچش اور دست کی بیماریاں آج بھی لوگوں کی جانیں لے رہی ہیں،اگرچہ ان سے مرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہوتی جتنی کہ پہلے وبا کی شکل میں ظاہر ہونے والی تباہیوں سے ہوا کرتی تھی۔سورت ستمبر 1994 میں کچھ حد تک طاعون کی وبا کی لپیٹ میں آ گیا تھا جب کہ 2006 میں ملک کے کئی حصوں میں ڈینگو اور چکن گنیا کی بیماری کے پھیلنے کی اطلاع ملی۔

قحط سالی بھی بڑھتی ہوئی اموات کا ایک اہم اور بار بار واقع ہونے والا ذریعہ تھی۔ایک ایسے زرعی ماحول میں جس میں بارش کی متلون مزاجی کے سبب کھیتی کی پیداوار پر بہت زیادہ خراب ونقصان دہ اثر پڑتا تھا، قحط سالی انتہائی غربت اور ناقص تغذیہ کے جاری رہنے کا موجب بنتی تھی۔نقل وحمل اور مواصلات کے مناسب ذرائع کی کمی اور ریاست کی طرف سے ناکافی کوششیں بھی وہ بعض عوامل تھے جو قحط سالی کے لیے ذمہ دار تھے۔تاہم امرتیہ سین جیسے دانشوروں اور دوسروں کا کہنا ہے کہ قحط سالی کوئی ضروری نہیں کہ اناج کی پیداوار میں کمی کے سبب پیدا ہو۔'استحقاق کی ناکامی' یا غذا خریدنے اور کسی سے حاصل کرنے کی لوگوں کی نااہلیت کے سبب بھی قحط سالی واقع ہوتی رہتی ہے۔ ہندوستان کی زراعت کی پیداواریت میں کافی بہتری (خاص طور پر آب پاشی کی توسیع کے سبب) بہتر مواصلاتی ذرائع اور ریاست کے ذریعے تیزی سے راحت پہنچانے اور احتیاطی تدابیر کے سبب قحط سالی سے ہونے والی اموات کو زبردست طور پر کم کرنے میں بہت زیادہ مدد ملی ہے۔تاہم،ملک کے کچھ پس ماندہ علاقوں سے فاقہ کشی کے سبب ہونے والی اموات کے بارے میں اطلاع ملتی رہتی ہے۔قومی دیہی روزگار گارنٹی ایکٹ مرکزی حکومت کے ذریعے اٹھایا گیا ایک نیا قدم ہے جس سے دیہی علاقوں میں بھوک اور فاقہ کشی کے مسئلے سے نبٹنے میں مدد ملے گی۔

شرحِ اموات کے برعکس شرحِ پیدائش میں تیز گراوٹ نہیں دیکھی گئی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ شرحِ پیدائش ایک سماجی وثقافتی مظہر ہے جس میں تبدیلی نسبتاً دھیمی رفتار سے پیدا ہوتی ہے۔ بڑی حد تک خوش حالی کی بڑھتی سطح شرحِ پیدائش کو مضبوطی سے نیچے کھینچتی ہے۔ جب ایک بار شرحِ مرگ اطفال میں گراوٹ آجاتی ہے اور تعلیم اور بیداری کی سطحوں میں بھی کل ملا کر اضافہ ہو جاتا ہے تو پھر کنبے کی جسامت چھوٹی ہونے لگتی ہے۔جیسا کہ چارٹ میں دیکھا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی ریاستوں میں شرح بارآوری میں کافی زیادہ تنوع پایا جاتا ہے۔ کیرل اور تمل ناڈو جیسی کچھ ریاستیں کل شرحِ بارآوری کو 1.7 (2009) تک نیچے لانے میں کامیاب ہوئیں ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کیرل اور تمل ناڈو میں ایک اوسط عورت 1.7 بچے ہی پیدا کرتی ہے جو کہ بھرپائی کی سطح سے کم ہے۔ کیرل کی شرحِ بارآوری بھی بھرپائی کی سطح سے نیچے ہے جس کا مطلب یہ ہوگا مستقبل میں آبادی میں گراوٹ آجائے گی۔ بہت سی دیگر ریاستوں (جیسے ہماچل پردیش،مغربی بنگال،کرناٹک،مہاراشٹر) کی کل شرحِ پیدائش کافی کم ہیں۔لیکن کچھ ریاستیں خاص طور پر بہار، مدھیہ پردیش،راجستھان اور

© NCERT not to be republished

چارٹ2: ہندوستان میں ریاست وارشرح پیدائش، 2016

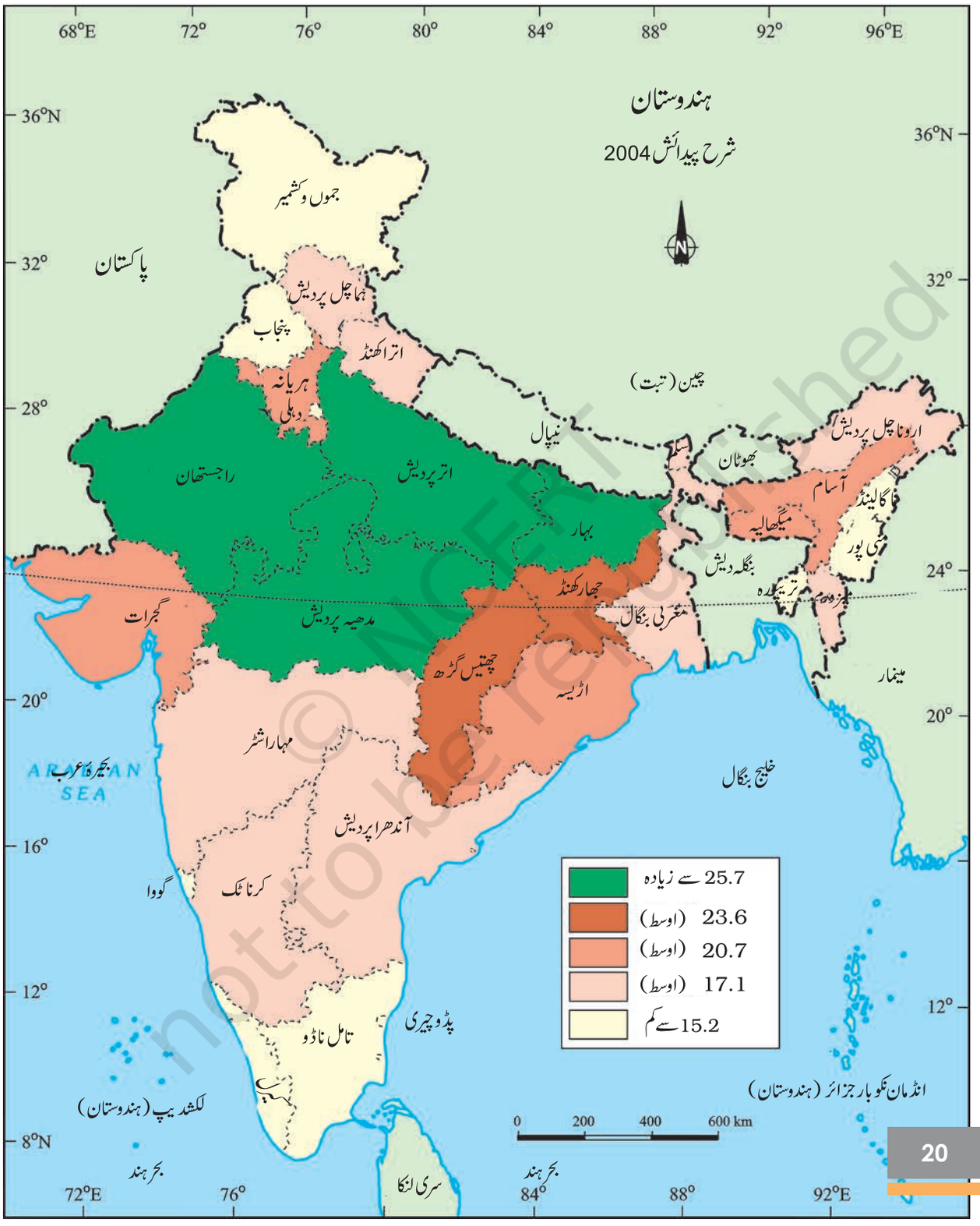

مآخذ : ایس۔آر۔ ایس۔ بلیٹن، حکومت ھند، جولائی 2016

© NCERT not to be republished

چارٹ 3: سال 2026 تک تخمینی آبادی کے علاقہ وار حصے

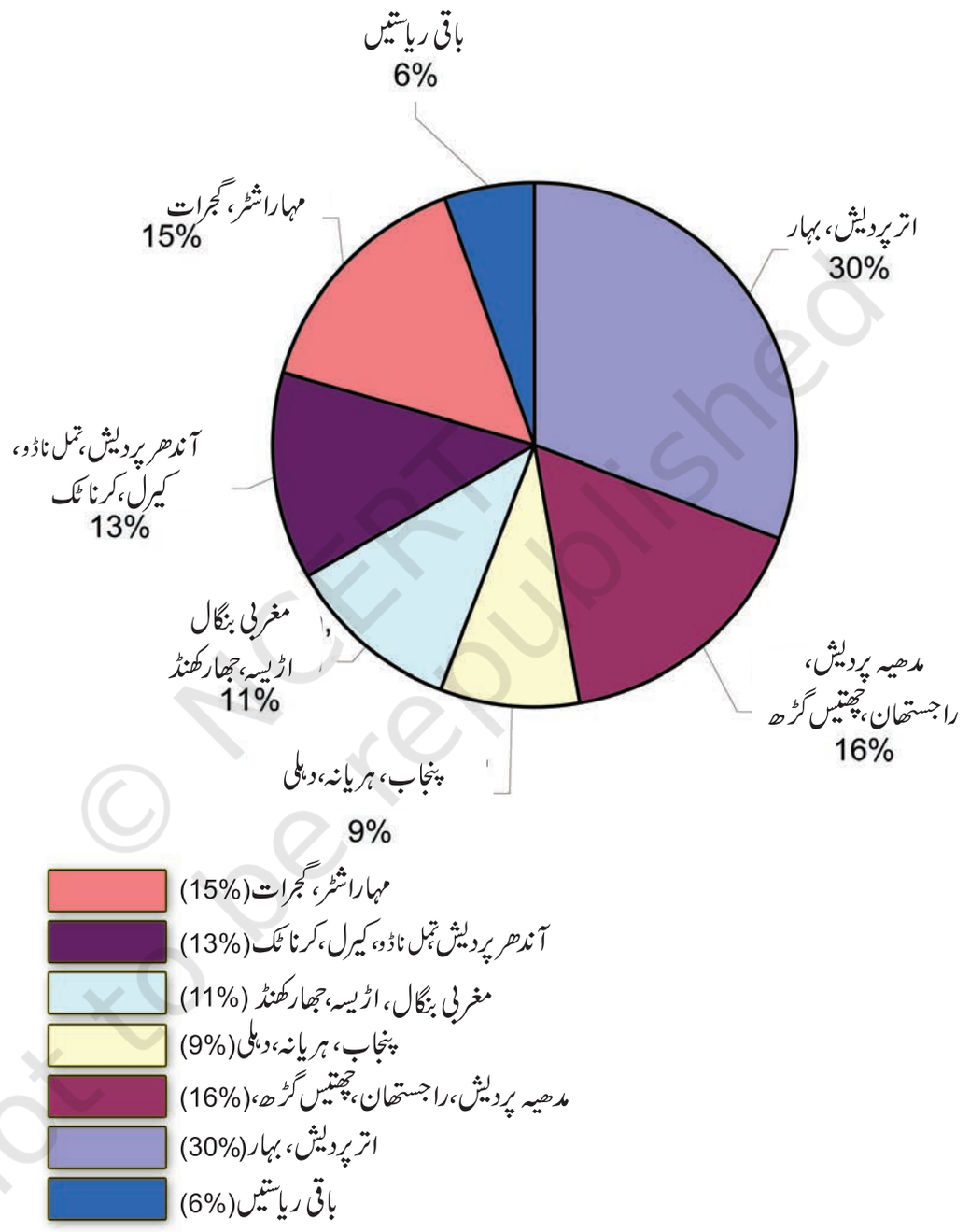

ماخذ: 2001 کی مردم شماری کے اعداد و شمار اور قومی کمیشن برائے آبادی 2006 کی آبادی پروجکشن پر تکنیکی گروپ کی رپورٹ کے اعدادو شمار پر مبنی

© NCERT not to be republished

اتر پردیش ایسی ہیں جہاں آج بھی شرحِ پیدائش بہت زیادہ ہے۔سال 2009 میں ان ریاستوں کی کل شرح بارآوری بتدریج 3.3,3.3,3.9اور 3.7 تھی۔ ہندوستان کی 2011 کی مردم شماری کی رپورٹ (عارضی) کے مطابق ہندوستان کی کل شرح پیدائش 22.1 تھی، جس میں دیہی شرح پیدائش 23.7اور شہری شرح پیدائش 18.0 تھی، ہندوستان میں سب سے زیادہ شرح پیدائش اتر پردیش(28.3)اور بہار(28.1) کی تھی اور سال 2026 تک یہ ریاستیں ہندوستان کی آبادی میں ہونے والے تقریباً نصف (50 فی صد) اضافے کے لیے ذمہ دار ہوں گی۔اس اضافے میں اکیلے اتر پردیش کا حصہ چوتھائی سے تھوڑا کم (یعنی 22 فی صد) ہونے کی امید ہے۔ چارٹ 3 ہندوستان کی افزائشِ آبادی میں ریاستوں کے الگ الگ علاقائی گروپوں کے نسبتی حصے کو ظاہر کرتا ہے۔

2.3 ہندوستان کی آبادی کی عمری ساخت

ہندوستان کی آبادی میں جوانوں کی تعداد زیادہ ہے اور اوسط عمر زیادہ تر دوسرے ملکوں کے مقابلے میں کم ہے۔ جدول 2 سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ملک کی کل آبادی میں 15 سال سے کم عمر والے گروپ کا حصہ جو 1971 میں 42 فی صد کی سب سے اونچی سطح پر تھا گھٹ کر 2001 میں 35 فی صد کی سطح پر آ گیا ہے۔15 تا 60 سال کی عمر گروپ 53 فی صد سے کچھ بڑھ کر 59 فی صد ہو گیا ہے جب کہ 60 سال سے اوپر کی عمر والے گروپ کا حصہ بہت چھوٹا ہے لیکن وہ اسی مدت کے دوران (5 فی صد تا 7 فی صد) بڑھنا شروع ہو گیا ہے۔لیکن اگلے دو دہوں میں ہندوستان کی عمری ساخت میں کافی تبدیلی کی توقع ہے اور تبدیلی زیادہ تر وسعت عمر کے دونوں سرے پر آئے گی جیسا کہ جدول میں دکھایا گیا ہے۔0-14 عمر گروپ کا حصہ تقریباً 11 فی صد گھٹ جائے گا۔(2001

جدول 2: ہندوستان کی عمری ساخت، 1961 تا 2026

سال	عمر گروپ			کل
	0 تا 14 سال	15 تا 59 سال	60 سال سے زیادہ	
1961	41	53	6	100
1971	42	53	5	100
1981	40	54	6	100
1991	38	56	7	100
2001	34	59	7	100
2011	29	63	8	100
2026	23	64	12	100

عمر گروپ کے کالموں میں ان کے حصوں کا فی صد دیا گیا ہے، ہوسکتا ہے کہ عدد صحیح میں کرنے کے سبب ان فی صد حصوں کا میزان 100 نہ ہو۔

ماخذ: نیشنل کمیشن آن پاپولیشن (قومی آبادی کمیشن) کے آبادی سے متعلق تکنیکی گروپ کے پروجیکشن(1996 اور 2006) سے حاصل ڈاٹا پر مبنی

1996 کی رپورٹ کے ویب صفحہ *http://population commission.nic.in/facts1.htm*

© NCERT not to be republished

میں 34 فی صد تھا جو 2026 میں گھٹ کر 23 فی صد ہو جائے گا) جب کہ 60 سال سے زیادہ کے عمر گروپ میں تقریباً 5 فی صد کا اضافہ ہوگا (یہ 2001 کے 7 فی صد سے بڑھ کر 2026 میں 12 فی صد ہو جائے گا) چارٹ 4 میں آبادی پرامڈ (Pyramid) کی 1961 سے 2016 تک کی قیاسی شکل دکھائی گئی ہے۔

چارٹ 4: عمر گروپ پرامڈ 1961، 1981، 2001 اور 2026

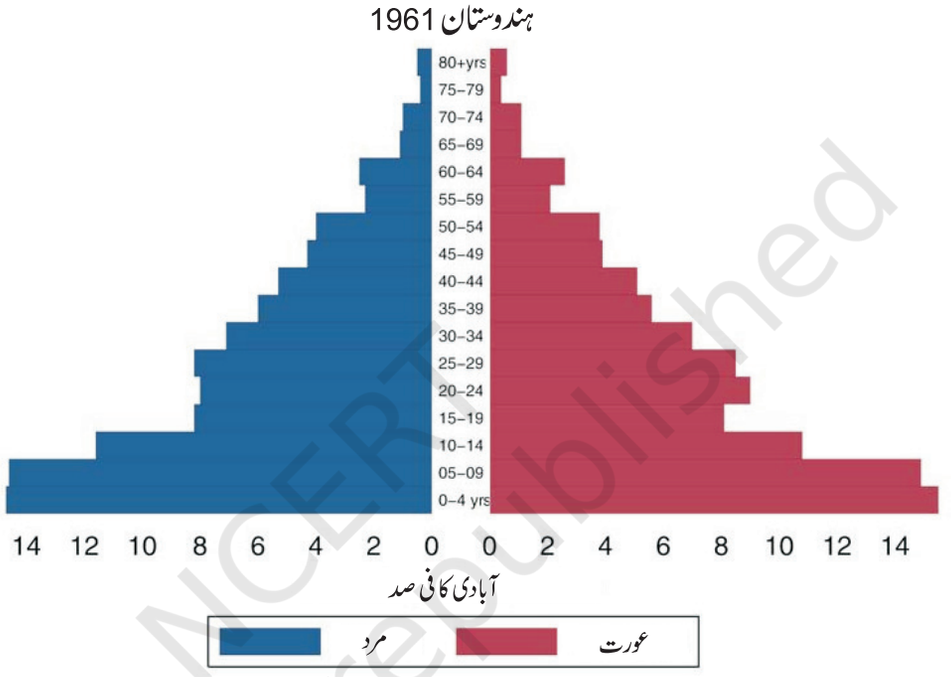

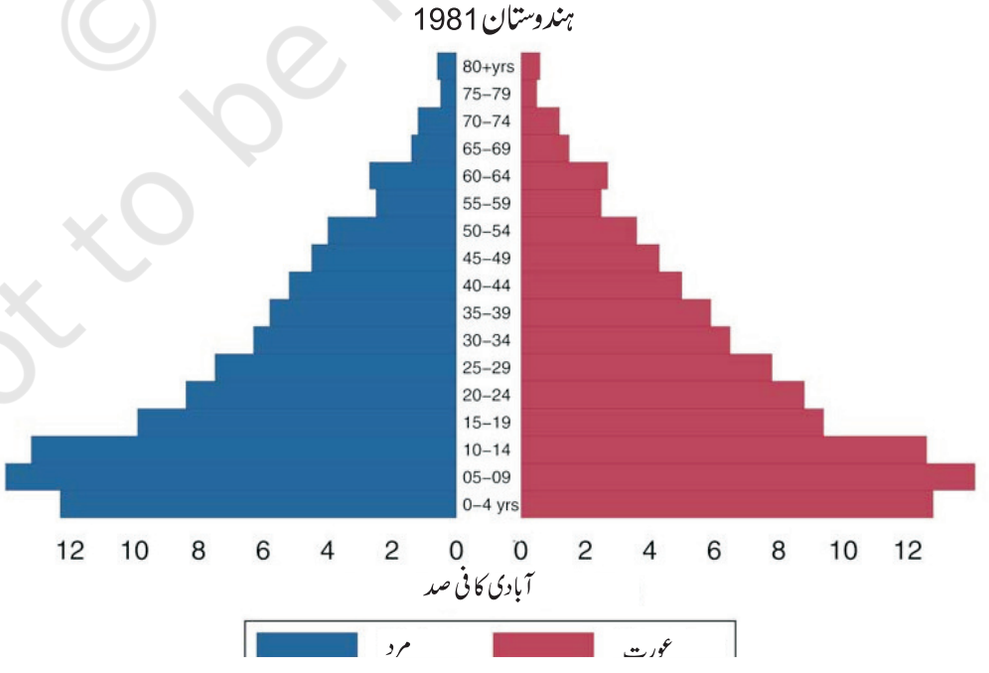

© NCERT not to be republished

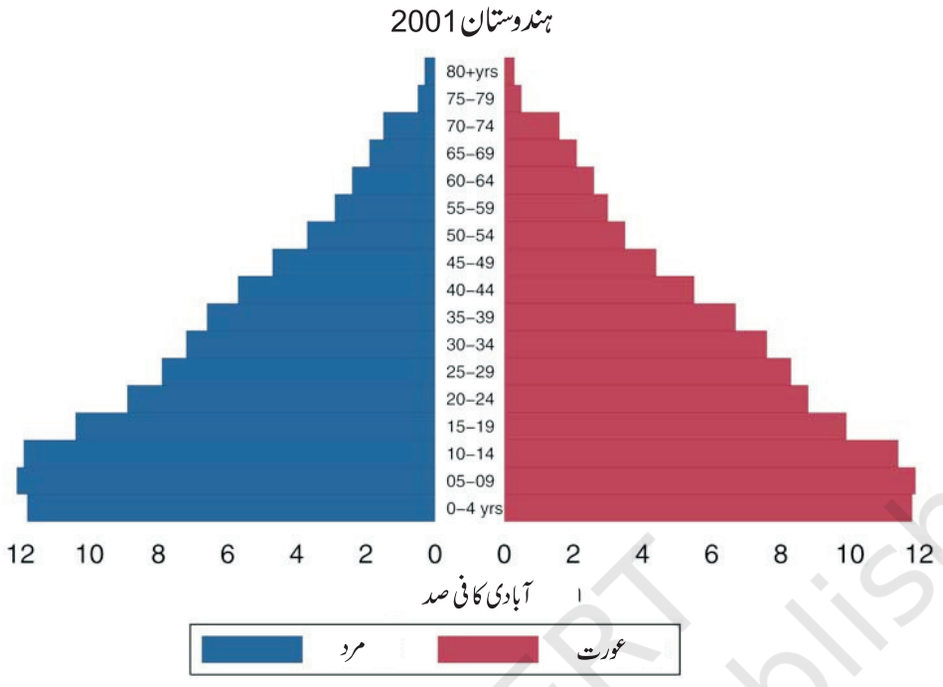

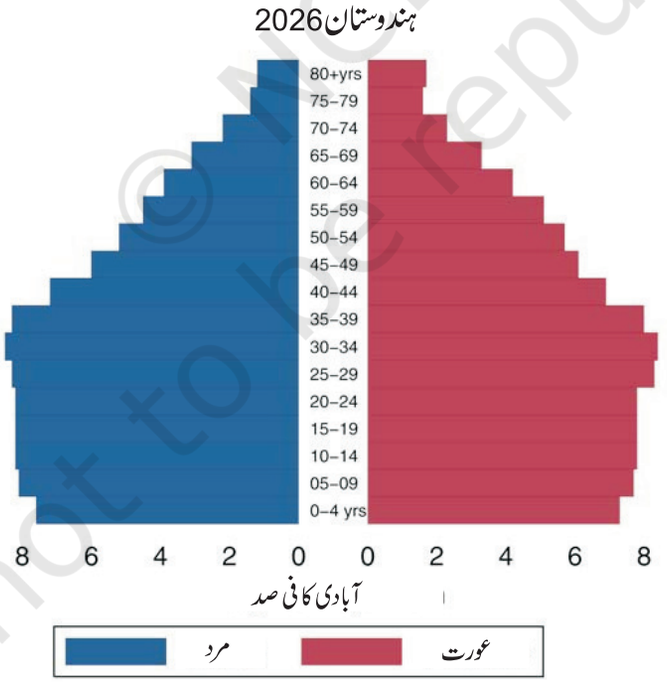

ماخذ: ہندوستان کی مردم شماری (1961، 1981 اور 2001) کے متعلقہ جلد اور قومی آبادی کمیشن کے آبادی سے متعلق تکنیکی گروپ کے پروجکشنز کی رپورٹ سے لیے گئے ڈاٹا پر مبنی

© NCERT not to be republished

چارٹ 4 کے لیے مشق

چارٹ 4 میں دکھائے گئے عمر گروپ پرامڈوں میں جدول 2 میں پیش عمر گروپ سے متعلق اعداد و شمار کے زیادہ تفصیلی گوشوارے دیے گئے ہیں۔ ان پرامڈوں میں مردوں کے لیے (بائیں طرف) اور عورتوں کے لیے (دائیں طرف) الگ الگ اعداد و شمار دیے گئے ہیں اور ان کے درمیان متعلقہ پانچ سالہ عمر گروپ دکھایا گیا ہے۔ افقی چھڑوں پر (جن میں کسی خاص عمر گروپ کے مرد اور عورتیں دونوں شامل ہے) نظر ڈالنے سے آپ کو آبادی کی عمری ساخت کا اندازہ ہو جائے گا۔ پرامڈ میں عمر گروپ سب سے نیچے 0 تا 4 سال والے گروپ سے شروع ہو کر سب سے اوپر 80 سال اور اس سے زیادہ کے عمر گروپ تک دیے گئے ہیں۔ جن میں سے تین پرامڈ 1961، 1981 اور 2001 کی دس سالہ مردم شماری اور چوتھا پرامڈ 2026 کی قیاسی صورت حال کو ظاہر کرتا ہے۔ 2026 کا پرامڈ متعلقہ عمر گروپوں کی قیاس کے مطابق مستقبل کی شکل کو دکھاتا ہے جو ہر ایک عمر گروپ کی پرانی شرح افزائش کے اعداد و شمار پر مبنی ہے۔ ایسے قیاس کو پروجیکشن بھی کہا جاتا ہے۔

یہ پرامڈ شرح پیدائش میں آئی تدریجی کمی اور امکان زندگی میں اضافے کو دکھاتے ہیں۔ جیسے جیسے زیادہ سے زیادہ لوگ ضعیفی کی عمر تک زندہ رہنے لگتے ہیں تو پرامڈ کا سب سے اوپری حصہ چوڑا ہوتا جاتا ہے اور جیسے جیسے شرح پیدائش کے نئے معاملے نسبتاً کم ہوتے جاتے ہیں پرامڈ کا سب سے نچلا حصہ تنگ ہوتا جاتا ہے لیکن شرح پیدائش میں گراوٹ کافی دھیمی رفتار سے آتی ہے۔ اس لیے 1961 سے 1981 کے دوران پرامڈ کے سب سے نچلے حصوں میں زیادہ تبدیلی نہیں آئی۔ پرامڈ کے درمیان کا حصہ برابر چوڑا ہوتا جاتا ہے کیوں کہ کل آبادی میں اس کا حصہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس سے درمیان عمر والے گروپوں میں ایک ابھار بن جاتا ہے جو 2026 کے پرامڈ میں صاف دکھائی دیتا ہے۔ اسی ابھار کو آبادیاتی منافع کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں اسی سبق میں آگے ذکر کیا جائے گا۔

اس چارٹ کا محتاط طور پر مطالعہ کریں۔ اپنے استاد کی مدد سے یہ پتہ لگانے کی کوشش کریں کہ 1961 کی نئی نسل (0 تا 4 عمر گروپ) جب آنے والے سالوں میں پرامڈ میں اوپر کی طرف بڑھتی جائے گی تو اس کی کیا حالت ہوگی۔

- سال 1961 کا 4-0 عمر گروپ بعد کے سالوں کے پرامڈوں میں کہاں واقع ہوگا؟
- جب آپ 1961 سے 2026 کی طرف بڑھیں گے تو پرامڈ کا کون سا حصہ سب سے چوڑا ہوگا؟
- آپ کے خیال میں سال 2051 اور 3001 میں پرامڈ کی شکل کیسی ہوگی؟

جیسے جیسے مختلف خطوں میں شرح بارآوری الگ ہوتی ہے، اسی طرح عمری ساخت میں بھی بہت زیادہ علاقائی فرق پایا جاتا ہے۔ ایک طرف تو حالت یہ ہے کہ کیرل جیسی ریاست عمری ساخت کے معاملے میں ترقی یافتہ ملکوں جیسی عمری ساخت حاصل کرنے لگی ہے، وہیں دوسری طرف اتر پردیش کی صورت حال بالکل مختلف ہے جہاں نسبتاً چھوٹے عمر گروپوں میں آبادی کا تناسب کافی زیادہ ہے اور ضعیفوں کا تناسب نسبتاً کم ہے۔ کل ملا کر ہندوستان کی صورتِ حال تقریباً اوسط کی ہے کیوں کہ یہاں اتر پردیش جیسی ریاست بھی ہے اور کیرل جیسی ریاست بھی ہے۔ چارٹ 5 میں اتر پردیش اور کیرل کے بارے میں سال 2026 کی قیاسی آبادی کے پرامڈ دکھائے گئے ہیں۔ کیرل اور اتر پردیش کے پرامڈ میں سب سے چوڑے حصوں کے مقام کے فرق کو غور سے دیکھیے۔

© NCERT not to be republished

چارٹ 5: عمری ساخت کے پراٹڈ
کیرل اور اتر پردیش 2026

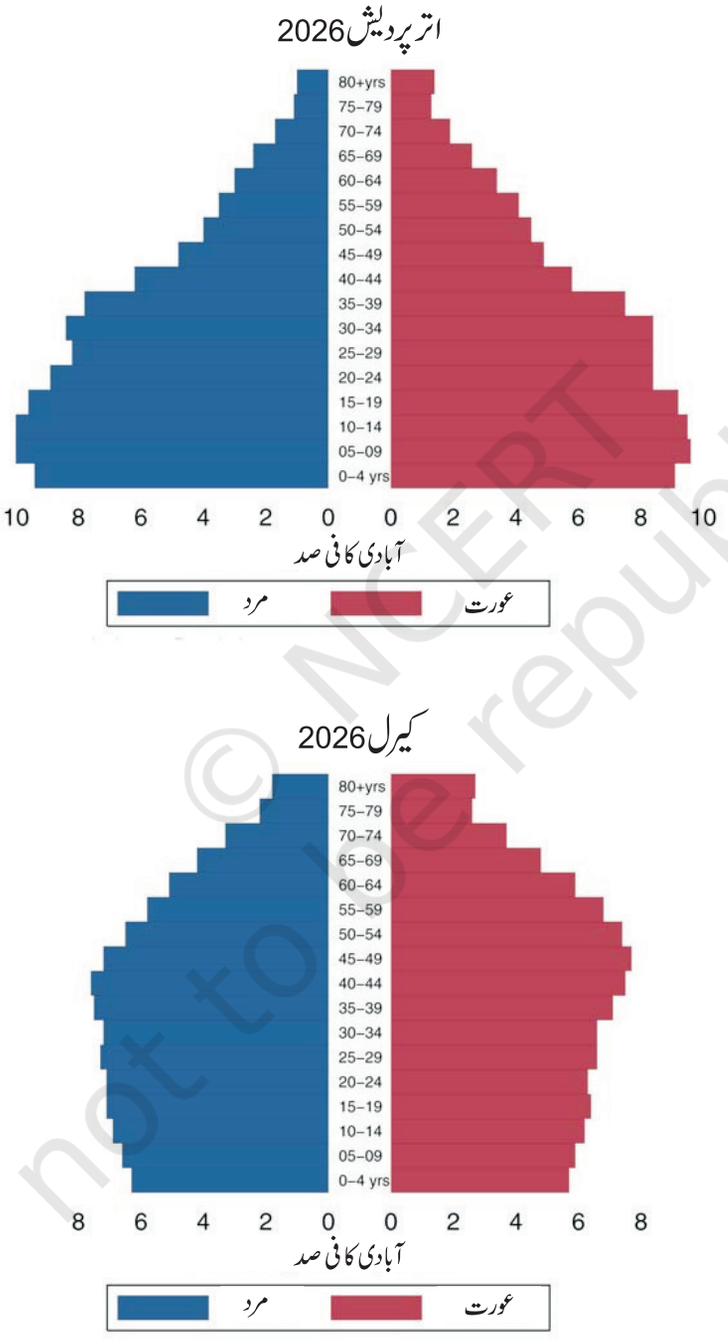

ماخذ: قومی آبادی کمیشن کے آبادی سے متعلق تکنیکی گروپ کے پروجیکشنز (2006) کی رپورٹ

© NCERT not to be republished

چھوٹی عمر کے گروپوں کی طرف جو میلان پایا جاتا ہے اسے ہندوستان کے لیے سودمند مانا جاتا ہے۔ پچھلے دہے میں مشرق ایشیائی معیشتوں کی طرح اور آج کے آئرلینڈ کی طرح یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان کو آبادیاتی منافع، کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ یہ منافع اس حقیقت کے سبب مل رہا ہے کہ برسرکار عمر گروپ کے لوگوں کی موجودہ نسل نسبتاً بڑی ہے اور اسے ضعیف لوگوں کی نسبت چھوٹی نسل کی پرورش کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن یہ فائدہ اپنے آپ ملنے والا نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مناسب پالیسیوں کی سوچ سمجھ کر پابندی کرنی ہوگی جیسا کہ باکس 2.3 میں بیان کیا گیا ہے۔

باکس 2.3

کیا بدلتی ہوئی عمری ساخت ہندوستان کے لیے آبادیاتی منافع پیش کر رہی ہے؟

آبادیاتی فائدہ یا 'منافع' آبادی کی عمری ساخت سے اس حقیقت کے سبب مل سکتا ہے کہ ہندوستان اس وقت پوری دنیا کے نوعمر ملکوں میں سے ایک ہے (اور کچھ عرصے کے لیے آگے بھی رہے گا)۔ سال 2000 میں ہندوستان کی آبادی کا ایک تہائی حصہ 15 سال کی عمر سے نیچے تھا۔ سال 2020 میں ہندوستانیوں کی اوسط عمر صرف 29 سال ہوگی جب کہ چین اور ریاست ہائے متحدہ امریکا میں اوسط عمر 37 سال، مغربی یورپ میں 45 سال اور جاپان میں 48 سال ہوگی۔ اس کا مطلب یہ کہ ہندوستان کے پاس کافی بڑی اور بڑھتی ہوئی قوت محنت ہوگی جو افزائش اور خوش حالی کے معاملے میں غیر متوقع فوائد فراہم کر سکتی ہے۔

'آبادیاتی منافع' آبادی میں کام نہ کرنے والے لوگوں کے مقابلے کام کرنے والے یعنی کمانے والے لوگوں کے تناسب میں اضافے کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔ عمر کے لحاظ سے برسرکار آبادی موٹے طور پر 15 سے 64 سال تک کی عمر کی ہوتی ہے۔ برسرکار عمر گروپ خود اپنی پرورش تو کرتا ہی ہے ساتھ ہی اسے اپنے عمر گروپ سے باہر کے عمر گروپ (یعنی بچوں اور بوڑھوں) کو بھی سہارا دینا ہوتا ہے جو خود کام نہیں کر سکتے ہیں اور اس لیے منحصر ہوتے ہیں۔ آبادیاتی عبور سے عمری ساخت میں ہونے والی تبدیلی انحصاری تناسب کو یعنی آبادی کے نہ کمانے والے عمر گروپ اور کمانے والے یعنی برسرکار عمر گروپ کے درمیان تناسب کو کم کر دیتی ہے جس سے افزائش ہونے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

لیکن اس امکان کو حقیقی افزائش میں تبھی بدلا جا سکتا ہے جب برسرکار عمر گروپ میں تعلیم اور روزگار کی سطحوں میں بھی اس لحاظ سے اضافہ ہوتا جائے۔ اگر قوت محنت میں شامل نئے لوگ تعلیم یافتہ نہیں ہوں گے تو ان کی پیداواری صلاحیت کم رہے گی۔ اگر وہ بے روزگار رہتے ہیں تو وہ بالکل بھی نہیں کما سکیں گے اور کمانے والوں کی بجائے منحصر یا متعلقین کے زمرے میں شامل ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ عمری ساخت میں تبدیلی پیدا ہونے سے فائدہ حاصل ہو جائے گا جب تک کہ منصوبہ بند ترقی کے ذریعے ان کا صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے۔ اصل مسئلہ تو انحصاری تناسب کی تعریف کو لے کر ہے کیوں کہ یہ کام نہ کرنے والوں کی عمر اور کام کرنے والوں کی عمر کے تناسب پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ روزگار کی حیثیت پر۔ اصل بات یہ ہے برسرکار عمر گروپ کا فرد بے روزگار بھی ہو سکتا ہے۔ برسرکار عمر گروپ اور بے روزگار گروپ کے درمیان کا فرق بے روزگاری اور کم روزگار کی صورت حال پر مبنی ہے۔ بے روزگار یا کم روزگار قوت محنت کے ایک حصے کو پیداواری عمل سے باہر رکھتی ہے۔ اس فرق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ ملک آبادیاتی منافع کا فائدہ کیوں اٹھاتے ہیں جب کہ کچھ اور ملک ایسا نہیں کر پاتے۔

درحقیقت ہندوستان کو آبادیاتی منافع کے ذریعے تخلیق کیے گئے مواقع دستیاب ہیں۔ عمر گروپوں کی اصطلاح میں معین انحصاری تناسب پر آبادیاتی رجحانات کا اثر صاف طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ کل انحصاری تناسب جو 1970 میں 79 تھا، وہ 2005 میں گر کر 64 پر آ گیا ہے۔ اسی بات کا پورا امکان ہے کہ یہ عمل اس صدی میں آگے بھی جاری رہے گا جس کے نتیجے میں عمر پر مبنی انحصاری تناسب 2025 میں 48 تک گر سکتا ہے کیوں کہ آبادی میں بچوں کا تناسب آگے بھی گرتا جائے گا لیکن یہ انحصاری تناسب پھر بڑھتے ہوئے 2050 میں 50 تک پہنچ جائے گا کیوں کہ ضعیفوں کے تناسب میں اضافہ ہو جائے گا۔

سرگرمی 2.3

آپ کے خیال میں عمری ساخت کا نسلوں کے درمیان تعلقات پر کیا اثر پڑتا ہے؟ مثال کے لیے کیا اونچا انحصاری تناسب نوجوان اور بزرگ نسلوں کے درمیان زیادہ تنازعہ کی صورت حال پیدا کرسکتا ہے؟ ان سوالات پر کلاس میں بحث کریں اور وجہ بتاتے ہوئے اپنے نتائج کی فہرست تیار کرنے کی کوشش کریں۔

بہرحال مسئلہ روزگار کا ہے۔سال2000-1999 کے نیشنل سیمپل سروے کے مطالعے اور 2001 کی ہندوستان کی مردم شماری سے پتہ چلتا ہے کہ دیہی اور شہری دونوں طرح کے علاقوں میں روز گار پیدا کرنے (کام کے نئے مواقع پیدا کرنے) کی شرح میں ایک ساتھ بھاری گراوٹ آئی ہے۔ یہ صورت حال نوجوانوں کے معاملے میں بھی صحیح ہے۔15 تا30 سال کے عمر گروپ میں روزگار کی شرح اضافہ 1987 سے 1994 کے درمیان کی مدت میں دیہی اور شہری دونوں علاقوں کے مردوں کے لیے تقریباً 2.4 فی صد سالانہ تھی۔ یہ1994 سے 2004 کے دوران دیہی مردوں کے لیے گھٹ کر 0.7 فی صد اور شہری مردوں کے لیے گھٹ کر0.3 فی صد کی سطح پر آ گیا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک نوجوان مزدور طبقہ کے ذریعے پیش کردہ افادیت کا فائدہ نہیں اُٹھایا جا رہا ہے۔

آج ہندوستان میں آبادیاتی مواقع کی جو دستیابی ہے اس کا فائدہ اٹھانے کے لیے حکمت علمی تو موجود ہے۔لیکن ہندوستان کے حالیہ تجربے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بازار کی قوتیں خود یہ متعین نہیں کر پاتیں کہ ایسی حکمت عملیوں کو نافذ کیا جائے۔ جب تک آگے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا ممکن ہے کہ ہم ان فوائد سے محروم ہو جائیں گے جو ملک کی بدلتی ہوئی عمری ساخت سے ہمیں حاصل ہونے والے ہیں۔

ماخذ: فرنٹ لائین جلد23، شمارہ 01. جنوری14تا27،2006 میں سی۔پی چندر شیکھر کے آرٹیکل سے لیا گیا۔

2.4 ہندوستان میں گرتا ہوا صنفی تناسب

صنفی تناسب آبادی میں صنفی توازن کا ایک اہم اشاریہ ہے۔جیسا کہ پہلے تصورات سے متعلق سیکشن میں کہا گیا ہے تاریخی لحاظ سے صنفی تناسب تھوڑا عورتوں کے حق میں رہا ہے یعنی فی1,000 مردوں پر عورتوں کی تعداد عام طور پر 1000 سے کچھ اوپر ہی رہتی آئی ہے۔ تاہم جیسا کہ جدول 3 سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عورت مرد تناسب پچھلی ایک صدی سے کچھ زیادہ عرصے سے گرتا جا رہا ہے۔20 ویں صدی کے شروع میں ہندوستان میں فی1000 مردوں پر عورتوں کی تعداد972 تھی لیکن 21 ویں صدی کے شروع میں عورت مرد تناسب گھٹ کر 933 ہو گیا ہے۔ پچھلے چار دہوں کا رجحان خاص طور پر تشویش ناک رہا ہے،1961 میں صنفی تناسب 941 تھا جو گھٹتے ہوئے اب تک کے سب سے نیچے کی سطح927 پر آ گیا حالاں کہ 2001 میں اس میں پھر معمولی سا اضافہ ہوا ہے۔سال 2011 کی ہندوستان کی مردم شماری کے عارضی ڈاٹا کے مطابق صنفی تناسب میں اضافہ ہوا ہے اور اب یہ فی1000 مردوں پر940 عورتیں ہو گیا ہے۔

لیکن آبادیات کا مطالعہ کرنے والوں، پالیسی سازوں، سماجی کارکنان اور سماجی سروکار رکھنے والے شہریوں کو واقعتاً اس حقیقت نے خبردار کیا ہے کہ بچوں کے صنفی تناسب میں زبردست گراوٹ پیدا ہوئی ہے۔مخصوص عمری صنفی تناسب 1961 میں شمار ہونا شروع ہوا جیسا کہ جدول 3 میں دکھایا گیا ہے، 0 تا6 عمر گروپ کا صنفی تناسب (جسے کمسنی یا اطفال صنفی تناسب کہا جاتا ہے) عام طور پر سبھی عمر گروپوں کے لیے مجموعی صنفی تناسب سے کافی اونچا رہتا آیا ہے لیکن اب اس میں بڑی تیزی سے گراوٹ آ رہی ہے۔ درحقیقت1991 سے2001 تک کے دہے کے اعداد و شمار میں یہ بے قاعدگی دکھائی دیتی ہے کہ مجموعی صنفی تناسب میں جہاں

© NCERT not to be republished

اب تک کی سب سے زیادہ 6 نمبروں کا اضافہ (کم ترین 927 سے 933) درج ہوا ہے لیکن اطفال صنفی تناسب 18 نمبروں کا غوطہ لگا کر 945 سے گھٹ کر 927 کی سطح پر آ گیا اور اس طرح وہ پہلی بار مجموعی صنفی تناسب سے نیچے چلا گیا ہے۔ سال 2011 کی مردم شماری (عارضی) کے مطابق بچوں کے صنفی تناسب میں پھر (13) نمبروں کی گراوٹ آئی اور یہ 914 ہو گیا۔ ایک مضمون کے مطابق 2017 میں یہ تناسب بڑھ کر 919 ہو گیا ہے۔

جدول 3: ہندوستان میں گرتا ہوا صنفی تناسب 1901 تا 2001

سال	صنفی تناسب (سبھی عمر گروپوں میں)	پچھلے دہے کے مقابلے میں فرق	اطفال صنفی تناسب 0 تا 6 سال	پچھلے دہے کے مقابلے فرق
1901	972	–	–	–
1911	964	–8	–	–
1921	955	–9	–	–
1931	950	–5	–	–
1941	945	–5	–	–
1951	946	+1	–	–
1961	941	–5	976	–
1971	930	–11	964	–12
1981	934	+4	962	–2
1991	927	–7	945	–17
2001	933	+6	927	–18
2011	940	+7	914	-13
2017	945	–	919	–

نوٹ: صنفی تناسب کی فی 1000 مردوں پر عورتوں کی تعداد کی شکل میں تعریف کی جاتی ہے۔
مخصوص عمر کے صنفی تناسب کا ڈاٹا 1961 سے پہلے کا دستیاب نہیں۔
سال 2011 کی ہندوستان کی مردم شماری (عارضی) دی ٹریبون 2، مارچ 2017، ادیتی ٹنڈن کے مضمون سے لیا گیا۔

ریاستی سطح کے بچوں کے صنفی تناسب اس سے بھی زیادہ تشویشناک ہیں۔ ہندوستان کی 6 ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام خطوں میں بچوں کا صنفی تناسب فی 1000 مردوں پر 900 عورتوں سے کم ہے۔ پنجاب میں تو بچوں کا صنفی تناسب سب سے کم یعنی 793 ہے (یہ واحد ریاست ہے جہاں صنفی تناسب 800 سے کم ہے)، اس کے بعد ہریانہ، چنڈی گڑھ، دہلی، گجرات اور ہماچل پردیش کا نمبر آتا ہے۔ جیسا کہ چارٹ 6 میں دکھایا گیا ہے اتراکھنڈ، راجستھان، اتر پردیش اور مہاراشٹر ریاستوں میں صنفی تناسب 925 سے کم ہے، جبکہ مدھیہ پردیش، گووا، جموں و کشمیر، بہار، تمل ناڈو، کرناٹک اور اوڈیشہ میں یہ ملک بھر اوسط صنفی تناسب 927 سے زیادہ ہے لیکن 950 سے کم ہے۔ یہاں تک کہ بہترین مجموعی صنفی تناسب والی ریاست کیرل کی حالت بھی 963 کے تناسب کے ساتھ بہت اچھی نہیں ہے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ صنفی تناسب سکّم میں پایا گیا ہے جو کہ 986 ہے۔

آبادیات کا مطالعہ کرنے والے اور ماہرین سماجیات نے ہندوستان میں صنفی تناسب کم ہونے کی کئی وجوہات بتائی ہیں۔ ان میں سب سے اہم وجہ صحت سے متعلق ہے۔ عورتوں پر بچوں کی پیدائش کا اثر مردوں سے مختلف ہوتا ہے۔ کیوں کہ وضع حمل یا ولادت

© NCERT not to be republished

چارٹ 6: ریاستوں کے لحاظ سے اطفال صنفی تناسب کا نقشہ

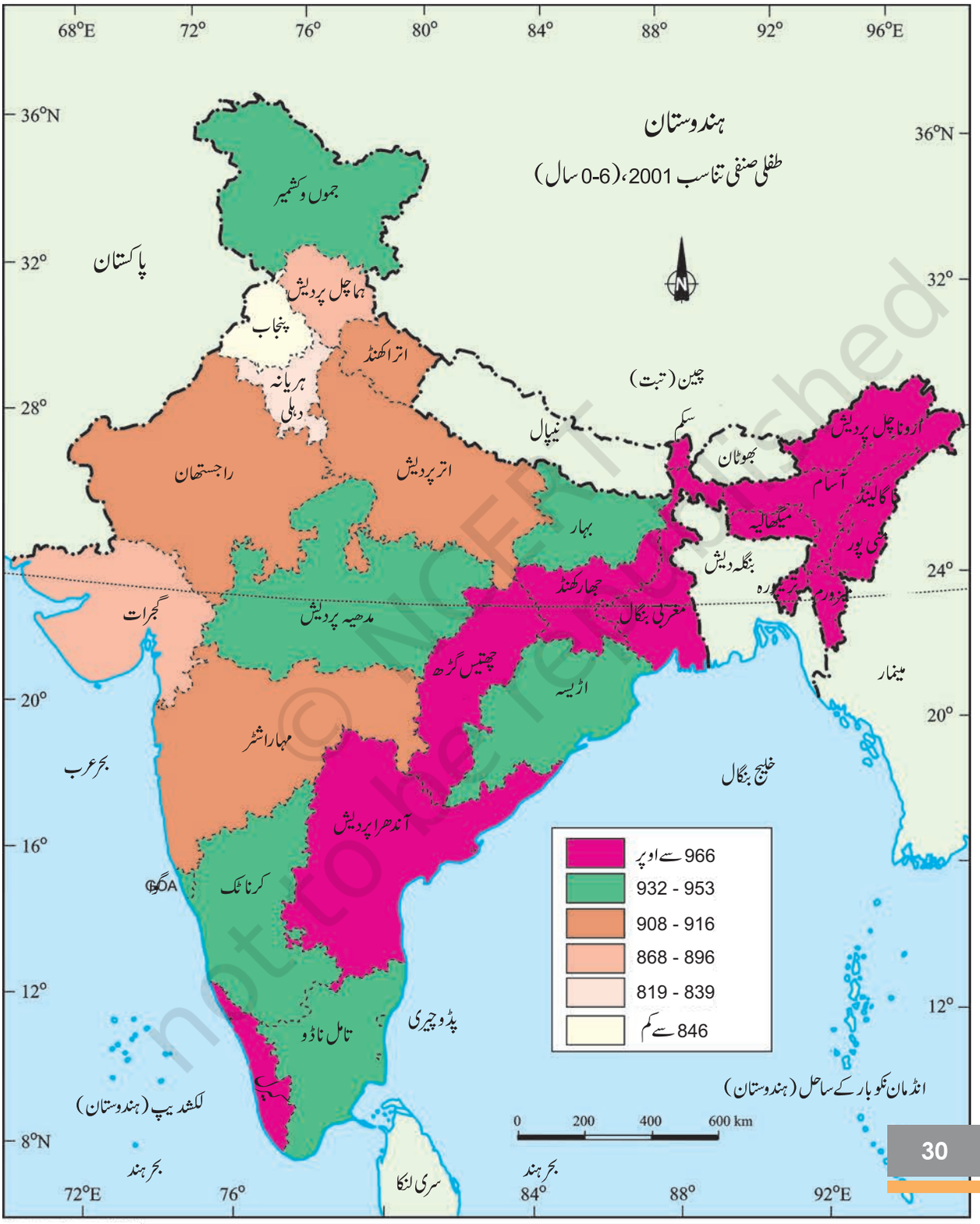

ماخذ: مردم شماری 2011 کے اعداد و شمار

© NCERT not to be republished

میں اموات کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے، جو عورتوں کو ہی سہنا پڑتا ہے اس لیے صنفی تناسب میں کمی ہوسکتی ہے۔ حالاں کہ عورتوں کی شرح اموات میں گراوٹ آسکتی ہے اگر ترقی کے سبب تغذیہ، عام تعلیم اور بیداری کی سطح بلند ہوتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی طبی اور مواصلاتی سہولیات کی دستیابی میں بہتری آتی ہے۔ بے شک، ہندوستان میں مادری شرحِ اموات گھٹتی جارہی ہے حالانکہ بین الاقوامی معیارات کے مقابلے اب بھی یہ شرح اونچی ہی ہے۔ لہٰذا یہ دیکھنا مشکل ہے کہ کس طرح مادری اموات وقت کے ساتھ صنفی تناسب کو بگاڑنے کے لیے ذمہ دار ہیں۔ ایک اور حقیقت یہ بھی ہے کہ اطفال صنفی تناسب میں کمی مجموعی اعداد وشمار کی نسبت زیادہ تیزی سے پیدا ہے۔ اس لیے سماجی سائنس دانوں کو یقین ہے کہ اس گراوٹ کو بچیوں کے ساتھ امتیازی برتاؤ میں تلاش کرنا چاہئے۔



اطفال صنفی تناسب میں گراوٹ کے لیے کئی عوامل ذمے دار ہوسکتے ہیں جس میں طفولیت یا شیرخواری کے زمانے میں بچیوں کی دیکھ بھال میں بے توجہی جس کے سبب شرحِ اموات اونچی ہوجاتی ہے صنفی مخصوص کا اسقاط حمل جس سے بچیوں کو پیدا ہی نہیں ہونے دیا جاتا اور دختر کشی (مذہبی یا ثقافتی عقائد کے سبب بچیوں کو مارنا) شامل ہے۔ ان میں سے ہر ایک وجہ سنجیدہ سماجی مسئلے کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس بات کی کچھ شہادت بھی ملتی ہے کہ ہندوستان میں یہ سب اب بھی واقع ہو رہا ہے۔ بہت سے خطوں میں دختر کشی کا رواج اب بھی جاری بتایا جاتا ہے جب کہ ایسی جدید طبی تکنیکوں کو زیادہ اہمیت دی جارہی ہے جن کی مدد سے حمل کے بالکل ابتدائی مرحلے میں ہی یہ پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ بچے کا جنس کیا ہے۔ سونوگرام (الٹراساؤنڈ ٹکنالوجی پر مبنی آلہ تشخیص جو ایکس رے جیسا ہے) جو بنیادی طور پر جینی یا جنین میں دیگر خرابیوں کا پتہ لگانے کے لیے تیار کیا گیا تھا اب جنین کے جنس کی شناخت کرنے اور انتخاب کی بنیاد پر دختر جنین کا حمل ضائع کردینے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

کچھ علاقوں میں طفلی صنفی تناسب کی نیچی سطح اس دلیل کی تائید کرتی دکھائی دیتی ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کم ترین طفلی صنفی تناسب ہندوستان کے سب سے زیادہ خوش حال خطوں میں پایا جاتا ہے۔ 2011 کی مردم شماری کے مطابق مہاراشٹر فی کس آمدنی کے لحاظ سے پہلے نمبر پر آتا ہے۔ پنجاب، ہریانہ، چنڈی گڑھ، دہلی اور مہاراشٹر فی کس آمدنی کے لحاظ سے ہندوستان کی سب سے امیر ریاست کے زمرے میں آتی ہیں اور یہی ریاستیں کم ترین طفلی صنفی تناسب والی ریاستیں ہیں۔ اس لیے انتخابی اسقاط حمل کے مسائل غربت یا لاعلمی یا وسائل کی کمی کے سبب نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے لیے اگر جہیز کی رسم کے سبب ماں باپ کو اپنی بیٹیوں کی شادی میں دینے کے لیے جہیز کی شکل میں موٹی رقم کی ادائیگی کرنی پڑے تو خوش حال امیر والدین ایسا جہیز دینے کی زیادہ حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم دیکھنے میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ خوش حال علاقوں میں ہی صنفی تناسب سب سے کم ہے۔

© NCERT not to be republished

یہ بھی ممکن ہے (حالاں کہ اس مسئلے پر ابھی تحقیق جاری ہے) کہ معاشی طور پر خوش حال خاندان نسبتاً کم، اکثر ایک یا دو بچے پیدا کرنا چاہتے ہیں اس لیے وہ اپنی مرضی کے مطابق ہی لڑکا یا لڑکی پیدا کرنا چاہیں گے۔ الٹرا ساؤنڈ تکنیک کی دستیابی کے سبب ایسا کرنا ممکن ہوگیا ہے حالاں کہ حکومت نے سخت قانون بنا کر اس طریقے پر پابندی لگادی ہے اور اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں پر بھاری جرمانے اور قید کی سزا عائد کی ہے۔ قبل ولادت تشخیص تکنیک (ناجائز استعمال کا نظم وضبط اور روک) ایکٹ کے نام سے جانا گیا یہ قانون 1996 سے لاگو ہے اور اسے 2003 میں مزید سخت بنادیا گیا ہے۔ تاہم بچیوں کے خلاف تعصب جیسے مسائل کا طویل مدتی حل اس بات پر منحصر ہے کہ کس طرح سماجی رویوں کو تیار کیا جاتا ہے حالاں کہ قوانین وضوابط بھی اس میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔ حال ہی میں حکومت نے ''بیٹی بچاؤ'' اسکیم شروع کی ہے۔ یہ بچوں کے صنفی تناسب میں اضافے کیلئے کارگر ثابت ہوگی۔

2.5 خواندگی

خواندگی تعلیم کی لازمی شرط کے طور پر با اختیار بننے کا ایک ذریعہ ہے۔ آبادی جتنی زیادہ خواندہ ہوگی ذریعۂ معاش کے متبادلات کے بارے میں شعور اتنا ہی زیادہ ہوگا اور لوگ علم پر مبنی معیشت میں اتنا ہی زیادہ حصہ لے سکیں گے، اس کے علاوہ خواندگی سے صحت کے تئیں بیداری بھی آتی ہے اور کمیونٹی کی معاشی وثقافتی فلاح وبہبود میں بھی پوری شرکت ہوتی ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد خواندگی کی سطح میں کافی بہتری آئی ہے اور ہماری آبادی کا دو تہائی حصہ اب خواندہ ہے۔ پھر بھی شرح خواندگی کو ہندوستان کی آبادی میں اضافہ کی شرح کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے جدوجہد کرنی پڑ رہی ہے کیوں کہ ہماری آبادی کی شرح افزائش اب بھی کافی اونچی بنی ہوئی ہے۔ اس لیے نئی نسل کو خواندہ بنانے کے لیے لازمی طور پر زیادہ کوشش کیے جانے کی ضرورت ہے کیوں کہ ہماری نئی نسلیں تعداد کے لحاظ سے پہلے کے مقابلے میں بہت دھیمی رفتار سے کچھ کم ہوتی جارہی ہیں (یاد کریں کہ اسی باب میں پہلے عمر ساخت اور آبادی پرامڈوں کے بارے میں بحث کی جاچکی ہے)۔

مختلف صنفوں، علاقوں اور سماجی گروپوں میں شرح خواندگی میں کافی تنوع پایا جاتا ہے جیسا کہ جدول 4 میں دیکھا گیا ہے کہ عورتوں میں شرح خواندگی مردوں کی شرح خواندگی سے تقریباً 16.7 فی صد کم ہے (ہندوستان کی مردم شماری 2011 عارضی)۔ حالاں کہ عورتوں میں شرح خواندگی مردوں کے مقابلے زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں میں شرحِ خواندگی نسبتاً نچلی سطحوں سے بڑھنی شروع ہوئی ہے۔ اس طرح عورتوں کی شرحِ خواندگی میں 2001 سے 2011 تک کی مدت میں تقریباً 11.2 فی صد کی شرح سے اضافہ ہوا جب کہ مردوں کی شرح خواندگی 6.2 فی صد بڑھی ہے (عارضی)۔ مجموعی طور پر خواندگی میں تقریباً 9 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ مردوں کی خواندگی میں تقریباً 6 فیصد اضافہ ہوا ہے جبکہ عورتوں کی خواندگی میں تقریباً 10 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ عورتوں کی خواندگی میں ایک بار پھر مردوں کے مقابلے زیادہ تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ مختلف سماجی گروپوں میں ہی شرح خواندگی میں فرق پایا جاتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے سہولیات سے محروم کمیونٹیوں جیسے درج فہرست ذات اور درج فہرست قبائل میں شرح خواندگی نیچے رہی ہے اور ان کمیونٹیوں میں عورتوں کی شرح خواندگی تو اور بھی نیچے ہے۔ اس معاملے میں مختلف علاقوں میں فرق بہت زیادہ ہے، ایک طرف جہاں کیرل جیسی کچھ ریاستیں ہمہ گیر خواندگی کو پہنچ رہی ہیں جب کہ بہار جیسی ریاستیں بہت پیچھے رہ گئی ہیں۔ شرحِ خواندگی میں پائے جانے والے فرق اس لیے بھی خاص طور پر اہم ہیں کیوں کہ اس کی وجہ سے نسلوں کے درمیان بھی فرق پیدا ہوتا ہے۔ ناخواندہ والدین یہ یقینی بنانے کے مواقع سے بہت زیادہ محروم ہوتے ہیں کہ اُن کے بچے بہت تعلیم یافتہ ہوں اس لیے یہ نابرابری بھی آگے جاری رہتی ہے۔

جدول 4: ہندوستان میں شرح خواندگی

7 سال اور اس سے زیادہ عمر کی آبادی کا فی صد

سال	افراد	مرد	عورتیں	شرح خواندگی مرد اور عورت کے درمیان فرق
1951	18.3	27.2	8.9	18.3
1961	28.3	40.4	15.4	25.1
1971	34.5	46.0	22.0	24.0
1981	43.6	56.4	29.8	26.6
1991	52.2	64.1	39.3	24.8
2001	65.4	75.9	54.2	21.7
2011	74.0	82.1	65.4	16.7

ماخذ: ہندوستان کی مردم شماری 2011 (عارضی)

2.6 دیہی شہری فرق

ہندوستان کی آبادی کی بڑی اکثریت ہمیشہ سے ہی دیہی علاقوں میں رہتی رہی ہے۔ یہی بات آج کے لیے بھی صحیح ہے۔ 2011 کی مردم شماری (عارضی) سے پتہ یہ چلتا ہے کہ ہماری آبادی کا 68.8 فی صد حصہ آج بھی گاؤں میں رہتا ہے اور 31.2 فی صد حصہ شہروں اور قصبوں میں۔ لیکن جیسا کہ جدول 5 میں دکھایا گیا ہے کہ شہری آبادی کا حصہ برابر بڑھتا جا رہا ہے جو 20 ویں صدی کے شروع میں تقریباً 11 فی صد تھا لیکن اب 21 ویں صدی کے شروع میں تقریباً 28 فی صد ہو گیا ہے۔ اس طرح اس میں تقریباً ڈھائی گنا اضافہ ہوا ہے۔ سوال صرف آبادی کا ہی نہیں ہے۔ جدید ترقی کی عمل کاری یہ بھی یقینی بناتی ہے کہ زراعت پر مبنی دیہی طرز زندگی کی معاشی اور سماجی اہمیت صنعت پر مبنی شہری طرز زندگی کی اہمیت کی نسبت زوال پر ہے۔ یہ حقیقت موٹے طور پر پوری دنیا کے لیے ہی صحیح نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے لیے بھی یہ بات سچ ہے۔

ایک عرصے تک زراعت کا ملک کی کل معاشی پیداوار میں سب سے زیادہ حصہ ہوتا تھا لیکن آج کل گھریلو پیداوار میں اس کا حصہ صرف ایک چوتھائی رہ گیا ہے۔ اگرچہ ہمارے عوام کی اکثریت دیہی علاقوں میں رہتی ہے اور اپنی گزر بسر زراعت سے ہی چلاتی ہے لیکن وہ جو پیداوار کرتی ہے اس کی نسبت معاشی قدر کافی گھٹ گئی ہے۔ مزید برآں زیادہ سے زیادہ لوگ جو گاؤں میں رہتے ہیں اب زراعت میں حتّٰی کہ گاوں میں کام نہیں کرتے ہیں۔ دیہی لوگ کھیتی کاشتکاری سے الگ نقل وحمل خدمات، کاروباری مہم یا دستکاری جیسے مختلف دیہی کاروباروں کو زیادہ سے زیادہ اپناتے جا رہے ہیں۔ اگر ان کا گاؤں کسی شہر کے کافی پاس ہو تو وہ گاؤں میں رہتے ہوئے بھی کام کرنے کے لیے روزانہ اس قریبی شہر میں جاتے رہتے ہیں۔

ماس میڈیا (ذرائع ابلاغ) اور ترسیلی چینل اب دیہی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے سامنے شہری طرز زندگی اور صرف کی شکلوں کی تصویریں پیش کر رہے ہیں۔ نتیجتاً دور دراز کے گاؤوں میں رہنے والے لوگ شہری نمونوں اور معیارات سے اچھی طرح واقف ہوتے جا رہے ہیں۔ ان میں بھی صرف کے لیے نئی خواہشات اور تمنائیں جنم لے رہی ہیں۔ عوامی منتقلی اور عوامی

© NCERT not to be republished

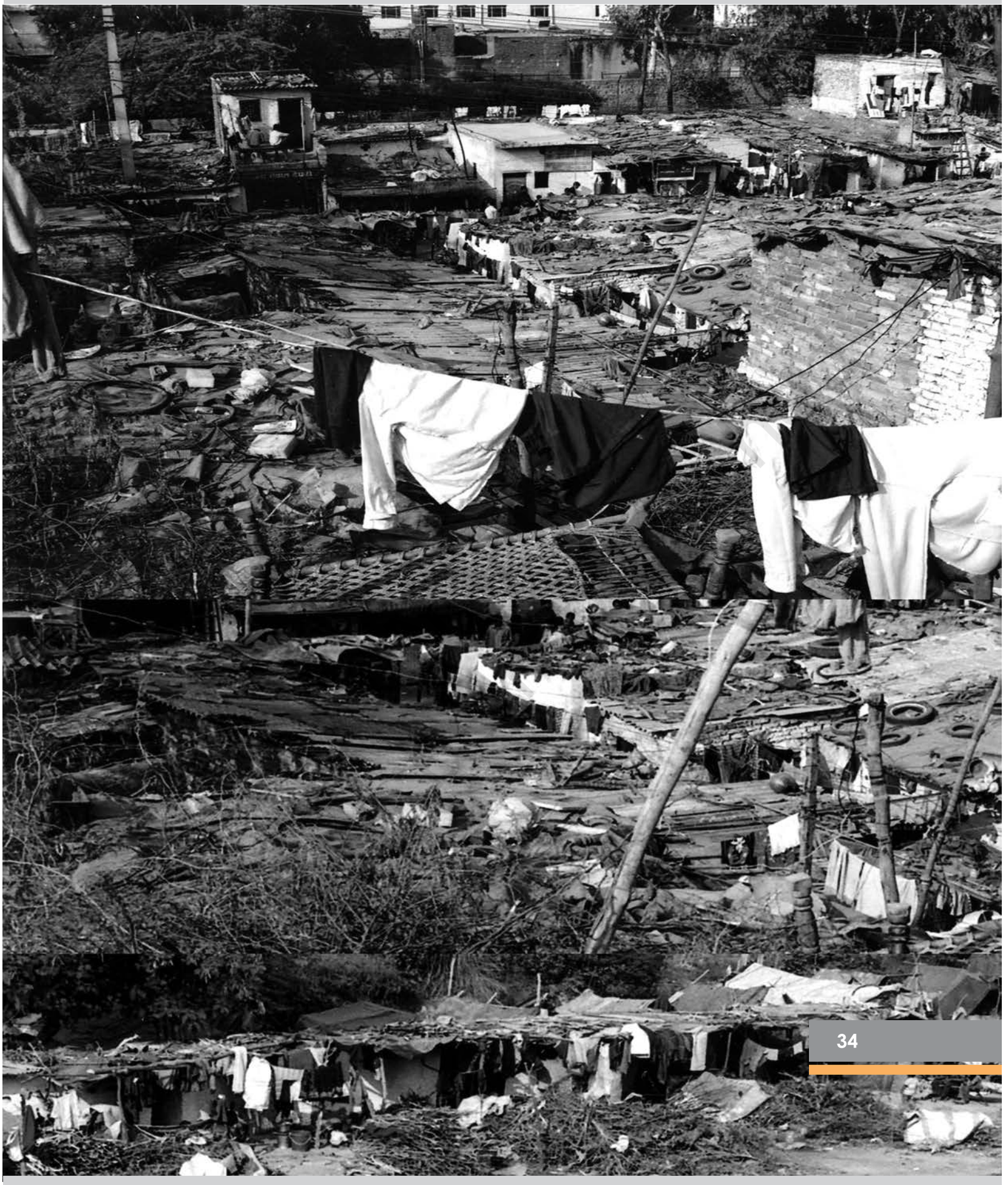

ترسیل اب شہری اور دیہی علاقوں کے درمیان خلا کو پر کرنے کا کام کر رہی ہیں۔ پہلے بھی، دیہی علاقے بازار کی قوتوں کی پہنچ سے کبھی باہر نہیں رہے اور آج تو حالت یہ ہے کہ وہ صارف بازار سے کہیں زیادہ گہرائی سے جڑ رہے ہیں۔ (بازاروں کے سماجی کردار پر باب 4 میں بحث کی جائے گی)۔

جدول 5: دیہی اور شہری آبادی

سال	آبادی (لاکھوں میں)		کل آبادی کا فی صد	
	دیہی	شہری	دیہی	شہری
1901	213	26	89.2	10.8
1911	226	26	89.7	10.3
1921	223	28	88.8	11.2
1931	246	33	88.0	12.0
1941	275	44	86.1	13.9
1951	299	62	82.7	17.3
1961	360	79	82.0	18.0
1971	439	109	80.1	19.9
1981	524	159	76.7	23.3
1991	629	218	74.3	25.7
2001	743	286	72.2	27.8
2011	833	377	68.8	31.2

ماخذ: ہندوستان 2006، حوالہ جاتی سالنامہ، ہندوستان کی مردم شماری 2011 (عارضی)

شہری نقطۂ نگاہ سے غور کیا جائے تو شہر کاری میں ہو رہے تیز اضافے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قصبے یا شہر دیہی عوام کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ جن لوگوں کو دیہی علاقوں میں کام (یا کافی کام) نہیں ملتا وہ کام کی تلاش میں شہر چلے جاتے ہیں۔ گاؤں سے شہروں کی طرف نقل پذیری کی رفتار میں اس لیے بھی تیزی آئی ہے کہ گاؤں میں تالابوں، جنگلوں اور چراگاہی زمینوں جیسے مشترکہ جائداد کے وسائل میں مستقل زوال آتا جا رہا ہے۔ پہلے سانجھے وسائل سے غریب گاؤں میں گزر بسر کر لیا کرتے تھے اگرچہ ان کے پاس زمین بہت کم یا بالکل نہیں ہوا کرتی تھی۔ اب یہ وسائل نجی جائداد کی شکل میں بدل گئے ہیں یا ختم ہو گئے ہیں (تالاب یا تو سوکھ گئے ہیں یا پھر ان سے کافی مقدار میں مچھلی نہیں ملتی۔ جنگل یا تو کاٹ ڈالے گئے ہیں یا غائب ہو گئے ہیں)۔ اب جب کہ لوگوں کے پاس یہ وسائل نہیں رہے لیکن دوسری طرف انھیں ایسی بہت سی چیزیں جو انھیں پہلے مفت میں ملتی تھیں (جیسے ایندھن، چارہ یا دیگر تکمیل غذائی اشیا) اب بازار سے خریدنی پڑتی ہیں تو ان کی مشکل بڑھ جاتی ہے۔ یہ مشکل صورتِ حال اس حقیقت سے اور بھی بدتر ہو جاتی ہے کہ نقد آمدنی کمانے کے مواقع گاؤں میں کم ہو گئے ہیں۔

© NCERT not to be republished

کبھی کبھی لوگ شہری زندگی کو کچھ سماجی وجوہات سے بھی پسند کرتے ہیں۔ جیسے کہ شہروں میں گمنامی کی زندگی بھی جی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ یہ حقیقت کہ شہری زندگی میں اجنبیوں سے بھی رابطہ قائم ہوتا رہتا ہے جو مختلف وجوہات کی بنا پر فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے۔ درج فہرست ذات اور درج فہرست قبائل جیسے سماجی طور پر پس ماندہ گروپوں کو روز مرہ کی اس ذلت سے کچھ جزوی تحفظ حاصل ہوتا ہے جو انھیں گاؤں میں بھگتنی پڑتی ہے جہاں پر ہر کوئی ان کی ذات کی شناخت کو جانتا ہے۔شہری زندگی کی گمنامی کے سبب سماجی لحاظ سے غالب دیہی گروپوں کے نسبتاً غریب لوگ شہر میں جا کر کوئی بھی کم تر سمجھے جانے والے کام کو انجام دینے سے نہیں ہچکچاتے جسے گاؤں میں رہتے ہوئے بدنامی کے ڈر سے وہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان سبھی وجوہات کی بنا پر شہر گاؤں والوں کے لیے پرکشش منزل مقصود بن گئے ہیں۔ دن بہ دن بڑھتے جارہے شہر آبادی کے اس بہاؤ کے شاہد ہیں۔ مابعد آزادی کے دور میں شہر کاری کی تیز رفتار سے بھی اس حقیقت کی توثیق ہوتی ہے۔

سرگرمی 2.4

اپنے اسکول میں یہ پتہ لگانے کے لیے ایک چھوٹا سروے کریں کہ آپ کے ساتھی طلبا کے خاندان کب (یعنی کتنی پیڑھیوں پہلے) شہر میں رہنے کے لیے آئے تھے۔ نتائج کا جدول بنا کر ان کے بارے میں کلاس میں بحث کریں۔آپ کے ذریعے کیا گیا سروے دیہی۔ شہری مہاجرت یا نقل پزیری کے بارے میں کیا بتاتا ہے؟

جہاں شہر کاری کا عمل بہت تیز رفتار سے چل رہا ہے وہیں اس کے تحت بڑے شہروں۔ میٹروپولس (ام البلاد) کا پھیلاؤ بھی تیزی سے ہورہا ہے۔ یہ بڑے شہر دیہی علاقوں اور ساتھ ہی ساتھ چھوٹے قصبوں کے باشندوں کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔اس وقت ہندوستان میں کل ملا کر 5,161 قصبے اور شہر ہیں جن میں 28.60 کروڑ لوگ رہتے ہیں۔لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ شہری آبادی کا دو تہائی سے بھی زیادہ حصہ ان 27 بڑے شہروں میں رہتا ہے جن کی آبادی دس لاکھ سے زیادہ ہے۔ظاہر ہے ہندوستان میں نسبتاً بڑے شہروں کی آبادی اتنی تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ شہر کی بنیادی سہولیات اتنی تیزی سے شاید ہی بڑھ سکیں۔ ان شہروں میں مواصلات کے ذرائع کا خیال خاص طور پر زیادہ مرتکز رہنے سے ہندوستان کا عوامی چہرہ دیہی کے بجائے زیادہ سے زیادہ شہری ہوتا جارہا ہے۔تاہم ملک میں سیاسی قوت فراہم کرنے کے عمل میں دیہی علاقے آج بھی فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔

2.7 ہندوستان میں آبادی پالیسی

اس باب میں کی گئی بحث سے یہ ظاہر ہوگیا ہوگا کہ آبادی کی حرکت پذیری ایک اہم موضوع ہے اور یہ ملک کی ترقی کے امکانات اور وہاں کے لوگوں کی صحت اور بہبود پر فیصلہ کن طور پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ خاص طور پر ان ترقی پذیر ملکوں کے معاملے میں زیادہ صحیح ہے جنھیں اس سلسلے میں خصوصی چیلنج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ہندوستان پچھلے پچاس سال سے بھی زیادہ مدت سے ایک سرکاری آبادی پالیسی کی پابندی کرتا رہا ہے۔درحقیقت ہندوستان ہی غالباً ایسا پہلا ملک تھا جس نے 1952 میں اپنی آبادی پالیسی کا واضح اعلان کر دیا تھا۔

ہماری آبادی پالیسی نے قومی خاندانی منصوبہ بندی پروگرام کے طور پر ایک ٹھوس شکل اختیار کی۔اس پروگرام کے مقاصد موٹے طور پر مطلوبہ سمتوں میں آبادی کی افزائش کی شرح اور وضع کو متاثر کرنے کی کوشش کرنے جیسے رہے ہیں۔ شروعاتی دنوں میں اس پروگرام کا سب سے اہم مقصد: ضبط تولید کی مختلف تراکیب کے ذریعے آبادی کی افزائش کی شرح کو دھیما کرنا،عوامی صحت کے معیارات کو بہتر بنانا اور آبادی اور طبی امور کے بارے میں عوامی شعور کو بڑھانا تھا۔ پچھلے تقریبا پچاس سالوں میں آبادی کے

© NCERT not to be republished

باکس 2.4

ہندوستان کی آبادیاتی حصول یابی

قومی خاندانی فلاح و بہبود کے پروگرام کے اپنانے کے پچاس سال بعد ہندوستان میں

- خام شرحِ پیدائش 40.8 (1951) سے گھٹ کر 21 (2017) ہوئی۔
- اطفال شرحِ اموات کو 1000 زندہ پیدائش 146 (1951) سے گھٹ کر 39 (2017) ہوگئی۔
- شادی شدہ جوڑوں کی امتناع حمل کی شرح (Couple contraception rate) 10.4 فی صد (1971) سے چار گنا سے بھی زیادہ بڑھ کر 53 فی صد (2016) ہوا۔
- خام شرحِ اموات 25 (1951) سے گھٹ کر 6.7 (2017) کی سطح پر آئی۔
- امکانیت زندگی 37 سال سے بڑھ 64 سال ہوئی یعنی 27 سال مزید بڑھا۔
- خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت اور طریقوں کے بارے میں تقریباً ہمہ گیر بیداری پیدا ہوئی اور
- کل شرح بارآوری 6.0 (1951) گھٹ کر نصف سے کم یعنی 2.3 (2013) پر آئی

مآخذ : آبادی کا قومی کمیشن

باکس 2.5

سال 2010 کے لیے قومی سماجی آبادیاتی اہداف

- بنیادی تولیدی اور اطفال خدمات صحت، رسد اور بنیادی ساخت کی نامکمل ضرورتوں پر توجہ دی جائے۔
- 14 سال کی عمر تک اسکولی تعلیم مفت اور لازمی بنائی جائے اور پرائمری اور ثانوی اسکولوں کی سطح پر بیچ میں پڑھائی چھوڑنے والے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے فی صد کو گھٹا کر 20 فی صد سے نیچے لایا جائے۔
- مرگ اطفال کی شرح کو 30 فی ہزار زندہ پیدائشوں پر سے نیچے کی سطح پر لایا جائے۔
- مادری شرحِ اموات کو 100 فی 1,00,000 زندہ پیدائشوں کی سطح کے نیچے لایا جائے۔
- ٹیکے کے ذریعے روکی جانے والی سبھی بیماریوں کے خلاف سبھی بچوں کو امراض سے آزادی فراہم کی جائے۔
- لڑکیوں کی شادی میں تاخیر یعنی 18 سال کی عمر سے پہلے نہیں ہو اور ہو سکے تو 20 سال کی عمر کے بعد شادی کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
- ولادت کے 80 فی صد معاملے، زچہ خانوں جیسے اداروں میں انجام دلائے جائیں اور سبھی 100 فی صد معاملوں میں تربیت یافتہ عملہ کی مدد لیے جانے کا ہدف حاصل کیا جائے۔
- انتخاب اور متبادلات کی سہولت کے ساتھ ضبط تولید اور مانع حمل کے لیے معلومات مشاورت اور خدمات کے تئیں ہمہ گیر رسائی حاصل کرنا۔
- پیدائشوں، اموات، شادی اور حمل کا 100 فی صد رجسٹریشن حاصل کرنا۔
- اکوایرڈ ایمیونو ڈیفی شینسی سنڈروم (Acquired Immunodeficience Syndrome, AIDS) مرض کو پھیلنے سے روکا جائے اور اعضائے تولید کے انفکشن (Reproductive Tract Infections, RTI) اور جنسی عمل سے ہونے والے انفکشن (Sexually Transmitted infections, STI) کے انتظامیہ اور قومی ایڈس کنٹرول تنظیم کے درمیان زیادہ سے زیادہ ارتباط قائم کیا جائے۔
- متعدی یا چھوت سے لگنے والی بیماریوں کی روک تھام اور کنٹرول کیا جائے۔
- تولیدی خدمات اور طبی خدمات برائے اطفال کے اہتمام کے لیے اور خاندانوں تک مدد پہنچانے میں ادویہ کے ہندوستانی نظاموں کو مربوط کیا جائے۔
- کل بارآوری شرح (TFR) کی بھرپائی سطحوں کو حاصل کرنے میں چھوٹی فیملی کے معیار کی زیادہ حوصلہ افزائی کی جائے۔
- متعلقہ سماجی سیکٹر کے پروگراموں کے نفاذ میں ارتکاز پیدا کیا جائے تا کہ خاندانی فلاح و بہبود عوام مرکوز پروگرام بن سکے۔

ماخذ: قومی آبادی کمیشن

© NCERT not to be republished

میدان میں ہندوستان کی کئی قابل ذکر حصول یابیاں ہیں جن کا خلاصہ باکس2.4میں پیش کیا گیا ہے۔

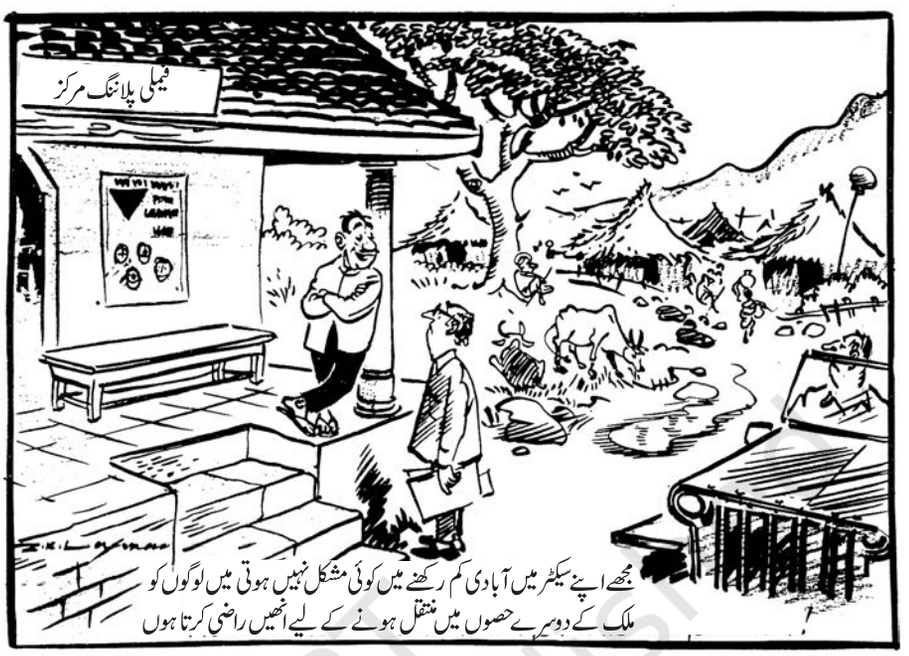

مجھے اپنے سیکٹر میں آبادی کم رکھنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی میں لوگوں کو ملک کے دوسرے حصوں میں منتقل ہونے کے لیے انھیں راضی کرتا ہوں

فیملی پلاننگ پروگرام کو قومی ایمرجنسی(1975-76) کی مدت میں زبردست دھکّا لگا۔ اس وقت عام پارلیمانی اور قانونی عمل التوا میں رہے اور خصوصی قوانین اور آرڈی ننس حکومت کے ذریعے سیدھے طور پر (پارلیمنٹ کے ذریعے پاس کیے بغیر) لاگو کردیے گئے۔ اس ایمرجنسی کے دوران حکومت کے ذریعے آبادی کی شرح افزائش کو بڑے پیمانے پر سختی سے روکنے کے لیے تولید کے ناقابل بنانے (Sterilisation) کا جبری پروگرام لاگو کیا گیا۔ یہاں تولید کے ناقابل بنانے سے مراد ایسے طبی طریقۂ کار سے ہے جس سے حمل اور بچے کی پیدائش کے عمل کو روکا جاسکتا ہے۔ مردوں کے معاملے استعمال میں لائی جانے والی آپریشن تکنیک نس بندی اور عورتوں کے لیے بیض نالی نکال دینے یا بند کرنے کے عمل (tubectomy) کے طور پر جانی جاتی ہے۔ زیادہ تر غریب اور بے سہارا لوگوں کی بڑی تعداد کی جبراً نس بندی کی گئی اور سرکاری ملازمین (جیسے اسکولی ٹیچروں اور دفتری بابوؤں) پر زبردست دباؤ ڈالا گیا کہ وہ لوگوں کو تولید کے ناقابل بنانے کے لیے لگائے گئے کیمپوں میں اس مقصد کے لیے لائیں۔ اس پروگرام کی عوام میں زبردست مخالفت ہوئی اور ایمرجنسی کے بعد اقتدار میں آئی حکومت نے اس پروگرام کو ترک کردیا۔



کیا تمھیں فخر نہیں ہے؟ ہمارے یہاں دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے اور جلد ہی ہم اس سے بھی بڑی جمہوریت بن جائیں گے

ایمرجنسی کے بعد قومی خاندانی منصوبہ بندی پروگرام کا نام بدل کر قومی خاندانی بہبود پروگرام کردیا گیا اور اپنائے جانے والے جابرانہ طریقوں کو ترک کردیا گیا۔ پروگرام اب وسیع بنیاد والے سماجی آبادیاتی مقاصد کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ قومی آبادی پالیسی2000کے جزو کے طور پر رہنما اصولوں کا ایک نیا مجموعہ وضع کیا گیا۔ سال 2010 کے لیے پالیسی کے اہداف کی شکل میں باکس2.5میں ان کا خلاصہ کیا گیا ہے۔

© NCERT not to be republished

ہندوستان کے قومی خاندانی بہبود پروگرام کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اگرچہ ریاست آبادیاتی تبدیلی کے لیے مناسب ماحول تیار کرنے کے لیے بہت کچھ کرسکتی ہے تاہم زیادہ تر آبادیاتی متغیرات (خاص طور سے انسانی بارآوری سے متعلق) میں آخرکار معاشی، سماجی اور ثقافتی معاملے ہی اہم کردار نبھاتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ آبادیاتی منتقلی کے نظریے کی بنیادی دلیل کو واضح کیجیے۔ یہ عبوری دور آبادی دھماکے (بے تحاشہ اضافہ) کے ساتھ کیوں جڑا ہوا ہے؟

2۔ مالتھس کا یہ عقیدہ کیوں تھا کہ قحط سالی اور وبائی امراض جیسے تباہ کن حادثات جو بڑے پیمانے پر اموات کا سبب بنتے ہیں، ناگزیر ہیں؟

3۔ شرحِ پیدائش، اور، شرحِ اموات، سے کیا مراد ہے؟ واضح کیجیے کہ کیوں شرح پیدائش میں کمی نسبتاً دھیمی رفتار سے واقع ہوتی ہے جب کہ شرحِ اموات میں کمی بہت تیزی سے واقع ہوتی ہے۔

4۔ ہندوستان میں کون کون سی ریاستیں آبادی افزائش کی بھرپائی سطحوں کو حاصل کر چکی ہیں یا اس کے بہت قریب ہیں؟ کون سی ریاستوں میں اب آبادی کی شرحِ افزائش کافی اونچی ہے؟ آپ کے خیال میں ان علاقائی فرق کی کیا وجوہات ہوسکتی ہیں؟

5۔ آبادی کی عمری ساخت کا کیا مطلب ہے؟ معاشی ترقی اور خوش حالی کے لیے اس کی کیا موزونیت ہے؟

6۔ جنسی تناسب کا کیا مطلب ہے؟ گرتے ہوئے صنفی تناسب کے کیا مضمرات ہیں؟ کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ والدین اب بھی بیٹیوں کے بجائے بیٹوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں؟ آپ کے خیال میں اس پسند کی کیا وجوہات ہوسکتی ہیں؟

© NCERT not to be republished

حوالہ جات

Bose, Ashish. 2001. Population of India, 2001 Census Results and Methodology. B.R. Publishing Corporation. Delhi.

Davis, Kingsley. 1951. The Population of India and Pakistan. Russel and Russel. New York.

India, 2006. A Reference Annual. Publications Division, Government of India. New Delhi.

Kirk, Dudley. 1968. 'The Field of Demography', in Sills, David. ed. International Encyclopedia of the Social Sciences. The Free Press and Macmillan. New York.

Visaria, Pravin and Visaria, Leela. 2003. 'India's Population: Its Growth and Key Characteristics', in Das, V. ed. The Oxford India Companion to Sociology and Social Anthropology. Oxford University Press. Delhi.

ویب سائٹ

http://populationcommission.nic.in/facts1.htm
http://en.wikipedia.org/wiki/spanish_flu
http://www.who.int/mediacenter/factsheets/fs211/en/
http://wwwcensusindia.gov.in



5273CH03

باب 3

سماجی ادارے
تسلسل اور تبدیلی
(Social Institutions
Continuity and Change)

© NCERT not to be republished

باب 2 میں ہندوستان کی آبادی کی ساخت اور حرکیات کا مطالعہ کرنے کے بعد اب ہم سماجی اداروں کا مطالعہ کریں گے۔ آبادی محض علاحدہ، غیر متعلق افراد کا مجموعہ نہیں ہے۔ یہ ایک سماج ہے جو مختلف لیکن ایک دوسرے سے جڑے طبقات اور مختلف قسم کی برادریوں سے بنا ہوتا ہے۔ یہ برادریاں سماجی اداروں اور سماجی رشتوں کے ذریعے برقرار رہتی ہیں اور منضبط ہوتی ہیں۔ اس باب میں ہم تین اداروں پر نظر ڈالیں گے جن کو ہندوستانی سماج میں مرکزیت حاصل ہے۔ ان کے نام ہیں: ذات، قبیلہ اور خاندان۔

3.1 ذات اور ذات کا نظام

کسی بھی ہندوستانی کی طرح آپ بھی جانتے ہیں کہ 'ذات' ایک قدیم سماجی ادارے کا نام ہے جو ہزاروں سالوں سے ہندوستانی تاریخ اور ثقافت کا جز رہا ہے۔ لیکن اکیسویں صدی میں رہنے والے کسی بھی ہندوستانی کی طرح آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جسے 'ذات' کہا جارہا ہے وہ یقیناً آج بھی ہندوستانی سماج کا ایک حصہ ہے۔ یہ دو ذاتیں یعنی ایک وہ جس کو ماضی میں سماج کے حصے کے طور پر مانا جاتا تھا اور دوسرے وہ جو آج کل کے سماج کا حصہ ہے، کیا کسی حد تک ایک ہی چیز ہیں؟ یہی سوال ہے جس کا اس سیکشن میں ہم جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

ماضی میں ذات

ذات ایک ایسا ادارہ ہے جو منفرد طور پر برصغیر ہند سے جڑا ہوا ہے۔ حالاں کہ جہاں دنیا کے دیگر حصوں میں اسی طرح کے اثرات مرتب کرنے والے سماجی بندوبستوں کا وجود تھا لیکن بالکل یہی شکل کہیں نہیں پائی گئی۔ اگرچہ یہ ہندو سماج کی ادارہ جاتی خصوصیت ہے تاہم برصغیر ہند کی اکثر غیر ہندو کمیونٹیوں میں بھی ذات کا پھیلاؤ ہوا ہے۔ یہ بات بطور خاص مسلمانوں، عیسائیوں اور سکھوں کے لیے صحیح ہے۔

جیسا کہ معروف ہے کہ انگریزی لفظ 'caste' پرتگالی لفظ 'casta' سے لیا گیا ہے جس کا مطلب ہے خالص نسل۔ یہ لفظ ایک وسیع ادارہ جاتی بندوبست کی طرف اشارہ کرتا ہے جسے ہندوستانی زبانوں میں (قدیم سنسکرت زبان کے ساتھ شروع کرتے ہوئے) دو مختلف اصطلاحات 'ورن' اور 'جاتی' سے منسوب کیا جاتا ہے. ورن کا لفظی مطلب رنگ ہے۔ یہ وہ نام ہے جو سماج کی چار طبقاتی تقسیم برہمن، چھتریہ، ویشیہ اور شودر کے لیے دیا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں آبادی کے ایک نمایاں طبقے جو جات باہر کے غیر ملکیوں، غلاموں، مفتوحہ لوگوں اور دیگر لوگوں پر مشتمل تھا، کو نہیں شامل کیا گیا ہے تاہم کبھی کبھی ان کا حوالہ پنچم یا پانچویں زمرے کے طور پر ملتا ہے۔ 'جاتی' ایک عمومی اصطلاح ہے اس سے کسی بھی انواع یا اقسام کا اشارہ ملتا ہے جس میں بے جان چیزوں سے لے کر پودے، جانور اور نوع انسانی تک شامل ہیں۔ 'جاتی' وہ لفظ ہے جس کا عام طور پر استعمال ہندوستانی زبانوں میں ذات کے ادارے کے حوالے کے لیے کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ اس پر غور کرنا دلچسپ ہوگا کہ ہندستانی زبان بولنے والے اکثر لوگ انگریزی لفظ 'caste' کے استعمال کی بھی شروعات کر رہے ہیں۔

© NCERT not to be republished

ورن اور جاتی کے درمیان جامع رشتہ دانشوروں کے درمیان زیادہ غوروفکر اور بحث کا موضوع رہا ہے۔ورن کی کافی عام توضیح، وسیع کل ہند مجموعی درجہ بندی کے طور پر کی جاتی ہے جب کہ جاتی کو علاقائی یا مقامی ذیلی درجہ بندی کے طور پر لیا جاتا ہے جس میں بہت زیادہ پیچیدہ نظام شامل ہے اور یہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں جاتیوں اور ذیلی جاتیوں پر مشتمل ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ حالاں کہ چار ورنوں کی درجہ بندی پورے ہندوستان کے لیے عام ہے لیکن جاتی درجہ بندی زیادہ مقامی درجہ بندی ہے جس کی نوعیت ہر خطے میں الگ الگ ہے۔

ذات کے نظام کی صحیح مدت پر بھی اختلاف رائے ہے۔تاہم اس پر اتفاق کیا جاتا ہے کہ چار ورنوں کی درجہ بندی موٹے طور پر تین ہزار سال پرانی ہے۔تاہم ذات کے نظام سے مراد مختلف ادوار میں الگ الگ رہی ہے۔اسی طرح یہ سوچنا گمراہ کن ہے کہ یہی نظام تین ہزار سالوں سے چلا آرہا ہے۔ آخری ویدک دور میں اپنے ابتدائی مرحلے میں، موٹے طور پر 900 تا500 قبل مسیح ذات کا نظام دراصل ورن نظام ہی تھا اور صرف چار تقسیموں پر مشتمل تھا۔ یہ تقسیم بہت ہی جامع یا بہت ٹھوس نہیں تھی اور ان کا تعین پیدائش کی بنیاد پر بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ زمروں یا طبقوں کے درمیان نقل وحرکت لگتا ہے نہ صرف ممکن رہی ہے بلکہ بہت عام بات بھی تھی۔ یہ صرف مابعد ویدک دور کی بات ہے جب ذات ایک ٹھوس ادارہ بنی یعنی وہ جس سے ہم معروف تعریفوں کے ذریعے واقف بھی ہیں۔

این کالی
(1863 تا1914)

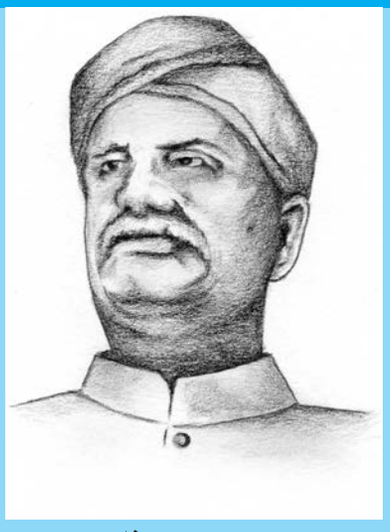

این کالی کیرل میں پیدا ہوئے وہ نچلی ذات اور دلتوں کے رہنما تھے۔ان کی کوششوں کے نتیجے میں دلتوں کو عوامی سڑکوں پر چلنے پھرنے کی آزادی ملی اور دلت بچوں کو اسکول میں داخلے کی اجازت بھی۔

ذات کی کافی واضح خصوصیات جن کا عام طور پر اکثر حوالہ دیا جاتا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

1۔ ذات کا تعین پیدائش سے ہوتا ہے۔ایک بچہ اپنے والدین کی ذات میں پیدا ہوتا ہے۔ ذات کبھی انتخاب کا معاملہ نہیں ہوتی۔کوئی بھی اپنی ذات کو نہ تو تبدیل کرسکتا ہے' نہ اسے چھوڑ سکتا ہے یا اس میں شامل ہونے کے لیے نہ ہی انتخاب کرسکتا ہے حالاں کہ کسی شخص کو اپنی ذات سے باہر نکال دینے کی مثالیں مل سکتی ہیں۔

2۔ کسی ذات کی رکنیت شادی سے متعلق سخت ضوابط پر مشتمل ہے۔ذات گروپ (جاتی گروہ) "درون ازدواجی" (endogamous) ہیں۔یعنی شادی گروپ کے ممبران تک ہی محدود رہتی ہے۔

3۔ ذات کی رکنیت میں کھانے پینے اور کھانے پینے میں شریک ہونے سے متعلق سخت ضوابط بھی شامل ہیں۔کس قسم کا کھانا کھایا جاسکتا ہے یا نہیں کھایا جاسکتا اس کی بھی صلاح دی گئی ہے اور کون کھانے پینے میں شامل ہوسکتا ہے اس کی بھی صراحت کی گئی ہے۔

4۔ ذات ایک ایسے نظام سے وابستہ ہے جو رتبے اور حیثیت کے ایک سلسلۂ مراتب میں منظّم بہت سی ذاتوں پر مشتمل ہے۔ نظریاتی اعتبار سے ہر شخص کی ایک ذات ہوتی ہے اور تمام ذاتوں کے سلسلہ مراتب میں ہر ذات کا اپنا ایک خصوصی مقام

© NCERT not to be republished

ہوتا ہے۔ حالاں کہ متعدد ذاتوں کی درجہ بند حیثیت یا مقام بالخصوص وسطی مراتب ہر خطے میں الگ الگ ہو سکتے ہیں لیکن درجہ بندی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

5۔ ذاتوں یا جاتیوں میں اندرونی طور پر ذیلی تقسیم بھی ہوتی ہے۔ جاتیوں میں تقریباً ہمیشہ ذیلی ذاتیں ہوتی ہیں اور کبھی کبھی ذیلی جاتیوں میں بھی ان کی اپنی ذیلی جاتیاں ہوتی ہیں۔ اسے ایک قطعاتی تنظیم کے طور پر منسوب کیا جاتا ہے۔

6۔ جاتیاں روایتی طور پر پیشوں سے جڑی ہوئی ہوتی تھیں۔ ایک شخص جو کسی ذات میں پیدا ہوتا ہے صرف وہی پیشہ اپنا سکتا ہے جو اس کی اپنی ذات سے جڑا ہوا ہے۔ اس طرح یہ پیشے موروثی ہوتے ہیں یعنی نسل در نسل چلتے رہتے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف کوئی مخصوص پیشہ صرف اسی ذات سے متعلق لوگ ہی اپنا سکتے ہیں۔ دیگر جاتیوں کے ممبران اس پیشے کو نہیں اپنا سکتے۔

یہ خصوصیات وہ مجوزہ اصول ہیں جو قدیم مقدس کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ چوں کہ ان احکامات پر ہمیشہ عمل نہیں ہوا تھا، لہٰذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی حد تک ان ضوابط کے ذریعے اصلاً ذات کی عملی حقیقت یعنی اس زمانے میں رہنے والے لوگوں کے لیے اس کے ٹھوس معنی متعین ہوئے۔ جیسا کہ آپ مشاہدہ کر سکتے ہیں تجاویز یا احکامات مختلف قسم کی ممانعت یا بندشوں پر مشتمل ہیں۔

جیوتی راؤ گووندراؤ پھولے
(1827 تا 1890)



جیوتی راؤ گووندراؤ پھولے نے ذات پات کے غیر منصفانہ نظام کی مذمت کی اور پاکیزگی اور آلودگی سے متعلق اس کے ضوابط کی ملامت کی۔ 1873 میں انھوں نے ستیہ شودھک سماج (یعنی سچ کا متلاشی سماج) قائم کیا جو انسانی حقوق اور نچلی ذات کے لوگوں کے لیے سماجی انصاف کو یقینی بنانے کے لیے وقف تھا۔

تاریخی شہادت سے یہ بھی واضح ہے کہ ذات ایک بہت ہی غیر مساوی ادارہ تھا۔ کچھ جاتیوں کو اس نظام سے بہت زیادہ فائدہ حاصل تھا جب کہ دوسری جاتیاں غیر محدود محنت اور ماتحتی کی زندگی میں مبتلا تھیں۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جب ذات کا تعین سختی کے ساتھ پیدائش کی بنیاد پر ہی ہو جاتا ہے تو کسی شخص کے لیے اصولاً یہ ناممکن بات تھی کہ وہ اپنی زندگی کے حالات کو کبھی تبدیل کر سکے، خواہ وہ اس کا مستحق ہو یا نہیں۔ ایک اونچی ذات کا شخص ہمیشہ اونچی حیثیت کا حامل رہے گا جب کہ ایک نیچی ذات کا شخص ہمیشہ کم تر حیثیت میں ہوگا۔

نظریاتی طور پر ذات کے نظام کو اصولوں کے دو مجموعوں کے اتحاد کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے، ایک فرق اور علاحدگی پر مبنی ہے اور دوسرا نظریہ کلیت اور درجہ بندی پر۔ ہر ذات کے بارے میں مانا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مختلف ہوگی اور اس لیے ہر ایک دوسری ذات سے بالکل الگ ہوگی۔ ذات کے بہت سے مقدس ضوابط اس طرح ذاتوں کی آمیزش کو روکنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ یہ ضوابط واصول شادی سے لے کر کھانے پینے میں شرکت اور پیشے کے تئیں بین سماجی عمل پر مشتمل ہیں۔ جب کہ دوسری طرف، ان مختلف اور علاحدہ علاحدہ جاتیوں کا کوئی انفرادی وجود نہیں ہے۔ وہ صرف کلی طور پر (یا ایک بڑی اکائی کے طور پر) اور سبھی ذاتوں پر مشتمل سماج کی کلیت کی بنیاد پر قائم رہ سکتی ہیں۔ مزید، یہ کہ یہ ایک سماج گیر کلیت یا نظام، مساواتی نظام کے بجائے ایک درجہ بند نظام ہے۔ ہر انفرادی ذات نہ صرف اپنا ایک امتیازی مقام رکھتی ہے بلکہ ایک ترتیب وار رتبے یعنی سب سے اوپر سے نیچے جاتے ہوئے ایک سیڑھی جیسے بندوبست میں ایک مخصوص مقام کی حامل ہے۔

© NCERT not to be republished

ذات کی درجہ بند ترتیب 'تقدیس' اور 'آلودگی' کے درمیان امتیاز پر مبنی ہے۔ یہ کچھ ایسی چیزوں جن کے بارے میں مانا جاتا ہے کہ وہ مقدس ہونے کے قریب تر ہیں (اس طرح یہ رسوماتی پاکیزگی کی دلالت کرتا ہے) اور کچھ ایسی چیزوں جن کے بارے میں مانا جاتا ہے کہ وہ مقدس ہونے سے دور یا مخالف ہیں (اس لیے اسے رسوماتی آلودگی کے طور پر سمجھا جاتا ہے)، کے درمیان ایک تقسیم ہے۔ وہ جاتیاں جنھیں رسوماتی طور پر خالص و پاکیزہ سمجھا جاتا ہے اونچی حیثیت کی حامل سمجھی جاتی ہیں جب کہ وہ جنھیں کم مطہر (پاک) یا ناخالص سمجھا جاتا ہے وہ کم حیثیت کی حامل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ سبھی سماجوں میں ہے، مادی قوت (یعنی معاشی وفوجی قوت) کا گہرا تعلق سماجی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ جو اقتدار میں ہوتی ہیں وہ اونچی حیثیت کی طرف مائل ہوتی ہیں جب کہ جو اقتدار میں نہیں ہوتیں وہ نچلی حیثیت میں ہوتی ہیں۔ مورخین مانتے ہیں کہ وہ جو جنگوں میں ہار جاتے تھے انھیں اکثر نچلی جاتی کی حیثیت تفویض کی جاتی تھی۔

آخر میں جاتیاں رسوماتی اصطلاح میں نہ صرف ایک دوسرے کے غیر مساوی ہوتی ہیں بلکہ انھیں ایک دوسرے کا تکمیلی اور غیر مُسابقتی گروپ بھی مانا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر ذات کا نظام، میں اپنا مقام ہوتا ہے جسے کسی دوسری ذات کے ذریعے نہیں اختیار کیا جاسکتا۔ چوں کہ ذات کا تعلق پیشے سے بھی ہے اس لیے نظام محنت کی سماجی تقسیم کے طور پر عمل کرتا ہے اس کے علاوہ اصولی طور پر اس میں حرکت پذیری کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

اس میں حیرت کی بات نہیں کہ ماضی اور خاص طور پر قدیم ماضی کے بارے میں ہمارے ذرائع علم نا کافی ہیں۔ یہ وثوق کے ساتھ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس زمانے میں کون سی چیزیں مماثل تھیں یا کیوں بعض ادارے اور رواج قائم ہوئے اس کی کیا وجوہات تھیں۔ لیکن اگر ہمیں یہ سب معلوم بھی ہو تو تب بھی اس سے پتہ نہیں چل سکتا کہ آج ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ محض اس لیے کہ کچھ چیزیں ماضی میں واقع ہوئیں یا ہماری روایت کا حصہ ہیں، یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے صحیح یا غلط ہو۔ ہر دور میں ایسے سوالات کے بارے میں نئی سوچ ہوتی ہے اور اس کے سماجی اداروں کے اس کے اپنے اجتماعی فیصلے سامنے آتے ہیں۔

ساوتری بائی پھولے
(1831-1897)



ساوتری بائی پھولے پونے میں لڑکیوں کے لیے ہندوستان کے پہلے اسکول کی پہلی صدر مدرس تھیں۔ انھوں نے اپنی زندگی ''شودر'' اور ''اتی شودر'' کی تعلیم کے لیے وقف کردی۔ انھوں نے کسانوں اور مزدوروں کے لیے رات کا اسکول (Night School) قائم کیا۔ پلیگ کے متاثرین کی خدمت کے دوران ان کا انتقال ہوا۔

استعماریت اور ذات

قدیم ماضی کے مقابلے میں ہم اپنی حالیہ تاریخ میں ذات کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ اگر جدید تاریخ کو انیسویں صدی سے شروع کیا جائے تب 1947 میں ہندوستان کی آزادی کو نو آبادیاتی دور (1800 تا 1947 تقریباً 150 سال) اور مابعد آزادی یا مابعد نو آبادیاتی (1947 سے آج تک تقریباً 70 سال) دور کے درمیان ایک فطری خط تقسیم مانی جاسکتی ہے۔ سماجی ادارے کے طور پر ذات کی موجودہ شکل کو نو آبادیاتی دور اور آزاد ہندوستان میں رونما ہونے والی تیز ترین تبدیلیوں دونوں کے ذریعے ہی کافی مضبوطی حاصل ہوئی ہے۔

© NCERT not to be republished

دانشوران اس بات سے متفق ہیں کہ نوآبادیاتی دور میں سبھی بڑے سماجی اداروں اور بطور خاص ذات کے اداروں میں کافی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ درحقیقت کچھ دانش ور دلیل دیتے ہیں جسے ہم آج ذات کے طور پر جانتے ہیں یہ قدیم روایت کی بہ نسبت استعماریت کی زیادہ اپج ہے۔ سبھی تبدیلیاں جو رونما ہوئیں وہ قصداً یا دانستہ نہیں تھیں۔ ابتدائی طور پر برطانوی منتظمین نے یہ سیکھنے کی کوشش میں کہ اس ملک میں زیادہ موثر طور پر حکمرانی کیسے کی جائے ذات کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کی کوشش کی شروعات کی۔ ان میں سے بعض کوششوں کا نتیجہ پورے ملک میں مختلف قبائل اور ذاتوں کے رسم اور انداز کے بہت ہی منظّم اور عمیق سروے اور رپورٹوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ بہت سے برطانوی منتظمین جو غیر پیشہ ور ماہرینِ نسلیات بھی تھے انھوں نے اسی طرح کے سروے اور مطالعات کو انجام دینے میں کافی دلچسپی دکھائی۔

پیریار (ای وی راما سوامی نائکر)
(1879-1973)

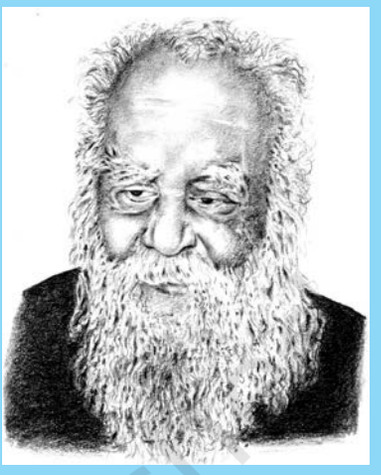

پیریار (ای وی راما سوامی نائکر) کو عقلیت پسند اور جنوبی ہندوستان میں نچلی ذات کی تحریک کے قائد کے طور پر جانا جاتا ہے۔ انھوں نے لوگوں کو یہ محسوس کرنے کے لیے کہ ''سبھی انسان برابر ہیں اور یہ کہ آزادی اور مساوات سے استفادہ کرنے کا پیدائشی حق ہر فرد کو ہے'' بیدار کیا۔

ذات سے متعلق معلومات اکٹھا کرنے کی سب زیادہ اہم کوشش مردم شماری کے ذریعے کی گئی تھی۔ 1860 کے دہے میں شروع ہوئی مردم شماری اب باضابطہ ہر دس سال پر ہونے لگی جس کا باقاعدہ طور پر اہتما 1881 اور اس کے بعد برطانوی حکومت ہند کے ذریعے کیا جانے لگا۔ 1901 کی مردم شماری جو ہربرٹ رسلے کی زیر ہدایت شروع ہوئی تھی خاص طور پر اہم تھی کیوں کہ اس میں ذات کی سماجی درجہ بندی (یعنی کسی مخصوص خطے میں رائج سماجی نظم) پر معلومات اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی تھی تاکہ اس طرح نظام مراتب میں ہر ذات کی حیثیت معلوم ہو سکے۔ اس کوشش کا ذات کے سماجی ادراک پر زبردست اثر پڑا اور سماجی پیمانے میں اونچی حیثیت کا دعویٰ کرنے والی مختلف ذاتوں کے نمائندگان کے ذریعے مردم شماری کمشنر کے پاس سیکڑوں عرض داشت پیش کی گئی تھیں اور اپنے دعوں کے لیے تاریخی اور مقدس کتابوں کی شہادت پیش کی گئی تھی۔ مجموعی طور پر دانشوران محسوس کرتے ہیں کہ ذات کا شمار کرنے اور سرکاری طور پر ذات کی حیثیت کو درج کرنے کی طرح کی براہ راست کوشش نے خود اس ادارے کو تبدیل کر دیا۔ اس طرح کی مداخلت سے پہلے ذات کی شناختیں کہیں زیادہ تغیر پزیر اور کم سخت تھیں۔ جب ان کا شمار اور اندراج کیا جانے لگا تو ذات نے ایک نئی شکل اختیار کرنی شروع کی۔

نوآبادیاتی ریاست کی دیگر مداخلتوں کا بھی ادارے پر کافی اثر پڑا۔ مال گزاری بندوبست اور متعلقہ بندوبستوں اور قوانین نے اونچی جاتیوں کے رواجی (ذات پر مبنی) حقوق کو قانونی طور پر تسلیم کرنے کا کام کیا۔ یہ جاتیاں زمین کی پیداوار پر دعوے یا مال گزاری کے دعوے یا مختلف قسم کے خراج کے ساتھ جاگیردار طبقے کی بجائے جدید مفہوم میں اب زمین دار بن چکی تھیں۔ بڑے پیمانے پر آب پاشی اسکیمیں جیسا کہ پنجاب میں تھیں، وہاں آبادی کو بسانے کی کوششوں کے ساتھ شروع کی گئی تھیں اور یہاں بھی ذات کا پہلو نمایاں تھا۔ پیمانے کے دوسرے سرے پر نوآبادیاتی ریاست کے خاتمے پر انتظامیہ نے بھی ستم رسیدہ جاتیوں کی فلاح و بہبود میں دلچسپی دکھائی، اس وقت انھیں پس ماندہ طبقہ کہا جاتا تھا۔ یہ ان کوششوں کا حصہ تھا جو 1935 کے حکومتِ ہند

ایکٹ میں پاس کیا گیا تھا اور جس سے ان فہرستوں یا ذاتوں اور قبائل کی مندرج فہرست کو قانونی منظوری ملی تھی اور ریاست کے ذریعے جن کا تعین خصوصی برتاؤ کے لیے کیا گیا تھا۔ اس طرح درج فہرست قبائل (Scheduled Tribes) اور درج فہرست ذات (Scheduled Castes) کی اصطلاح قائم ہوئی۔ درجہ بندی کی بالکل نچلی سطح کی جاتیاں جو شدید ترین امتیاز یا تفریق کا شکار تھیں بشمول ان تمام نام نہاد اچھوت جاتیوں کو درج فہرست ذات میں شامل کیا گیا تھا (آپ چھوا چھوت اور اس کے خلاف جدوجہد کے بارے میں سماجی اخراج کے موضوع پر باب 5 میں مزید پڑھیں گے)

اس طرح استعماریت کے تحت ذات کے ادارے میں کافی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ شاید یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ذات کے ادارے میں نو آبادیاتی دور میں بنیادی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا اس دور میں سرمایہ داری اور جدیدیت کے پھیلاؤ کے سبب تیز ترین تبدیلیوں کے عمل سے گزر رہی تھی۔

موجودہ دور میں ذات

1947 میں ہندوستان کی آزادی، ایک نو آبادیاتی ماضی کے ساتھ ایک بڑے، لیکن انجام کار صرف ایک جزوی وقفہ کی نشان دہی کرتی ہے۔ قومی تحریک کی عوامی حرکت پذیری میں جاتی ملحوظات نے لازمی طور پر کردار ادا کیا تھا۔ پس ماندہ طبقات، اور خاص طور پر اچھوت جاتیوں کو منظّم کرنے کے کوششیں پہلے سے موجود تھیں۔ یہ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں شروع ہو چکی تھیں۔ یہ وہ پہل تھی جو جاتی کے قوس قزح کے دونوں سروں سے لی گئی تھی۔ اونچی ذات کے ترقی پسند مصلحین کے ذریعے اور ساتھ ہی ساتھ نچلی ذات کے ارکان جیسے مغربی ہندوستان میں مہاتما جیوتی با پھولے اور باباصاحب امبیڈکر، جنوب میں این کالی، شری نارائن گرو، ایوتی داس اور پیریار (ای۔وی۔راما سوامی نائکر) کے ذریعہ۔ مہاتما گاندھی اور باباصاحب امبیڈکر نے 1920 اور اس کے بعد چھوا چھوت کے خلاف مظاہرے شروع کئے، چھوا چھوت کے خلاف پروگرام اس طرح کانگریس کے ایجنڈے کا ایک اہم حصہ بن گیا۔ اس وقت آزادی کا ایجنڈا سب سے اہم تھا۔ جاتی تفریق کو ختم کرنے کے سلسلے میں قومی تحریک کے لوگوں میں عام اتفاق رائے تھی۔ قومی تحریک میں غالب نظریہ یہ تھا کہ ذات ایک سماجی اور ہندوستانیوں کو تقسیم کرنے کی نو آبادیاتی چال تھی۔ لیکن قوم پرست رہنما جس میں سرفہرست مہاتما گاندھی تھے سب سے نچلی ذات کے لوگوں کو اوپر اٹھانے یا بلندی عطا کرنے، چھوا چھوت کے خاتمے کی تائید کرنے اور دیگر جاتی کی بندشوں کو ختم کرنے کے لیے بیک وقت کام کرنے اور ساتھ ہی ساتھ زمین کے مالک اونچی ذات کے لوگوں کو بھی ان کے مفادات کی دیکھ بھال کی یقین دہانی کرانے میں بھی کامیاب تھے۔

مابعد آزادی، ہندوستانی مملکت کو یہ تضادات وراثت میں ملے اور ظاہر ہوئے۔ ایک طرف مملکت ذات پات کے خاتمے کے لیے وقف تھی اور اس کو واضح طور پر آئین میں تحریر بھی کیا گیا تھا۔ جب کہ دوسری طرف مملکت جاتی سے متعلق عدم مساوات

شری نارائن گرو
(1856-1928)

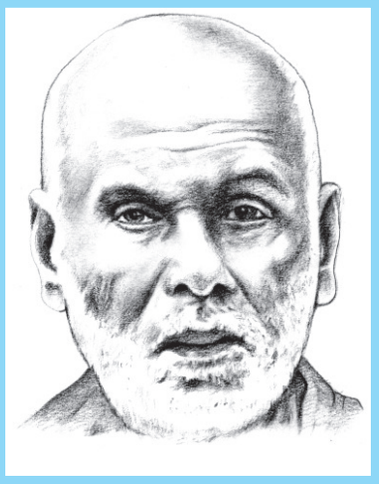

شری نرائن گرو کیرل میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے سب کے لیے بھائی چارے کا پیغام دیا اور ذات کے نظام کی برائیوں کے خلاف جنگ کی۔ انھوں نے خاموش لیکن اہم سماجی انقلاب کی رہنمائی کی اور ایک ذات، ایک مذہب سبھی انسانوں کے ایک خدا ہونے کا نعرہ دیا۔

© NCERT not to be republished

کے سلسلے میں بنیادی اصلاحات پر زور دینے کی نااہل اور متامل بھی تھی کیوں کہ اس سے معاشی بنیاد کمزور ہوسکتی تھی۔تاہم دیگر سطح پر مملکت یہ باور کرتی تھی کہ اگر وہ جاتی کا لحاظ کیے بغیر عمل کرتی ہے تو اس سے ذات پر مبنی مراعات یا مفاد کو خود بخود نقصان پہنچے گا اور ادارے کا انجام کار خاتمہ ہوجائے گا۔مثال کے لیے سرکاری ملازمتوں میں تقرری کے لیے ذات کا لحاظ نہ رکھنے کا مطلب ہے بہتر طور پر تعلیم یافتہ اونچی ذات کے لوگوں اور کم پڑھے لکھے یا زیادہ تر ناخواندہ نچلی ذات کے لوگوں کے درمیان برابری کی شرائط پر انھیں مسابقت کے لیے چھوڑ دینا۔اس سے مستثنیٰ ہونے کی صورت صرف یہ تھی کہ درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کے لیے ریزرویشن کی سہولت فراہم کی جائے۔دوسرے لفظوں میں آزادی کے فوراً بعد کے ذہنوں میں معاشی اور تعلیمی معاملوں میں اونچی ذات اور نچلی ذات کے لوگوں میں موجود کافی فرق ہونے جیسی حقیقت کا سامنا کرنے کی کوئی اطمینان بخش کوشش نہیں کی گئی۔

مملکت کی ترقیاتی سرگرمی اور نجی صنعت کے نمونے معاشی تبدیلی کو تیز اور شدید کیا، جس سے بالواسطہ طور پر ذات کے نظام پر بھی اثر پڑا۔جدید صنعت میں ہر طرح کی ملازمت کے نئے مواقع پیدا ہوئے جس کے لیے ذات سے متعلق کوئی اصول وضوابط نہیں تھے۔شہر کاری اور شہروں میں زندگی گزارنے کے اجتماعی حالات نے سماجی بین عمل کے ذات پر مبنی علاحدگی یا الگ تھلگ رہنے کے انداز کو قائم رکھنا مشکل بنا دیا۔ایک الگ سطح پر جدید تعلیم یافتہ ہندوستانی انفرادیت پسندی اور اور استحقاقی نظام کے روادار نظریات کی طرف راغب ہوئے جس سے زیادہ انتہا پسند جاتی رواج اور عمل کو ترک کرنے کی شروعات ہوئی جب کہ دوسری طرف دیکھنے والی بات یہ تھی کہ ایسی صورت میں ذات کس طرح خود کو برقرار رکھ پائیگی۔صنعتی کاموں میں خواہ وہ ممبئی (اس وقت بمبئی) کا ٹکسٹائل مِل یا کہ کولکاتہ (اس وقت کلکتہ) کے جوٹ مِل ہو یا کہیں اور کی بات ہو ذات اور قرابت داری پر مبنی خطوط کے ساتھ اس کو منظّم رکھنا جاری رہا۔بچو لیے فیکٹریوں کے لیے مزدور بھرتی کرتے تھے۔ان کا رجحان اپنی ذات اور خطے کے لوگوں کو بھرتی کرنے کی طرف رہتا تھا تا کہ مخصوص شعبہ جات یا کارخانے کے عملے پر زیادہ تر مخصوص جاتی کے لوگوں کا غلبہ ہو۔اچھوتوں کے خلاف تعصب کا قومی غلبہ تھا اور یہ بات شہروں میں بھی موجود تھی تاہم دیہات کے مقابل پھر بھی کافی کم تھی۔

اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں تھی کہ یہ ثقافتی اور گھریلو دائرہ تھا جس میں ذات پات بہت مضبوط ثابت ہوئی۔داخلی زوجیت یا ذات کے اندر شادی کرنے کے رواج پر جدید کاری اور تبدیلی کا کافی حد تک کوئی اثر نہیں پڑا۔آج بھی زیادہ تر شادیاں ذات کی حدوں میں ہوتی ہیں اگر چہ بین ذات شادیاں بھی پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہیں۔جب کہ کچھ حدیں زیادہ لچک دار یا غیر محکم بن سکی ہیں لیکن ایک سی سماجی ومعاشی حیثیت کی ذاتوں کے گروپوں کے درمیان حدوں کو اب بھی زبردست تحفظ حاصل ہے۔مثال کے لیے اونچی جاتیوں (جیسے برہمن، بنیا، راجپوت) میں بین ذات شادیاں اب پہلے کے مقابلے زیادہ ممکن ہیں لیکن اونچی ذات اور پس ماندہ یا درج فہرست ذات کے درمیان شادیاں آج بھی شاذ ونادر ہیں۔اسی طرح کھانے پینے میں شرکت کے ضوابط بھی تقریباً ایسے ہی ہیں۔

شاید تبدیلی کا سب سے زیادہ حتمی اور اہم میدان سیاست رہا ہے۔آزاد ہندوستان میں بالکل ابتدائی شروعات سے ہی جمہوری سیاست پر ذات زیادہ گہرائی سے اثر انداز ہوئی ہے۔جہاں اس کا عمل زیادہ سے زیادہ پیچیدہ بن چکا ہے اور قیاس لگانا

© NCERT not to be republished

مشکل ہے وہیں اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انتخابی سیاست میں ذات اب بھی مرکزیت کی حامل ہے۔1980 کے دہے سے ہم نے بالکل واضح طور پر ذات پر مبنی سیاسی پارٹیوں کو ابھرتے دیکھا ہے۔شروعاتی عام انتخابات میں جیسا کہ لگتا ہے کہ انتخابات جیتنے میں ذات کا اتحادعمل فیصلہ کن رہا ہے۔لیکن صورت حال جلد ہی پیچیدہ بن گئی کیوں کہ ذات کا حساب کتاب لگانے سے پارٹیاں اسی طرح کا استفادہ کرنے میں ایک دوسرے سے مسابقت کرنے لگیں۔

ماہرینِ سماجیات اور سماجی ماہر انسانیات نے تبدیلی کی ان عمل کاریوں کو پرکھنے اور سمجھنے کے لیے بہت سے نئے تصورات وضع کیے۔ شاید ان میں سب زیادہ عام تصور سنسکر تیانے (Sanskritisation) اور غالب ذات کے ہیں جو دونوں ایم۔این۔سری نواس کے ذریعے پیش کیے گئے لیکن اس پر خوب بحث ہوئی اور دیگر دانش وروں نے اس کی تنقید کی۔

سنسکر تیانا اس عمل کو ظاہر کرتا ہے جس کی بنا پر کسی ذات (عام طور پر درمیانی یا نچلی) کے ممبران اونچی حیثیت کی ذات (یا ذاتوں) کے رسوماتی، گھریلو اور سماجی رواجوں کو اپناتے ہوئے اپنی خود کی سماجی حیثیت کو اوپر اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔اگرچہ یہ مظہر پرانا ہے اور آزادی سے تھوڑا پہلے بلکہ غالباً نو آبادیاتی دور میں بھی رائج تھا تاہم اس میں حالیہ زمانے میں شدت پیدا ہوئی۔ زیادہ تر برہمن یا کشتریہ ذاتوں کے انداز وطریقے اپنائے جاتے تھے۔ان طریقوں اور رواجوں میں سبزی خوری کے اصول، مقدس دھاگا اختیار کرنا، مخصوص پرارتھناؤں اور مذہبی تقریبات وغیرہ کو اپنانا شامل ہے۔سنسکر تیانا عام طور پر ان ذاتوں کی، جو اس کے لیے کوشش کرتی ہیں، معاشی حیثیت میں اضافے کے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ یہ اس کے بغیر بھی واقع ہوسکتا ہے۔ بعد کی تحقیق میں اس تصور میں بہت سی اصلاحات وترمیم اور نظرثانی کیے جانے کے بعد تجاویز پیش کی گئیں۔ان میں یہ دلیل بھی شامل تھی کہ سنسکر تیانا ہوسکتا ہے نچلی ذاتوں کی اونچی ذاتوں کی خوشامدانہ نقالی کے بجائے سابقہ ممنوعہ رسوم اور سماجی مراعات (جیسے مقدس دھاگا پہننا، جس کے پہننے پر شدید ترین سزا مول لینا پڑسکتا تھا) کا جرأت آمیز دعویٰ ہو۔

'غالب ذات' ایک اصطلاح ہے جس کا استعمال ان ذاتوں کے حوالے کے لیے کیا جاتا ہے جن کی زیادہ آبادی تھی اور آزادی کے بعد جزوی زمینی اصلاحات سے کے نافذ ہونے پر انھیں زمینی حقوق کی منظوری دی گئی تھی۔ زمینی اصلاحات نے سابقہ دعوے داروں یعنی اونچی جاتیوں، جو اس معنی میں ''غیر حاضر زمین مالکان'' تھیں کہ اپنے لگان کا دعویٰ تو کرتیں لیکن زراعتی معیشت میں ان کا کوئی کردار نہیں تھا، کے حقوق منتقل کردیے گئے۔ وہ اکثر گاؤں میں نہیں رہتے تھے بلکہ قصبوں اور شہروں میں قیام کرتے تھے۔ یہ زمینی حقوق اب دعوے داروں کی اس اگلی سطح کو ملے جو زراعت کے انتظام وانصرام میں شامل تو تھے لیکن بذات خود کاشت کار نہیں تھے۔ یہ درمیانی جاتیاں اس سلسلے میں نچلی جاتیوں کی محنت پر منحصر تھیں جن میں بطور خاص 'اچھوت' جاتیاں بھی شامل تھیں جو کھیت کی جتائی بوائی اور دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔تاہم جب ایک بار انھوں نے زمین کے حقوق حاصل کر

ایم۔این۔سری نواس
(1916-1999)



میسور نرسمہا چار سری نواس ہندوستان کے ایک ممتاز ترین ماہر سماجیات اور سماجی ماہر انسانیات تھے۔ انھیں ذات کے نظام اور 'سنسکر تیانا' اور 'غالب ذات' پر ان کی تخلیق کے لیے جانا جاتا ہے۔ان کی کتاب سماجی (The Remembered Village) انسانیات میں گاؤں کے مطالعہ کے لیے ایک معروف کتاب ہے۔

© NCERT not to be republished

لیے تب نمایاں طور پر ان کی معاشی قوت بھی بڑھ گئی۔ ہمہ گیر بالغ حق رائے دہی پر مبنی انتخابی جمہوریت کے دور میں انھیں سیاسی قوت بھی ملی کیوں کہ ان کی تعداد بھی کافی زیادہ تھی۔ یہ درمیانی جاتیاں دیہاتوں میں 'غالب' جاتیاں بن گئیں اور علاقائی سیاست اور زرعی معیشت میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے لگیں۔ ایسی غالب ذاتوں کی مثالوں میں بہار اور اتر پردیش کے یادو، کرناٹک کے وکالگ (Vokkaligas)، آندھرا پردیش کے ریڈی اور خماس (Khammas)، مہاراشٹر کے مراٹھا، پنجاب، ہریانہ اور مغربی اتر پردیش کے جاٹ اور گجرات کے پاٹی دار شامل ہیں۔

عصری دور میں ذات کے نظام میں ایک نہایت اہم لیکن خلاف قیاس تبدیلی بھی واقع ہوئی جس میں اونچی ذات، شہری مڈل اور شہری اونچے طبقات کے لیے ذات غیر مرئی یعنی دکھائی نہ دینے کی طرف مائل چیز بن گئی۔ یہ وہ گروپ تھے جنھوں نے مابعد نوآبادیاتی دور کی ترقیاتی پالیسیوں کا خوب فائدہ اٹھایا۔ ان کے لیے ذات مخصوص معنویت میں زوال پذیر ہوتی دکھائی دی کیوں کہ اس کا عمل اچھی طرح پورا ہو چکا تھا۔ تیز ترقی کے ذریعے ملنے والے مواقع کا پورا فائدہ اٹھانے میں ان گروپوں کے پاس ضروری معاشی اور تعلیمی وسائل موجود تھے جسے یقینی بنانے میں ان کی جاتی کی حیثیت فیصلہ کن تھی۔ بالخصوص اونچی ذات کا طبقۂ اشراف اعانتی سرکاری تعلیم خاص طور پر سائنس، ٹکنالوجی، میڈیسن اور مینجمنٹ میں پروفیشنل تعلیم سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ آزادی کے بعد کے ابتدائی دہوں میں یہ ریاستی سیکٹر کے ذریعہ فراہم کردہ نوکریاں حاصل کرنے میں بھی کامیاب رہا۔ اس ابتدائی دور میں باقی سماج پر ان کی سبقت (تعلیم کے معاملے میں) نے یہ یقینی بنا دیا تھا کہ انھیں کسی سنجیدہ مسابقت کا سامنا نہیں کرنا ہے۔ چوں کہ ان کی مراعات یافتہ حیثیت دوسری اور تیسری نسلوں میں مستحکم ہو چکی تھی لہٰذا، یہ گروپ ماننے لگے کہ ان کی ترقی پر ذات کا کچھ اثر نہیں پڑتا ہے۔ ان گروپوں کی تیسری نسل کے لیے یقیناً ان کی معاشی اور تعلیمی پونجی اکیلے ہی یہ یقینی بنانے کے لیے کافی تھی کہ انھیں زندگی کے بہترین مواقع حاصل ہوتے رہیں گے۔ اس گروپ کے لیے اب لگتا ہے ان کی عوامی زندگی میں ذات کوئی کردار نہیں ادا کرتی کیوں کہ ذات اب مذہبی رواج یا شادی اور قرابت داری کے نجی دائرے تک محدود ہو گئی ہے۔ تاہم ایک مزید پیچیدگی اس حقیقت سے شروع ہوتی ہے کہ یہ ایک امتیازی گروپ ہے لیکن اگرچہ گروپ کے طور پر مراعات یافتہ غالب اونچی ذات ہے۔ سبھی اونچی ذات کے لوگ مراعات یافتہ نہیں ہیں، بعض غریب بھی ہیں۔

نام نہاد درج فہرست ذات اور قبائل اور پس ماندہ ذاتوں کے لیے اس کے برعکس واقع ہوا۔ ان کے لیے ذات بالکل مرئی یعنی نظر میں آنے والی چیز بن گئی۔ درحقیقت ذات ان کی شناختوں کے دیگر پہلوؤں کو گرہن لگانے کی طرف مائل تھی کیوں کہ انھیں وراثت میں تعلیمی اور سماجی پونجی نہیں ملی تھی اور انھیں پہلے ہی سے مضبوط اونچی ذات کے گروپ کے ساتھ جن کے پاس کچھ اجتماعی اثاثے تھے، مسابقت کرنی تھی اور وہ اس کے لیے اپنی جاتی کی شناخت کو ترک کر دینے کے مقدور نہیں تھے۔ مزید برآں وہ کئی طرح کی تفریق کا بھی شکار رہے۔ ریزرویشن کی پالیسیاں اور تحفظاتی امتیاز کی دیگر شکلیں سیاسی دباؤ کے نتیجے میں ریاست کے ذریعے وضع کی گئیں کیوں کہ ان کی بقا کا واحد ذریعہ یہی تھیں۔ لیکن بقا کے اس واحد ذریعے کا استعمال ان کی ذات کو کلی اہمیت دینے اور اکثر ان کی شناخت کو جسے دنیا تسلیم کرتی ہے، نمایاں کرنے کی طرف مائل تھا۔ ان دونوں گروپوں بظاہر بے ذات (Casteless) اونچی ذات کا گروپ اور ظاہری طور پر ذات سے معرف نچلی ذات کے گروپ کے دوش بدوش موجودہ طور پر ذات کے ادارے کا ایک مرکزی پہلو بھی ہے۔

© NCERT not to be republished

3.2 قبائلی گروہ

وہ گروہ جو بہت پرانے ہیں ان کے لیے قبیلہ ایک جدید اصطلاح ہے۔ یہ گروہ برصغیر کے قدیم ترین باشندوں میں شامل ہیں۔ ہندوستان میں قبائل کی تعریف میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان میں کیا خصوصیات نہیں ہیں۔ قبائل وہ کمیونٹیاں تھیں جو کسی تحریری متن کے ساتھ مذہب پر عمل نہیں کرتے تھے، نہ ہی عام قسم کی ریاست یا سیاسی شکل تھی، نہ ہی ان میں کوئی واضح طبقاتی تقسیم تھی اور زیادہ اہم بات یہ کہ ان کی کوئی ذات نہیں تھی اور وہ نہ ہی ہندو تھے نہ ہی کسان۔ یہ اصطلاح نوآبادیاتی دور میں شروع ہوئی۔ گروہ کے نہایت مختلف النوع مجموعے کے لیے اس اکیلی اصطلاح کا استعمال انتظامی سہولت کے لحاظ سے زیادہ کیا گیا تھا۔

قبائلی سوسائٹیوں کی درجہ بندی

مثبت خصوصیات کے معاملے میں قبائل کی درجہ بندی ان کے مستقل اور 'اکتسابی' اوصاف کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ مستقل اوصاف میں خطہ، زبان، مادی خصوصیات اور ماحولیاتی سکونت شامل ہے۔

مستقل اوصاف

ہندوستان کی قبائلی آبادی بہت زیادہ بکھری ہوئی ہے لیکن بعض خطوں میں ان کا ارتکاز ہے۔ تقریباً 85 فی صد قبائلی آبادی وسطی ہندوستان میں رہتی ہے۔ یہ ایک وسیع پٹی ہے جو مغرب میں گجرات اور راجستھان سے، مشرق میں مغربی بنگال اور اڑیسہ مدھیہ پردیش، جھارکھنڈ چھتیس گڑھ اور مہاراشٹر اور آندھرا پردیش تک پھیلی ہوئی ہے جو اس خطے کے قلب کی تشکیل کرتی ہے۔ باقی 15 فیصد میں 11 فی صد سے زیادہ شمال مشرقی ریاستوں میں بسے ہیں اور باقی صرف 3 فی صد قبائلی گروہ ہندوستان کے باقی حصوں میں رہتے ہیں۔ اگر ہم ریاستی آبادی میں قبائلیوں کے حصے پر نظر ڈالیں تو شمال مشرقی ریاستوں میں بہت زیادہ ارتکاز ہے۔ آسام کو چھوڑ کر باقی ریاستوں میں 30 فی صد سے زیادہ ارتکاز ہے۔ اروناچل پردیش، میگھالیہ، میزورم اور ناگالینڈ جیسی بعض ریاستوں میں 60 فی صد سے زیادہ ہے اور 95 فی صد تک کی آبادی ہے۔ باقی ملک میں بہرحال قبائلی آبادی بہت کم ہے۔ اڑیسہ اور مدھیہ پردیش کے علاوہ باقی سبھی ریاستوں میں 12 فی صد ہے۔ ماحولیاتی سکونت یا قدرتی ٹھکانوں میں پہاڑیاں، جنگلات، دیہی میدان اور شہری صنعتی علاقے ہیں۔

زبان کے اعتبار سے قبائل کی درجہ بندی چار زمروں میں کی جاتی ہے۔ ان میں سے دو ہند آریائی اور دراوڑ ہندوستان کی باقی آبادی کے ساتھ شامل ہیں۔ ہند آریائی میں تقریباً 1 فی صد اور دراوڑ آبادی میں قبائلی تقریباً 3 فی صد ہیں۔ قبائلیوں کے دیگر دولسانی گروپ آسٹرک اور تبتو برمن (Tibeto-Burman) زبانیں بولتے ہیں۔ جو پہلے گروپ کی پوری اور دوسرے گروپ کی 80 فی صد آبادی بولتی ہے۔ جسمانی ساخت و نسلی اعتبار سے قبائل کی درجہ بندی نیگریٹو آسٹرالائڈ، منگول، دراوڑ اور آریہ زمروں کے تحت کی جاتی ہے۔ آخری دو ہندوستان کی باقی آبادیوں کے ساتھ شامل ہیں۔

© NCERT not to be republished

وسعت کے لحاظ سے قبائل کی آبادی میں کافی تنوع پایا جاتا ہے۔تقریباً ستر لاکھ کی آبادی سے لے کر کچھ جزائر انڈمان میں بہت کم آبادی یعنی سو سے کم افراد پر مشتمل ہوسکتی ہے ۔سب سے بڑے قبائل گونڈ، بھیل، سنتھال، اوراوں، مینا، بوڈو اور منڈا ہیں۔ یہ سبھی کم سے کم 10 لاکھ کی آبادی پر مشتمل ہیں۔2011 کی مردم شماری کے مطابق قبائل کی کل آبادی ہندوستان کی کل آبادی کا تقریباً 8.2 فی صد یعنی تقریباً 10 کروڑ 43 لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔

اکتسابی اوصاف

اکتسابی اوصاف پر مبنی درجہ بندی میں دو اہم کسوٹیاں استعمال کی جاتی ہیں۔ایک ذریعۂ معاش اور دوسری ہندو سماج میں شمولیت کی حد یا دونوں کا اتحاد۔

ذریعۂ معاش کی بنیاد پر ان کو ماہی گیر، غذا اکٹھا کرنے والے اور شکاری، انتقالی کاشت کرنے والے، کاشت کار اور باغ بانی اور صنعتی ورکرس کے طور پر درجہ بند کیا جاسکتا ہے ۔تاہم تعلیمی سماجیات اور سیاست اور امور عامہ میں غالب درجہ بندی ہندو سماج میں انجذاب کا درجہ ہے۔یہ انجذاب پہلے قبائل کے نظریے یا (جیسا کہ اکثر صورتوں میں معاملہ رہا ہے) غالب ہندو عام دھارا کے نظریے سے دیکھا جاتا ہے۔قبائل کے نقطۂ نگاہ سے انجذاب کی حد کے علاوہ قبائل جو ہندو مذہب کے تئیں مثبت طور پر مائل ہیں اور جو اس کی مزاحمت یا مخالفت کرتے ہیں کے درمیان تفریق کے ساتھ ہندو سماج کے تئیں رویہ ایک بڑی کسوٹی (جانچ پرکھ کا معیار) ہے۔عام دھارا کے نظریے سے قبائل کو ہندو سماج کے ذریعے ان کو بخشی گئی حیثیت کے اعتبار سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس میں کچھ کو دی گئی اونچی حیثیت سے لے کر عام طور پر زیادہ کو عطا کی گئی کم تر حیثیت تک شامل ہے۔

قبیلہ — ایک تصور کا بیان

1960 کے دہے میں دانشوروں میں بحث کا موضوع یہ رہا ہے کہ آیا قبائل کو ذات پر مبنی (ہندو) کاشت کار سماج کے سلسلے کے ایک سرے کے طور پر دیکھا جانا چاہئے یا وہ مجموعی طور پر مختلف قسم کی کمیونٹی تھے، یہ مان کر چلنا چاہئے۔ جو ایک سلسلے کے بارے میں دلیل دیتے تھے، انھوں نے بنیادی طور پر قبائل کو ذات وکاشت کار سماج سے الگ ہونے کے طور پر نہیں بلکہ وسائل کے انفرادی تصور کی نسبت محض طبقہ بند (درجہ بندی کی قلیل ترین سطح) اور ساتھ ہی کمیونٹی پر مبنی ہونے کی حیثیت سے زیادہ دیکھا۔تاہم مخالفین کی دلیل تھی کہ قبائل پوری طرح جاتیوں سے الگ تھے کیوں کہ ان کے پاس تقدیس وطہارت اور آلودگی کا کوئی تصور نہیں تھا جو کہ ذات کے نظام کا بنیادی جز ہے۔

مختصراً قبیلے اور ذات کے درمیان مفروضہ ثقافتی بنیاد پر فرق پایا گیا تھا کہ ہندو جاتیوں کے عقائد پاکیزگی اور آلودگی یا ناپاکی اور درجہ بند یک جہتی میں ہیں اور روح پرست، قبائل زیادہ مساواتی اور قرابت داری پر مبنی سماجی تنظیم کے طریقوں میں زیادہ یقین رکھتے ہیں۔

© NCERT not to be republished


ایک قبائلی گاؤں کا قبیلہ

1970 کے دہے تک قبیلے کی ساری تعریف ناقص دکھائی دیں۔ یہ بتایا گیا کہ قبیلہ وکاشت کار طبقے کے درمیان فرق عام طور پر ترقی یافتہ کسوٹی یا معیار (جیسے حجم، علاحد گی، مذہب اور ذریعہ معاش کی اصطلاح) پر پورانہیں اترتا۔ کچھ ہندوستانی قبائل جیسے سنتھال، گونڈ اور بھیل بہت بڑے ہیں اور وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بعض قبائل جیسے منڈا، ہوس اور دیگر کافی عرصے سے زراعت کا پیشہ اپناتے رہے ہیں اور یہاں تک کہ شکار کرنے اور غذا جمع کرنے والے قبائل جیسے بہار کے برہور ٹوکریاں بنانے، تیل کی پرائی وغیرہ جیسے مخصوص گھریلو کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ بھی نشان دہی کی گئی کہ بہت سے معاملوں یعنی متبادل کی غیر موجودگی میں 'جاتیاں' (غیر قبائلی) اب شکار اور غذا جمع کرنے کے کام میں لگی ہوئی ہیں۔

ذات اور قبیلے میں فرق پر بحث اس میکانیت پر مبنی ادبی تصنیفات کے ساتھ ساتھ ہوتی رہی جس کے ذریعے مختلف ادوار میں، سنسکرتیانے کے ذریعہ، ذات پات کو ماننے والے ہندوؤں کی ان پر فتح حاصل کرنے پر شودر فرقے میں ان کی قبولیت کے ذریعہ، ہندوؤں کی ثقافت اختیار کرنے پر قبائل کا ہندو سماج میں انجذاب ہوا تھا۔ ہندوستانی تاریخ کا پورا عرصہ اکثر مختلف قبائلی گروپوں کے ذات پر مبنی ہندو سماج میں انجذاب کے طور پر دیکھا گیا۔ یہ انجذاب درجہ بندی کی مختلف سطحوں پر ہوا جیسے کہ ان کی زمینوں پر نو آبادی قائم کرلی گئی اور جنگلات کو کاٹ دیا گیا۔ اسے یا تو فطری اس عمل کے طور پر دیکھا گیا جس کے ذریعے سبھی گروپوں کو فرقوں کے طور پر ہندو مذہب میں جذب کر لیا گیا تھا۔ یا اسے استحصال کے طور دیکھا گیا۔ ماہرینِ انسانیات کا ابتدائی مکتب عام دھارا (main stream) قبائلی انجذاب کے ثقافتی پہلوؤں پر زور دینے کی طرف مائل ہے جب کہ بعد کے مصنفین نے شمولیت کی استحصالی اور سیاسی فطرت پر توجہ مبذول کی۔

بعض دانش ور یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ قبائل کو اصل حالت میں یعنی تہذیب وتمدن سے اچھوتے اصل یا خالص کے طور پر سمجھنے کی کوئی مربوط بنیاد نہیں ہے۔ اس کے بجائے ان کی رائے ہے کہ قبائل کو پہلے سے موجود ریاستوں اور قبائل جیسے غیر ریاستی گروپوں کے درمیان استحصالی اور استعمار پسند رابطے کے نتیجے میں ثانوی مظہر کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ یہ رابطہ خود ''قبائلی معاشرہ'' کے نظریے کی تخلیق کرتا ہے۔ یعنی قبائلی گروپوں نے نئے نئے دیگر حریفوں سے خود کو الگ کرنے کے لیے قبائلیوں کے طور پر خود کی تعریف شروع کی۔

تاہم یہ نظریہ کہ قبائل پتھر کے دور کے شکار کرنے اور غذا جمع کرنے کی سوسائٹیوں کی طرح ہیں اور یہ کہ ان پر وقت یا زمانے کا کوئی اثر نہیں پڑا ہے، اب بھی عام ہے حالاں کہ ایک طویل عرصے سے یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اولاً آدی واسی ہمیشہ

© NCERT not to be republished

سے محکوم و مظلوم گروپ نہیں تھے جیسا کہ اب ہیں۔ مرکزی ہندوستان میں متعدد گونڈ مملکتیں رہی ہیں جیسے گڑھ منڈل یا چاندا۔ مرکزی اور مغربی ہندوستان کی نام نہاد بہت سی راجپوت مملکت دراصل خود آدی واسی کمیونٹیوں کے درمیان طبقہ بندی کے عمل کے ذریعے ابھری تھیں۔ آدی واسی اکثر میدانی علاقے کے لوگوں پر اپنی چھاپہ ماری کی صلاحیت اور مقامی ملیشیا (بے قاعدہ فوج) کے طور پر اپنی خدمات کے ذریعے ان پر غلبہ حاصل کرتے تھے۔ وہ ایک خصوصی تجارتی مقام، تجارتی جنگلاتی اشیا، نمک اور ہاتھی کی تجارت پر قابض تھے۔ مزید برآں جنگلاتی وسائل معدنیات کے استحصال کے لیے سرمایہ دارانہ معیشت کی تحریک اور سستے مزدوروں کی بھرتی کے ذریعے قبایلی سوسائٹیاں بہت پہلے سے اصل دھارے کے سماج کے رابطے میں آئیں۔

قبائل کے تئیں اصل دھارے کے سماج کا رویہ

اگر چہ نو آبادیاتی دور کی ابتدائی انسانیاتی تخلیق میں قبائل کو الگ تھلگ رہنے والی اتصالی کمیونٹیوں کے طور پر بیان کیا گیا تھا لیکن استعماریت کے ذریعے ان کی دنیا میں پہلے ہی نا قابل تنسیخ تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ سیاسی اور معاشی محاذ پر قبائلی سوسائٹیوں کو مہاجنوں کی یلغار کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ غیر قبائلی نو آبادکاروں کے ہاتھوں اپنی زمین سے محروم ہوتے جا رہے تھے، جنگلات کے تئیں اپنی رسائی سے محروم ہو رہے تھے، ایسا جنگلات کے تحفظ کی سرکاری پالیسی اور کان کنی کے عمل کی شروعات کے سبب ہو رہا تھا۔ دیگر علاقوں کے برعکس جہاں مالگزاری زائد استحصال کا ابتدائی ذریعہ تھی وہیں ان جنگلاتی اور پہاڑی علاقوں میں قدرتی وسائل، جنگلات اور معدنیات کا زیادہ تصرف تھا۔ یہ نو آبادیاتی حکومت کے لیے آمدنی کا اہم ذریعہ تھا۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں قبائلی علاقوں میں مختلف بغاوتوں کے بعد نو آبادیاتی حکومت نے ''خارج کردہ'' اور ''جزوی خارج کردہ'' رقبے قائم کیے تھے جہاں غیر قبائلیوں کے داخلے کی ممانعت تھی یا پھر ان کو منضبط بنایا گیا تھا۔ ان علاقوں میں برطانوی حکومت مقامی راجاؤں یا سرداروں کے ذریعے بالواسطہ حکمرانی کے حق میں تھی۔

1940 کے دہے میں علاحدگی بنام یک جہتی کے موضوع پر ہونے والے مشہور مباحثے میں علاحدہ اکائی کی شکل میں قبائلی سوسائٹیوں کی اِس معیاری تصویر کی تخلیق کی گئی تھی۔ علاحدگی پسندوں کی طرف سے یہ دلیل دی گئی کہ قبائلیوں کو تاجروں، مہاجنوں اور ہندو اور عیسائی مبلغین سے تحفظ کی ضرورت تھی جس میں سبھی کی منشا قبائلیوں کی روایات کی بیخ کنی کے ذریعے انھیں بے زمین مزدور بنا دینا تھی۔ جب کہ دوسری طرف یک جہتی پسند دانش وروں کی دلیل تھی کہ قبائلی صرف پس ماندہ ہندو تھے اور ان کے مسائل اسی ڈھانچے میں حل ہونے چاہئیں جیسے کہ دیگر پس ماندہ طبقات کے ہوتے ہیں۔ یہ مخالفین آئین ساز اسمبلی کے مباحثوں میں حاوی تھے۔ آخر کار مصالحت کے خطوط پر تصفیہ کیا گیا۔ ان فلاح و بہبود کی اسکیموں کی تائید کی گئی تھی جن سے منضبط یک جہتی ممکن ہو سکی۔ قبائل ترقی کے لیے مابعد اسکیمیں پنج سالہ منصوبے، قبائلیوں کے لیے ذیلی منصوبے، قبائلیوں کے فلاحی بلاک، خصوصی کثیر المقاصد ایریا اسکیمیں اسی طرز فکر کے ساتھ جاری رہیں۔ لیکن بنیادی مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ قبائل کی یک جہتی کے عمل نے ان کی اپنی ضرورتوں یا خواہشات کو نظر انداز کیا۔ یک جہتی سماج کے اصل دھارے کی شرائط اور اس کے اپنے مفاد پر مبنی تھی۔ قبائل سماجوں کی اپنی زمینیں اور جنگلات لے لیے گئے اور ترقی کے نام پر ان کی کمیونٹیوں کو منتشر کر دیا گیا۔

© NCERT not to be republished

قومی ترقی بنام قبائلی ترقی

ترقی کے لیے قبائل کے تئیں رویوں کے تعین پر فوری توجہ دی گئی اور ریاست کی پالیسیاں تشکیل دی گئیں۔ بطور خاص نہرو کے دور میں جو قومی ترقی ہوئی اس میں بڑے بڑے باندھ بنانا فیکٹریاں اور کانیں تعمیر کرنا شامل تھا۔ چوں کہ قبائلی علاقے ملک کے معدنی طور پر اہم اور جنگلات سے پُر حصوں میں واقع تھے اس لیے باقی ہندوستانی سماج کی ترقی کے لیے قبائلیوں کو غیر متناسب قیمت چکانی پڑی۔ اس طرح کی ترقی سے قبائل کی قیمت پر اصل دھارے کو فائدہ پہنچا۔ قبائل کو ان کی زمین سے بے دخل کرنے کا عمل معدنیات کا استحصال اور ہائیڈرو الکٹرک پاور پلانٹ قائم کرنے کے لیے موافق مقامات جو زیادہ تر قبائلی علاقوں میں تھے، سے استفادہ کرنا ایک لازمی ضمنی نتیجے کی شکل میں واقع ہوا۔

جنگلات سے محرومی جس پر زیادہ تر قبائلی کمیونٹیاں منحصر تھیں ایک زبردست جھٹکا تھا۔ جنگلات کا منظّم طور پر استحصال برطانوی دور میں ہی شروع ہو چکا تھا اور یہ رجحان آزادی کے بعد بھی جاری رہا۔ علاقے میں نجی جائیداد بنانے کی شروعات سے بھی قبائلیوں پر بہت خراب اثر پڑا کیوں کہ یہاں پر کمیونٹی پر مبنی اجتماعی ملکیت کی شکلیں تھیں اور اس نئے نظام سے ان کو نقصان پہنچا۔ ایسی حالیہ مثال نرمدا پر بنائے جانے والے باندھوں کا سلسلہ ہے جہاں مختلف کمیونٹیوں اور خطوں کے لیے زیادہ تر لاگتوں اور فوائد کا بہاؤ غیر متناسب طور پر دکھائی دے رہا ہے۔

بہت سے علاقوں اور ریاستوں میں جہاں قبائلیوں کا ارتکاز تھا وہاں ترقی کے دباؤ کے سبب بڑی تعداد میں غیر قبائلی لوگوں کے نقل مکانی کر کے آنے کے سبب بھی مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ اس سے قبائلی کمیونٹیوں اور ثقافتوں کو درہم برہم کرنے اور مغلوب کرنے کا خطرہ پیدا ہوا جب کہ قبائلیوں کے استحصال کا عمل تیز ہونے کا خطرہ تھا ہی۔ مثال کے لیے جھارکھنڈ کے صنعتی علاقوں میں آبادی کے قبائلی تناسب میں کافی کمی کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن سب سے زیادہ ڈرامائی معاملے شاید شمال مشرق میں ہوئے۔ ترپورہ جیسی ریاست کی آبادی میں قبائلی حصہ ایک ہی دہے میں نصف ہو گیا اور وہ گھٹ کر اقلیت میں آ گئے۔ اسی طرح کے دباؤ کو اروناچل پردیش میں بھی محسوس کیا گیا۔

آج کے دور میں قبائلی شناخت

اصل دھارے کے عمل میں قبائلی کمیونٹیوں کی جبریہ شمولیت سے قبائلی ثقافت اور سماج پر تو اثر پڑا ہی اس سے زیادہ ان کی معیشت متاثر ہوئی۔ قبائلی شناختیں آج کل کسی قدیمی (اصل وقدیمی) خصوصیات کی بجائے جو قبائلیوں کے لیے مخصوص تھیں، اس بین تفاعل عمل کے ذریعے تشکیل پا رہی ہیں۔ چوں کہ اصل دھارے کے ساتھ بین عمل عام طور پر قبائلی کمیونٹیوں کے لیے غیر موافق ثابت ہوئے اس لیے بہت سی قبائلی شناختیں آج کل غیر قبائلی دنیا کی غالب قوت کے تئیں مزاحمت اور مخالفت کے نظریات پر مرکوز ہیں۔

ایک جدوجہد کے بعد جھارکھنڈ اور چھتیس گڑھ کے لیے ریاست کی حیثیت ملنے جیسی کچھ کامیابیوں کے مثبت اثر مسلسل ہونے والے مسائل کے سبب ہلکے ثابت ہوئے ہیں۔ مثال کے لیے شمال مشرق کی بہت سی ریاستوں میں دہائیوں سے خصوصی قوانین نافذ ہیں جس سے شہریوں کی شہری آزادیوں کو حد میں رکھنے میں مدد ملی ہے۔ اس طرح منی پور یا ناگالینڈ جیسی ریاستوں کے

© NCERT not to be republished



قبائلی خواتین احتجاج کرتے ہوئے

باشندوں کو وہی حقوق نہیں حاصل ہیں جو ہندوستان کے دوسرے شہریوں کو ملے ہوئے ہیں کیوں کہ ان کی ریاستوں کو ہنگامہ خیز علاقہ قرار دیا گیا ہے۔ شمال مغربی ریاستوں میں مسلح بغاوتوں کے شیطانی چکر ریاستی جبر کا باعث بنتے ہیں اور اس سے مزید بغاوتیں بھڑک اٹھتی ہیں اور معیشت ثقافت اور سماج کو بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ملک کے دیگر حصے میں جھارکھنڈ اور چھتیس گڑھ کو بہر حال اپنی نئی حاصل شدہ ریاست کی حیثیت کا بھرپور استعمال کرنا ہے کیوں کہ وہاں کا سیاسی نظام ایسا ہے کہ بڑی ساختوں میں اب بھی خودمختاری نہیں ہے جس میں قبائل بے قوت ہیں۔

ایک اور نمایاں پیش رفت قبائلی کمیونٹیوں کے درمیان تعلیم یافتہ مڈل کلاس کا تدریجی طور پر ابھرنا ہے۔ شمال مشرقی ریاستوں میں یہ زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ ایک جزوی شروعات ہے جسے باقی ملک میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر بڑی قبائلی کمیونٹیوں کے ممبران کے درمیان ریزرویشن کی پالیسی کے ساتھ (جس کے بارے میں آپ مزید باب 5 میں پڑھیں گے)۔ تعلیم، ایک شہری پروفیشنل طبقے کی تخلیق کررہی ہے۔ چوں کہ قبائلی سوسائیٹیوں میں زیادہ تفریق ہے (یعنی ترقی یافتہ طبقہ اور ان میں مختلف قسم کی تقسیم) اس لیے قبائلی شناخت کو منوانے کے لیے مختلف بنیادیں افزائش پارہی ہیں۔

مسائل کے دو وسیع مجموعے قبائلی تحریکوں کے ابھرنے میں زیادہ اہم ہیں۔ یہ مسائل زمین اور بالخصوص جنگلات جیسے نہایت اہم معاشی وسائل پر کنٹرول حاصل کرنے سے متعلق ہیں اور دوسرے وہ معاملات ہیں جو نسلی اور ثقافتی پہچان کے امور سے جڑے ہیں۔ یہ دونوں اکثر ساتھ ہی ساتھ ہوتے ہیں لیکن قبائلی سماج کی تفریق کے ساتھ وہ الگ الگ بھی ہوسکتے ہیں۔ قبائلی سماجوں میں مڈل طبقات کیوں اپنی قبائلی شناخت پر زور دیتے ہیں اس کے اسباب ان اسباب سے مختلف ہوسکتے ہیں جن کے لیے

باکس 3.1

قبائلی شناخت پر اصرار بڑھتا جارہا ہے۔ قبائلی سماج کے اندر ایک مڈل کلاس کے ظہور کے ساتھ یہ عمل دیکھا جاسکتا ہے بطور خاص اس طبقے کے ابھرنے کے ساتھ ثقافت روایت، ذریعہ معاش کی زمین اور وسائل پر کنٹرول اور جدیدیت کے پروجکٹوں کے فوائد میں حصے کے لیے مانگ قبائل میں شناخت کے اظہار کا لازمی جز بن چکا ہے۔ لہٰذا قبائل میں اب ایک نئے قسم کا شعور اور بیداری ہے جس کی شروعات مڈل طبقات سے ہورہی ہے۔ مڈل طبقات خود جدید تعلیم اور جدید پیشوں سے مستفید ہوتے ہیں اور ریزرویشن کی پالیسیوں کے ذریعے ان کو مدد مل رہی ہے۔

ماخذ: ورجینیس شاکشا

'Culture, Politics and Identity: The Case of the tribes in India in John et al 2006

© NCERT not to be republished

غریب اور ناخواندہ قبائل قبائلی تحریکوں میں شامل ہوتے ہیں۔جیسا کہ کسی دوسری کمیونٹی کے ساتھ ہوتا ہے، داخلی حرکیات اور بیرونی قوتوں کی ان اقسام کے درمیان رشتہ ہی ان کے مستقبل کو وضع فراہم کرے گا۔

3.3 خاندان اور قرابت داری

ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی خاندان میں پیدا ہوتا ہے اور ہم میں سے زیادہ تر لوگ اس میں کافی عرصہ گزارتے ہیں۔ عام طور پر ہم اپنے خاندان کے بارے میں بہت شدت سے محسوس کرتے ہیں۔کبھی کبھی ہم اپنے والدین ،دادا دادی ، نانا نانی ، بھائی بہن، چچا چچی وغیرہ اور عم زاد کے بارے میں بہت اچھا محسوس کرتے ہیں حالاں کہ کبھی کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ جہاں ایک طرف ان کی مداخلت سے ناراض ہوجاتے ہیں وہیں ان کے جذباتی دباؤ والے طریقوں کو اس وقت زیادہ محسوس کرتے ہیں جب ان سے دور ہوتے ہیں۔ خاندان عظیم گرم جوشی اور مہر ومحبت اور دیکھ بھال کی جگہ ہے۔ یہاں تھوڑے بہت جھگڑے، ناانصافی اور تشدد بھی ہوتا ہے۔ دختر کشی (Female infanticide)، جائداد کے معاملے میں بھائیوں کے درمیان پر تشدد جھگڑے ، خطرناک قانونی تنازعات، خاندان اور قرابت داری میں اسی طرح نظر آتے ہیں جیسا کہ رحم دلی، قربانی اور دیکھ بھال ۔

خاندان کی ساخت کا مطالعہ اپنے آپ میں سماجی ادارے کے طور پر اور سماج کے سماجی اداروں کے ساتھ اس کے رشتے کے طور پر بھی کیا جاسکتا ہے۔ بذات خود خاندان کی تعریف نیوکلیر یا توسیعی کے طور پر کی جاسکتی ہے۔ اس کا سربراہ مرد یا کوئی عورت ہوسکتی ہے۔سلسلہ نسب مادر نسبی یا پدر نسبی ہوسکتا ہے۔ خاندان کی یہ اندرونی ساخت عام طور پر سماج کی دیگر ساختوں یعنی سیاسی معاشی، ثقافتی وغیرہ سے متعلق ہوتی ہے۔ اس طرح ہمالیائی خطے کے گاؤوں سے مردوں کی نقل مکانی کا نتیجہ گاؤں کے خاندانوں میں خاتون سربراہ کے غیر معمولی تناسب کی شکل میں برآمد ہوسکتا ہے یا ہندوستان میں سافٹ ویر صنعت میں نوجوان والدین کے اوقات کار کے سبب نوعمر پوتے پوتیوں کی دیکھ بھال کرنے والے کے طور پر دادا دادی کی تعداد بڑھ سکتی ہے۔ خاندان کی ترکیب اور اس کی ساخت میں اس بنا پر تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ خاندان (نجی دائرہ)، معاشی ، سیاسی ، ثقافتی اور تعلیمی (عوامی) دائرہ سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔

خاندان ہماری زندگی کا ایک لازمی جز ہے۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ ہم یہ بھی فرض کرتے ہیں کہ دیگر لوگوں کے خاندان بھی ہمارے جیسے ہوں گے۔(خاندان کی ان اور دیگر جہتوں کے بارے میں گیارھویں جماعت کی آپ کی درسی کتاب میں سماج کے تعارف کے باب 1 میں بحث کی گئی ہے۔) بہر حال جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خاندانوں کی مختلف ساختیں ہوتی ہیں اور یہ ساختیں تبدیل ہوتی ہیں۔کبھی کبھی یہ تبدیلیاں اتفاقی طور پر واقع ہوتی ہیں جب کوئی جنگ واقع ہو یا کام کی تلاش میں لوگ نقل مکانی کرکے چلے جائیں۔کبھی کبھی یہ تبدیلیاں قصداً یا کسی مقصد سے کی جاتی ہیں۔ جب نوجوان لوگ بڑوں کے فیصلے سے شادی کرنے کے بجائے اپنے آپ شریک زندگی کا انتخاب خود کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں یا جب ہم جنسی پیار کو کھلے طور پر سماج میں ظاہر کیا جاتا ہے۔

© NCERT not to be republished

باکس 3.2

موجود مطالعہ..... ایک مسلم برادری (کمیونٹی) سے متعلق ہے جسے ملتانی لوہار کہا جاتا ہے۔ کارخانہ دار ایک دیسی اصطلاح ہے جو کسی ایسے فرد کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو مینوفیکچرنگ کے کاروبار میں مشغول ہو جس کا عام طور پر وہ خود مالک ہوتا ہے۔ زیر مطالعہ کارخانہ دار گھریلو حالات میں کام کرتا ہے اور اس لیے کارخانہ داروں کی زندگی پر جوان حالات میں کام کرتے ہیں اس کے بعض قابل نفوذ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ درج ذیل معاملے سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے۔ محمود جس کی عمر چالیس سال ہے، وہ چھوٹے بھائیوں کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اس کی شادی ہو چکی تھی۔ اس کے تین بچے تھے اور وہ مخلوط خاندان کا سربراہ تھا۔ یہ تینوں بھائی مختلف کارخانوں اور فیکٹریوں میں ہنرمند اور ماہر ورکرس کے طور پر لگے ہوئے تھے۔ محمود نے کامیابی کے ساتھ ایک موٹر پرزے کی نقل تیار کی جس کی درآمد پر پابندی لگی ہوئی تھی۔ اس سے اس کی کافی حوصلہ افزائی ہوئی کہ وہ اپنا کارخانہ شروع کر سکے۔ بعد میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ دو کارخانے اس موٹر پرزے کو بنانے کے لیے قائم کیے جائیں۔ ایک کے مالک دو بڑے بھائی ہوں اور دوسرے کی ملکیت سب سے چھوٹے والے کے پاس ہو لیکن شرط یہ تھی کہ وہ ایک الگ گھر بسالے۔ رشید نے ایک الگ گھر بنالیا۔ اس میں اس کی بیوی اور غیر شادی شدہ بچے رہتے تھے۔ لہٰذا ایک مخلوط گھر جو تین شادی شدہ بھائیوں پر مشتمل تھا اب اس سے ایک نئے کاروباری مواقع کے نتیجے میں ایک سادہ سا نیا گھر بھی بنا۔

امتیاز احمد (ادارت)، فیملی، کن شپ اینڈ میرج امنگ مُسلمس ان انڈیا، نئی دھلی، منوھر، 1976 صفحہ 27 تا 48 میں ایس۔ایم اکرم رضوی کی تحریر "Kinship and Industry among the Muslim Karkhanedars in Delhi" سے اقتباس۔

یہ واقع ہونے والی تبدیلیوں کے انداز کی ایک شہادت ہے جس نے نہ صرف خاندان کی ساختوں کو تبدیل کر دیا بلکہ ثقافتی نظریات، معیارات اور اقدار کو بھی تبدیل کر دیا۔ یہ تبدیلیاں رونما ہونا بہر حال اتنا آسان نہیں ہے۔ تاریخ اور عصری زمانے سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان اور شادی کے معیارات میں واقع بیشتر تبدیلی کی پرتشدد مزاحمت ہوئی۔ خاندان کی اپنی کئی جہتیں ہیں۔ ہندوستان میں بہر حال خاندان پر بحث اکثر نیوکلیر اور توسیعی خاندان کے اردگرد ہوتی ہے۔

نیوکلیر اور توسیعی خاندان

نیوکلیر یا مربوط خاندان صرف ماں باپ اور ان کے بچوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک توسیعی خاندان (جسے عام طور پر مشترکہ خاندان کے طور پر جانا جاتا ہے) مختلف شکلوں میں ہو سکتا ہے لیکن اس میں ایک سے زیادہ جوڑے اور اکثر دو یا زیادہ نسلیں ایک ساتھ رہتی رہتی ہیں۔ اس میں اپنی انفرادی خاندانوں کے ساتھ بھائی یا اپنے بچوں اور پوتیوں ان کی متعلقہ خاندانوں کے ساتھ بزرگ جوڑے ہو سکتے ہیں۔ توسیعی خاندان کو زیادہ تر ہندوستان کی علامتی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ تاہم یہ اب بلکہ پہلے بھی غالب حیثیت میں نہیں تھا۔ یہ صرف مخصوص طبقات یا کمیونٹی کے بعض خطوں تک محدود تھا۔ درحقیقت اصطلاح، مشترکہ خاندان، خود دیسی نہیں ہے۔ جیسا کہ آئی۔ پی۔ دیسائی مشاہدہ کرتے ہیں۔ اصطلاح 'Joint family' ہندستانی لفظ کا ترجمہ نہیں۔ یہ غور کرنا دلچسپ ہے کہ جوائنٹ خاندان کے لیے جو الفاظ زیادہ تر ہندوستانی زبانوں میں استعمال کیے جاتے ہیں وہ خود انگریزی لفظ Joint family کے ترجمے کے مساوی ہیں (ڈیسائی 1964:40)

© NCERT not to be republished

خاندان کی مختلف شکلیں

مطالعات سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح مختلف سماجوں میں خاندان کی الگ الگ شکلیں پائی جاتی ہیں۔ رہائش کے اصول کے لحاظ سے کچھ سوسائٹیاں اپنی شادی اور خاندان کی رسم کے لحاظ سے مادر مقامی اور دیگر پدر مقامی ہوتی ہیں۔ پہلے معاملے میں نئے شادی شدہ جوڑے خاتون کے والدین کے ساتھ ٹھہرتے ہیں جب کہ دوسرے معاملے میں جوڑے مرد کے والدین کے ساتھ رہتے ہیں۔ وراثت کے قوانین کے مطابق مادرنسبی سوسائٹیوں میں جائداد ماں سے بیٹی کو جب کہ پدرنسبی سوسائٹیوں میں باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ پدر اقتداری خاندان ساخت وہاں موجود ہوتی ہے جہاں مرد اقتدار اور تسلط کا استعمال کرتے ہیں اور مادر اقتداری میں عورتیں اسی طرح کے غالب کردار نبھاتی ہیں۔ تاہم نظام پدری کے برعکس نظام مادری خاندان میں عملی تصور کے بجائے نظریاتی تصور ہوتا ہے۔ نظام مادری اقتداری خاندان یعنی ایسی سوسائٹیاں جہاں عورتیں غلبہ رکھتی ہیں (ان کا اقتدار ہوتا ہے) کی کوئی تاریخی یا انسانیاتی شہادت موجود نہیں ہے۔ تاہم مادرنسبی سوسائٹیوں کا تو وجود ہے، یعنی وہ سوسائٹیاں جہاں عورتوں کو اپنی ماؤں سے جائیداد وراثت میں ملتی ہے لیکن وہ اس پر اپنا اختیار نہیں رکھتیں اور عوامی معاملات میں وہ فیصلہ ساز نہیں ہوتیں۔

باکس 3.3 میں مادرنسبی خاص کمیونٹی کے بیان سے مادرنسبی اور نظام مادر اقتداری کے درمیان فرق کی صراحت ہوتی ہے۔ مادرنسبی خاندان کے ذریعے تخلیق کیے گئے ساختی تناؤ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آج کے 'خاصی' (Khasi) سماج میں مردوں اور عورتوں دونوں پر ہی یہ اثر انداز ہو رہا ہے۔



خاصی مادرنسبی خاندان

باکس 3.3

میگھالے جانشینی یا وراثت ایکٹ (جسے میگھالے قانون ساز اسمبلی کے ذریعے پاس کیا گیا اس کے سبھی ممبران مرد ہی تھے) کو 1986 میں صدر کی منظوری ملی تھی۔ وراثت ایکٹ کا اطلاق خاص طور پر میگھالیہ کے خاصی اور جنتیا قبائل پر ہوتا ہے اور کسی بھی بالغ اور عاقل پر لاگو ہوتا ہے نہ کہ نابالغ پر۔ اس فرد کو اپنی خود سے حاصل کی گئی جائیداد کی وصیت کرنے کا حق عطا کرتا ہے۔ خاصی اور جنتیا رسم میں وصیت کیے جانے کے لیے رواج موجود نہیں تھا۔ خاصی رسم میں آباواجداد کی جائیداد وراثت عورتوں کو منتقل کرنے کی صلاح دی گئی ہے۔ بطور خاص تعلیم یافتہ خاصیوں میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ قرابت داری اور وراثت کے ان کے اصول عورتوں کے حق میں جانب دارانہ ہیں۔ اور بہت زیادہ امتناعی یا بندشی ہیں۔ لہذا وراثت ایکٹ کو اس طرح کی بندشوں کو ہٹانے کی ایک کوشش کے طور پر اور خاصی روایت میں عورتوں کے تئیں جانب داری کے اوراک کو درست کرنے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ جائزہ لینے کے لیے کہ آیا خاصی روایت میں نسواں جانب داری کا عام ادراک کیا واقعی جائز ہے۔ یہ ضروری ہے کہ خاصی مادرنسبی نظام کا جائزہ جنسی کرداروں کے رائج جنس پر مبنی رشتوں اور تعریفوں کی بنیاد پر لیا جائے۔

متعدد دانش وروں نے مادرنسبی نظاموں میں پنہاں تضادات پر روشنی ڈالی ہے۔ ان میں سے ایک تضاد ایک طرف نسب اور وراثت کے خطوط کی علاحدگی سے، وہیں دوسری طرف اختیار اور کنٹرول کی ساخت سے پیدا ہوتا ہے۔ پہلا جو بیٹی کو ماں سے جوڑتا ہے وہ اس دوسرے اصول کے ساتھ متصادم ہوتا ہے جو ماں کے بھائی کو بہن کے بیٹے سے جوڑتا ہے (دوسرے لفظوں میں ایک عورت جو جائداد اپنی ماں سے وراثت میں پاتی ہے اور اسی طرح اپنی بیٹی کو منتقل کرتی ہے جب کہ ایک مرد اپنی بہن کی جائداد پر اختیار رکھتا ہے اور اپنی بہن کے بیٹے کے اختیار کے لیے اسے منتقل کرتا ہے۔ اس طرح وراثت ماں سے بیٹی کی طرف منتقل ہوتی ہے جب کہ اختیار ماموں سے بھانجے کی طرف منتقل ہوتا ہے) خاصی مادرنسبی نظام مردوں کے لیے کرداری تصادم میں شدت پیدا کرتا ہے۔ وہ ایک طرف اپنے پیدائشی گھر کے متعلق اپنی ذمہ داریوں اور دوسری طرف اپنی بیوی اور بچوں کے درمیان فیصلہ نہ کر سکنے کی حالت میں ہوتے ہیں۔ اس طرح اس کرداری تصادم کے ذریعے پیدا ہونے والے دباؤ کا اثر عورتوں پر کافی زیادہ پڑتا ہے۔ ایک عورت کے لیے پوری طرح یقینی نہیں ہوتا کہ اس کا شوہر اپنے خود کے گھر کے مقابلے اپنی بہن کے گھر کو زیادہ موافق نہیں پاتا۔ اسی طرح ایک بہن اپنی بہبود کے لیے اپنے بھائی کے پیمان کے بارے میں خائف یا خدشے میں رہتی ہے کیوں کہ بیوی جس کے ساتھ وہ رہتا ہے ہمیشہ اسے پیدائشی گھر کے تئیں اس کی ذمہ داریوں سے دور کر سکتی ہے۔

کرداری تصادم کے ذریعے عورتوں پر مردوں کے مقابلے زیادہ خراب اثر پڑا ہے۔ اس کرداری تصادم کا اثر مادرنسبی نظام میں نہ صرف اس لیے پڑتا ہے کہ مردوں نے زیادہ اختیار حاصل کر لیا ہے اور عورتیں اس سے محروم ہیں بلکہ اس لیے کہ نظام میں مردوں کے تئیں زیادہ نرمی ہے جب کہ یہاں اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ خاصی سماج میں عورتیں صرف علامتی اختیار رکھتی ہیں، یہ مرد ہی ہیں جو حقیقی اقتدار کے حامل ہیں۔ نظام کو دراصل مرد پدری قرابت کے مقابلے مادر قرابت داری کے حق میں وزنیت دی گئی ہے۔ [دوسرے لفظوں میں مادرنسبی نظام ہونے کے باوجود مرد خاصی سماج میں اقتدار کے حامل ہیں فرق صرف یہ ہے کہ مرد کے اس کی ماں کی طرف کے رشتے داروں کو اس کے باپ کی طرف کے رشتے داروں کی نسبت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔]

ماخذ: Tiplut Nongbri "Gender and the Khasi Family Structure" in uberio, 1994 سے اخذ کیا گیا۔

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ ذات کے نظام میں علاحدگی اور درجہ بندی کے نظریات کی کیا اہمیت ہے؟

2۔ وہ کون سے کچھ ضوابط ہیں جو ذات کا نظام عائد کرتے ہیں؟

3۔ ذات کے نظام میں استعماریت کے سبب کیا تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں؟

4۔ کس مفہوم میں ذات نسبتاً شہری اونچی جاتیوں کے لیے غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) بن چکی ہے؟

5۔ قبائل کو ہندوستان میں کس طرح درجہ بند کیا گیا ہے؟

6۔ آپ اس نظریے کے مقابل کیا شہادت پیش کریں گے کہ 'قبائل ابتدائی کمیونٹیاں ہیں جو الگ تھلگ زندگی گزارتی ہیں اور جو تمدن سے اچھوتی ہیں؟

7۔ آج کل قبائلی شناختوں کے اصرار کے پیچھے کیا عوامل ہیں؟

8۔ وہ کون سی مختلف شکلیں ہیں جو خاندان اختیار کر سکتے ہیں؟

9۔ سماجی ڈھانچے میں آنے والی تبدیلیاں کس طرح خاندان کی ساخت میں تبدیلی کی وجہ بن جاتی ہیں۔

10۔ مادر نسبی اور مادر اقتداری نظام کے درمیان فرق کی وضاحت کیجیے۔

حوالہ جات

Deshpande, Satish. 2003. Contemporary India: A Sociological View. Penguin Books. New Delhi.

Gupta, Dipankar. 2000. Interrogating Caste. Penguin Books. New Delhi.

Sharma, K.L. ed. 1999. Social Inequality in India: Profites of Caste, Class and Social Mobility. 2nd edition, Rawat Publications. Jaipur.

Sharma, Ursula. 1999. Caste. Open University Press. Buckingham & Philadelphia.

Beteille, Andre. 1991. 'The reproduction of inequality: Occupation, caste and family', in Contributions to Indian Sociology. N.S., Vol. 25, No.1, pp3-28.

Srinivas, M.N. 1994. The Dominant Caste and Other Essays. Oxford University Press. New Delhi.

Dumont, Louis. 1981. Homo Hierarchicus: The Caste System and its Implications.

2nd editon, University of Chicago Press. Chicago.

Ghurye, G.S. 1969. Caste and Race in India. 5th edition, Popular Prakashan. Mumbai.

John, Mary E., Jha, Pravin Kumar. and Jodhka, Surinder S. ed. 2006. Contested Transformations: Changing Economies and Identities in Contemporary India. Tulika. New Delhi.

Dirks, Nicholas. 2001. Castes of Mind: Colonialism and the Making of Modern India. Princeton University Press. Princeton.

Uberoi, Patricia. ed. 1994. Family, Kinship and Marriage in India. Oxford University Press. Delhi.

Xaxa, Virginius. 2003. 'Tribes in India' in Das, Veena. ed. The Oxford India Companion to Sociology and Social Anthropology. Oxford University Press. Delhi.

© NCERT not to be republished

نوٹس

© NCERT not to be republished



5273CH04

باب 4

بازار ایک سماجی ادارے کی حیثیت سے
(The Market as a Social Institution)

© NCERT not to be republished

عام طور پر ہم بازاروں کو خرید فروخت کی ایک جگہ مانتے ہیں۔ روزمرہ کی بول چال کے استعمال میں 'بازار' لفظ کے معنی خاص بازار سے ہو سکتے ہیں جنھیں شاید ہم جانتے ہیں جیسے ریلوے اسٹیشن کے پاس کا بازار، پھلوں کا بازار یا تھوک بازار۔ کبھی کبھی ہم مقامات کی بات سے ہٹ کر لوگوں کے اجتماع، خریدار اور بیچنے والے کی بھیڑ بھاڑ کی بات کرتے ہیں جو مل کر بازار بناتے ہیں۔ اس لیے مثال کے طور پر ایک ہفتہ وار سبزی بازار، شہری پڑوس یا پڑوسی گاؤں میں ہفتہ کے ہر دن مختلف جگہوں پر پایا جا سکتا ہے۔ ایک دوسرے معنی میں 'بازار' ایک علاقہ یا کاروبار کی فہرست کے بارے میں بات کرتا ہے جیسے کاروں کا بازار۔ یا پھر تیار شدہ کپڑوں کا بازار۔ اسی سے جڑا ہوا ایک مفہوم ایک خاص پیداوار یا خدمت کی مانگ کو ظاہر کرتا ہے جیسے کمپیوٹر کے ماہرین کا بازار۔

ان تمام معنوں میں ایک بات یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام معنی ایک خاص طرح کے بازار کی بات کر رہے ہیں جسے ہم پوری طرح تبھی سمجھ سکتے ہیں جب ہم اس کے سیاق کو ذہن میں رکھیں۔ پھر اگر ایسا ہے تو صرف 'بازار' کے لفظی معنی کا استعمال جو کسی مخصوص جگہ، لوگوں کی بھیڑ بھاڑ یا کاروباری عمل اور حلقہ کی عکاسی نہ کرتا ہو، ہمیں کیا واضح کر سکتا ہے؟ یہ استعمال نہ صرف اوپر دیے گئے معنی کو شامل کرتا ہے بلکہ تمام طرح کے معاشی عمل اور اداروں کی بھی وضاحت کرتا ہے۔ اس لیے ان وسیع معنوں میں 'بازار' تقریباً معاشی نظام کے برابر ہے۔ ہم بازار کو ایک معاشی ادارے کے طور پر دیکھنے کے عادی ہیں لیکن یہ سبق آپ کو بتائے گا کہ بازار ایک سماجی ادارہ بھی ہے۔ اپنے خود کے طریقوں میں بازار کا مقابلہ ذات، قبائل یا خاندان جیسے واضح سماجی اداروں سے، جن کا ذکر باب 3 میں کیا گیا ہے، کیا جا سکتا ہے۔

4.1 بازار اور معیشت پر سماجیاتی پس منظر

معاشیات مضمون کے تدریسی عمل کا مقصد اس بات کو سمجھنے اور بیان کرنے سے ہے کہ جدید سرمایہ دارانہ معاشی نظاموں میں بازار کس طرح سے کام کرتے ہیں جیسے قیمتیں کس طرح طے ہوتی ہیں، کسی خاص طرح کی سرمایہ کاری کا ممکنہ اثر کیا ہے، یا وہ کون سے عوامل ہیں جو لوگوں کو خرچ کرنے یا پیسے بچانے کے لیے راغب کرتے ہیں۔ سماجیات بازاروں کے مطالعے میں کیا تعاون کر سکتی ہے جو معاشیات سے اچھوتا رہ گیا ہے؟

اس جواب کے لیے ہمیں مختصر طور پر اٹھارھویں صدی کے انگلینڈ اور جدید معاشیات کے ابتدائی دور کے بارے میں جاننا ہوگا جسے اُس دور میں ''سیاسی معاشی نظام'' کہا جاتا تھا۔ ابتدائی دور کے سیاسی ماہرین معاشیات میں ایڈم اسمتھ سب سے زیادہ مشہور تھے جنھوں نے اپنی کتاب 'دی ویلتھ آف نیشنز' میں بازار کی معیشت کو سمجھنے کی کوشش کی جو اس وقت اپنی ابتدائی شکل میں تھی۔ انھوں نے لکھا کہ بازاری معاشی نظام، افراد کے بیچ لین دین یا سودوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو تسلسل کی وجہ سے خود بہ خود ایک عملی اور منظّم نظام قائم کرتا ہے۔ یہ اس وقت بھی ہوتا ہے جب کروڑوں کے لین دین میں شامل افراد میں سے کوئی فرد اس کو قائم کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ ہر ایک فرد اپنے منافع کو بڑھانے کی فکر کرتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے بھی وہ جو کچھ کرتا ہے وہ خود بخود ہی سماج کے یا تمام لوگوں کے حق میں ہوتا ہے۔ اس طرح یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ایک پوشیدہ طاقت یہاں کام کرتی ہے جو ان تمام افراد کے مفاد کی روشنی کو سماج کے منافع میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اس طاقت کو ایڈم اسمتھ

نے 'غائبانہ ہاتھ' کا نام دیا۔ اس لیے انھوں نے یہ جواز پیش کیا کہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام، خود کے فائدے سے چلتا ہے اور یہ اُس وقت بہت اچھے طریقہ سے کام کرتا ہے جب ہر خریدار اور اشیا فروش عقلی فیصلے لیتے ہیں جو اُن کے حق میں ہوتے ہیں۔ اسمتھ نے 'غائبانہ ہاتھ' کے نظریے کو اس مباحثہ کے طور پر استعمال کیا کہ جب بازار میں فرد خود منافع کے مطابق کام کرتا ہے تو سماج کو ہر طرح سے فائدہ ہوتا ہے کیوں کہ یہ معاشی نظام کو بڑھاتا ہے اور زیادہ سرمایہ پیدا کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسمتھ نے 'کھلے بازار' کی حمایت کی، ایک ایسا بازار جو کسی بھی طرح کی قومی یا دوسری روک تھام سے آزاد ہو۔ اس معاشی فلسفے کو فرانسیسی زبان میں لیسیز۔فیئر (Laissez-Faire)' بھی کہا گیا، جس کے معنی ہیں بازار کو اکیلا چھوڑ دیا جائے یا مداخلت نہ کی جائے۔

جدید معاشیات کی ترقی ایڈم اسمتھ جیسے ابتدائی مفکروں کے خیالات سے ہوئی ہے اور یہ اس خیال پر منحصر ہے کہ معاشی نظام کا مطالعہ سماج کے ایک علاحدہ حصے کی حیثیت سے بھی کیا جاسکتا ہے جو بڑے سماجی اور سیاسی سیاق سے الگ ہیں جن میں بازار، اپنے خود کے اصولوں کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اس طریقۂ کار کے برعکس ماہرینِ سماجیات نے بڑے سماجی ڈھانچہ کے اندر معاشی اداروں اور عمل کو سمجھنے کے لیے ایک متبادل طریقہ کو ترقی دینے کی کوشش کی ہے۔

ماہرینِ سماجیات مانتے ہیں کہ بازار سماجی ادارے ہیں، جو مخصوص ثقافتی طریقوں کے ذریعے بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر بازاروں کا کنٹرول یا انتظام اکثر خاص سماجی گروہ یا طبقوں کے ذریعے ہوتا ہے اور اس کا دوسرے اداروں، سماجی عمل اور ساختوں سے بھی خاص تعلق ہے۔ ماہرین سماجیات کے اس تصور کو اکثر یہ کہہ کر ظاہر کرتے ہیں کہ معاشی نظام سماج میں 'رچا بسا' ہے۔ اس تصور کو یہاں دو مثالوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ایک مثال ہے، ایک ہفتہ وار قبائلی ہاٹ کی اور دوسری ہے ایک 'روایتی تجارتی طبقہ' اور ہندوستان کے نوآبادیاتی دور میں اس کے لین دین کا تانا بانا۔

ایڈم اسمتھ
(1723-1790)



ایڈم اسمتھ عصری معاشی خیالات کے بانی کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ اسمتھ اپنی پانچ کتابوں کی سیریز 'دی ویلتھ آف نیشنز' سے مشہور ہیں۔ جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کیسے کھلے بازار کے معاشی نظام میں عقلی ذاتی مفاد معاشی خوشحالی کی طرف لے جاتا ہے۔

چھتیس گڑھ کے ضلع بستر میں دُھورائی گاؤں کا ایک ہفتہ وار 'قبائلی بازار'

دنیا بھر کے زیادہ تر کسان یا 'زرعی مزدور، سماجوں میں وقتاً فوقتاً لگنے والے بازار یا ہاٹ سماجی اور معاشی تنظیمی نظام کی ایک بنیادی خصوصیت ہوتے ہیں۔ ہفتہ وار بازار آس پاس کے گاؤں کے لوگوں کو جمع کرتا ہے جو اپنی کھیتی کی پیداوار یا کسی دوسری اشیا کو بیچنے آتے ہیں اور وہ وہاں سے بنی بنائی چیزیں اور دوسرے سامان خریدتے ہیں جو ان کے گاؤں میں نہیں ملتے ہیں۔ ان بازاروں میں مقامی علاقہ سے باہر کے لوگوں کے ساتھ ساتھ ساہوکار، مسخرے، نجومی اور دیگر قسم کے ماہرین اپنی سروس اور اشیا کے ساتھ آتے ہیں۔ دیہی ہندوستان میں ایک طے وقفہ پر خاص بازار بھی لگتے ہیں جس کی ایک مثال ہے مویشی بازار جو ایک خاص وقفہ کے بعد لگتا ہے۔ وقفہ پر منحصر یہ بازار مختلف مقامات اور علاقے کے معاشی نظاموں کو جوڑتے ہیں اور پھر انھیں وسعتی قومی معاشی نظاموں اور قصبوں اور بڑے بڑے شہروں کے مراکز سے جوڑتے ہیں۔

© NCERT not to be republished


قبائلی علاقہ میں ہفتہ واری بازار

ہفتہ وار ہاٹ، کا دیہی اور یہاں تک کہ شہری ہندوستان میں بھی ایک عام نظارہ ہوتا ہے۔ پہاڑوں اور جنگلات سے بھرے علاقوں میں (خاص طور پر جہاں قبائلی آباد ہوتے ہیں) جہاں آبادی بہت دور دور ہوتی ہے، سڑکیں اور آمدورفت کے ذرائع بہت کمزور ہوتے ہیں اور معاشی نظام بھی مقابلتاً غیر ترقی یافتہ ہوتا ہے۔ ایسے میں ہفتہ وار بازار پیداوار کی لین دین کے ساتھ ساتھ سماجی میل ملاپ کا ایک اہم ذریعہ بن جاتا ہے۔ مقامی لوگ بازار میں اپنی کھیتی کی پیداوار یا جنگل سے لائی گئی اشیا کو تاجروں کو بیچتے ہیں جو قصبوں میں انھیں لے جا کر دوبارہ بیچتے ہیں اور ان پیسوں سے ضروری چیزیں جیسے نمک اور زراعت کے اوزار اور استعمال کی چیزیں جیسے چوڑیاں اور گہنے خریدتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر لوگوں کے لیے ہاٹ جانے کا اہم سماجی سبب ہے جہاں وہ اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کرتے ہیں، گھر کے جوان لڑکے لڑکیوں کی شادی طے کر سکتے ہیں، گپ شپ کر سکتے ہیں اور کئی دوسرے کام بھی انجام دے سکتے ہیں۔

جہاں قبائلی علاقوں میں ہفتہ وار بازار ایک پرانا ادارہ ہے وہیں وقت کے ساتھ ان کی شکل وصورت میں بھی تبدیلی ہوئی ہے۔ ان دور دراز کے علاقوں کے نوآبادیاتی ریاستوں کے کنٹرول میں آنے کے بعد انھیں دھیرے دھیرے علاقائی اور قومی معاشی نظام کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ قبائلی حلقوں کو سڑکوں کی تعمیر کے ذریعے اور مقامی لوگوں کو سمجھا بجھا کر (جس میں سے بہت سارے لوگوں نے نوآبادیاتی حکومت کے خلاف قبائلی بغاوت کی تھی) کھولا گیا تاکہ ان علاقوں کے زرخیز جنگلوں اور معدنی وسائل تک بنا روک ٹوک کے پہنچا جا سکے۔ ایسا ہونے سے ان علاقوں میں تاجروں، ساہوکاروں اور آس پاس کے میدانی علاقوں سے دوسرے غیر قبائلی لوگوں کا بھی تانتا لگ گیا۔ اس طرح قبائلی معاشی نظام میں تبدیلی آ گئی کیوں کہ اب جنگل کی پیداوار کو باہری لوگوں کو بیچا جانے لگا اور نئی قسم کی اشیا نظام میں شامل ہو گئیں۔ قبائلیوں کو اب ان کانوں اور باغات میں بھی مزدور کی حیثیت سے رکھا جانے لگا جو انگریزی حکومت کے دور میں قائم ہوئے تھے۔ نوآبادیاتی حکومت کے دوران قبائلی مزدوری کے ایک 'بازار' کی ترقی ہوئی ان تمام تر تبدیلیوں کے سبب مقامی قبائلی معاشی نظام بڑے بازاروں سے جڑ گئے پھر اس کا اثر مقامی لوگوں کے لیے عموماً بے حد منفی تھا۔ مثال کے لیے باہر سے مقامی علاقوں میں ساہوکاروں اور تاجروں کی آمدورفت نے قبائلیوں کو غریب کر دیا، ان میں زیادہ تر نے اپنی زمین باہری لوگوں کے ہاتھ کھو دی۔

ہفتہ وار بازار ایک سماجی ادارے کی شکل میں، قبائلی، مقامی معیشت اور باہری ماحول کے بیچ کی کڑیوں اور قبائلیوں اور دوسرے لوگوں کے درمیان معاشی استحصال کا تعلق، ان سب کی تصویر کشی بستر ضلع کے ایک ہفتہ وار بازار کے مطالعے میں کی گئی ہے۔ یہ ضلع گونڈ نام قبائلیوں سے آباد ہے۔ ہفتہ وار بازار میں آپ کو مقامی لوگ، جس میں قبائلی اور غیر قبائلی کے ساتھ ساتھ باہری لوگ بھی شامل ہیں اور جس میں خصوصاً مختلف ذاتوں کے ہندو تاجر بھی ہیں، ملیں گے۔ جنگلات کے افسران بھی بازار میں ان قبائلیوں کے ساتھ تجارت کرنے آتے ہیں جو کہ محکمۂ جنگلات میں کام کرتے ہیں اس طرح، اس بازار میں تمام طرح کے مخصوص فروخت کار اپنی اشیا اور خدمات بیچنے کے لیے آتے ہیں۔ اہم چیزیں جن کی بازار میں خرید وفروخت چلتی ہے وہ تیار کی

© NCERT not to be republished

ہوئی اشیا (جیسے گہنے اور پائل، برش اور چاقو) غیر مقامی کھانے پینے کی اشیا (جیسے نمک اور ہلدی)، مقامی کھانے کی اشیا، زراعت کے سامان اور تیار کی ہوئی اشیا (جیسے بانس کی ٹوکری)، اور جنگل کی پیداوار (جیسے املی اور لہسن) ہیں۔ جنگل کی اشیا جنھیں قبائلی لے کر آتے ہیں، انھیں تاجر خرید کر قصبوں میں لے جاتے ہیں، ان ہاٹوں (بازاروں) میں خریدار عموماً قبائلی ہی ہوتے ہیں، پھر بیچنے والے زیادہ تر اونچی ذات کے ہندو ہوتے ہیں۔ قبائلی جنگلی اور زراعت سے متعلق اشیا اور اپنی محنت مشقت کو بیچ کر جو پیسا کماتے ہیں وہ عموماً ان ہاٹوں میں ملنے والی سستی پائلوں اور گہنوں اور استعمال کی چیزوں جیسے تیار کپڑوں کی خریداری کے لیے خرچ کرتے ہیں۔

الفرڈ گیل (1982) جیسے ماہر انسانیات کے مطابق جنھوں نے دُھورائی کا مطالعہ کیا، بازار کی اہمیت صرف اس کے معاشی عمل تک ہی محدود نہیں ہے۔ مثال کے طور پر بازار کی بناوٹ اس علاقہ کے طبقہ بند اندرونی گروہوں کے سماجی تعلقات کی علامتی تصویر کشی کرتی ہے۔ مختلف سماجی گروہ، ذات اور سماجی اونچ نیچ اور ساتھ ہی بازار کے نظام میں اپنی حیثیت کے مطابق قائم ہوتے ہیں۔ امیر اور اونچے درجہ والے راجپوت زیوارت بنانے اور متوسط درجے کے مقامی ہندو تاجر بازار کے درمیان والے حصے میں بیٹھتے ہیں اور قبائلی جو سبزی اور مقامی سامان بیچتے ہیں وہ بازار کے باہری حصوں میں بیٹھتے ہیں۔ خریدی و بیچی جانے والی چیزوں کی قیمتوں سے اور کس طرح سے مول بھاؤ کیا جاتا ہے اس سے سماجی تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ مثال کے لیے قبائلی اور غیر قبائلی لوگوں کے درمیان باہم دیگر عمل، ایک برادری کے ہندوؤں کے درمیان کے باہم دیگر عمل سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ یہ باہم دیگر عمل طبقہ بندی اور سماجی دوری کو واضح کرتا ہے نہ کہ سماجی برابری کو۔

باکس 4.1

بستر میں ایک قبائلی گاؤں کا بازار

دُھورائی ایک قبائلی بازار والے گاؤں کا نام ہے جو کہ چھتیس گڑھ کے شمالی بستر ضلع کے اندرونی علاقے میں بسا ہے..... جب بازار نہیں لگتا، ان دنوں دھورائی ایک اونگھتا ہوا، پیڑوں کے چھپروں سے چھایا ہوا، گھروں کا جھرمٹ ہے جو پیر پسارے ان سڑکوں سے جا ملتا ہے جو بغیر کسی پیمانے کے جنگل بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ دھورائی کی سماجی زندگی یہاں کی دو پرانی چائے کی دکانوں تک محدود ہے، جس کے خریدار راجیہ ون سیوا کے نچلے طبقہ کے ملازمین ہیں جو بدقسمتی سے اس دور دراز اور سنسان علاقے میں کام کے سبب پھنسے پڑے ہیں..... دھورائی کا وجود غیر بازاری دنوں میں یا جمعہ کو چھوڑ کر صفر کے برابر ہوتا ہے لیکن بازار والے دن وہ کسی اور جگہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ٹرکوں سے راستہ جام ہوتا ہے۔ جنگل کے سرکاری ملازمین اپنی استری کی ہوئی پوشاکوں میں ادھر سے اُدھر چہل قدمی کر رہے ہوتے ہیں اور جنگل کے محکمہ کے اہم افسران اپنی ڈیوٹی بجا کر محکمۂ جنگلات کے ریسٹ روم کے آنگن سے بازار پر نظر بنائے رکھتے ہیں۔ وہ قبائلی مزدوروں کو اُن کے کام کی اُجرت بانٹتے ہیں.....

جب افسران ریسٹ روم میں دربار لگاتے ہیں تو قبائیلیوں کی قطار چاروں سمت سے کھنچی چلی آتی ہے۔ وہ جنگل کے سامان اپنے کھیتوں کی پیداوار یا پھر اپنے ہاتھ سے بنایا ہوا کچھ لے کر آتے ہیں۔ ان میں سبزی بیچنے والے ہندو اور ماہرین دست کار، کمہار، جولاہے اور لوہار شامل ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ فراوانی ہے اور ابتری ہے، بازار کے ساتھ ساتھ کوئی مذہبی تیوہار بھی چل رہا ہے..... لگتا ہے۔ جیسے ساری دنیا انسان، بھگوان سب ایک ہی جگہ بازار میں جمع ہو گئے ہیں۔ بازار تقریباً ایک چوگوشیہ زمین کا حصہ ہے جو تقریباً 100 گز مربع زمین میں بسا ہوا ہے جس کے بیچو بیچ ایک شاندار برگد کا درخت ہے۔ بازار کی چھوٹی چھوٹی دکانوں کی چھت چھپر کی بنی ہے اور یہ دکانیں بہت پاس پاس ہیں، بیچ بیچ میں گلیارے سے بن گئے ہیں جن کے درمیان سے خریدار سنبھلتے ہوئے کسی طرح کم جمے ہوئے دکان داروں کے کم قیمتی سامانوں کو پیر سے کچلنے سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں، جنھوں نے مستقل دکانوں کے درمیان کی جگہ کا اپنی چیزوں کی نمائش کرنے کے لیے ہر ممکن استعمال کیا ہے۔

ماخذ: گیل (1982:470.7)

© NCERT not to be republished

باکس 4.1 کے لیے مشق

باکس میں دیے گئے اقتباس کو پڑھیے اور نیچے دیے گئے سوالوں کے جواب دیجیے:

1۔ یہ اقتباس آپ کو آدی واسیوں اور ریاست (جس کی نمائندگی محکمۂ جنگلات کے افسران کے ذریعے ہوتی ہے) کے بیچ کے تعلقات کے بارے میں کیا بتاتا ہے؟ محکمہ جنگل کے اردلی، آدی واسی ضلعوں میں اتنے اہم کیوں ہیں؟ افسران آدی واسی مزدوروں کو بھ اُجرت کیوں دے رہے ہیں؟

2۔ بازار کی بناوٹ اس کی تنظیم اور عملی نظام کے بارے میں کیا واضح کرتی ہے؟ کس طرح کے لوگوں کی مستقل دکانیں ہوں گی اور کم مستحکم دکان دار کون ہیں، جو زمین پر بیٹھتے ہیں؟

3۔ بازار میں اہم خریدار کون ہیں اور فروخت کرنے والے کون ہیں؟ بازار میں کس طرح کی اشیا ہوتی ہیں اور ان مختلف قسم کی اشیا کو کون لوگ خریدتے و بیچتے ہیں؟ اس سے آپ کو اس علاقے کی مقامی معاشی نظام اور آدی واسیوں کے بڑے سماجی اور معاشی نظام سے تعلق کے بارے میں کیا پتہ چلتا ہے؟

قبل نوآبادیاتی اور نوآبادیاتی ہندوستان میں ذات پر مبنی بازار اور کاروباری تانا بانا۔

ہندوستانی معاشی تاریخ کے کچھ روایتی تذکرے ہندوستان کے معاشی نظام اور سماج کو تبدیل نہ ہونے والا سمجھتے ہیں۔ یہ مانا جاتا رہا ہے کہ معاشی کا یا پلٹ نوآبادیات کے ساتھ ہی شروع ہوئی۔ ایسا مانا جاتا تھا کہ ہندوستان دیہی برادری والا ملک ہے جو نسبتاً خودکفیل تھے اور ان کا معاشی نظام بنیادی طور پر غیر بازاری لین دین کی بنیاد پر قائم تھا۔ نوآبادیات کے دوران اور ہندوستان کی آزادی کے ابتدائی دور میں ایسا مانا گیا کہ کاروباری روپے پیسے کو معاشی نظام کے مقامی زرعی معاشی نظام میں آنے اور لین دین کے وسیع حلقوں میں اُن کے شامل ہونے سے دیہی اور شہری سماجوں میں زبردست سماجی اور معاشی تبدیلی ہوئی۔ یہاں یہ کہنا صحیح ہے کہ نوآبادیات نے بڑے معاشی ردّ و بدل کیے جیسے انگریزی حکومت کی یہ مانگ کہ زمین کی لگان کو نقد ادا کرنا ہے، وہاں حال ہی میں ہوئی تاریخی تحقیق یہ واضح کرتی ہے کہ ہندوستان معاشی نظام میں روپیہ پیسوں کا استعمال (تجارت میں روپے پیسے کا استعمال ہوتا ہے) نوآبادیات کے ٹھیک پہلے سے ہی موجود تھا۔ جہاں بہت سے گاؤں اور علاقوں میں مختلف قسم کے غیر بازاری لین دین کا نظام (جیسے ججمانی نظام) تو موجود تھا پر نوآبادیات سے پہلے دور میں بھی گاؤں میں لین دین کے بڑے حصہ تھے جس سے زراعت کی پیداوار اور طرح طرح کی دوسری اشیا کا تجارتی چلن ہوتا تھا (بیلی 1983، سبرامنیم 1996)۔ اب ایسا لگتا ہے کہ روایتی اور جدید (یا سرمایہ داری سے پہلے اور سرمایہ داری کا دور) معاشی نظام کے بیچ میں اکثر جو تقسیم کی جاتی ہے وہ اس صفائی سے منقسم نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے سے گھلا ملا ہے۔ حال ہی کی تاریخی تحقیقات نے بھی یہ واضح کیا ہے کہ نوآبادیات کے پہلے بھی ہندوستان میں جامع اور ترقی یافتہ تجارتی نیٹ ورک موجود تھا۔ یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ پچھلی کتنی ہی صدیوں سے ہندوستان، کرگھے (ہینڈلوم) کے کپڑوں کا اہم صنعت کار اور برآمدی تجارت کار (سوتی و مہنگے ریشم دونوں) ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری مختلف چیزوں (جیسے مسالہ) جن

© NCERT not to be republished

کی عالمی بازار میں خاص کر یورپ میں بہت مانگ تھی، کا ذریعہ تھا۔ یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ نو آبادیات کے پہلے کے دنوں میں ہندوستان میں ترقی یافتہ مراکز پیداوار کے ساتھ ساتھ ہندوستانی تاجروں کا منظّم سماج، تجارتی نظام اور بینکنگ نظام بھی موجود تھا جس سے ہندوستان اپنے ملک کے اندر اور باقی دنیا سے تجارت کرنے کا اہل تھا۔ ان روایتی تجارتی برادریوں یا ذاتوں کا اپنا قرض اور بینک کا نظام تھا۔ مثال کے طور پر لین دین اور قرض کا ایک اہم ذریعہ ہنڈی یا لین دین کا بل تھا (جو کہ ایک قرض کے کاغذ کی طرح تھا) اسے تاجر لمبی دوری کی تجارت میں استعمال کرتے تھے۔ چوں کہ تجارت کی ترجیحات میں ان برادریوں کی ذات اور رشتہ داری اپنے ہی حلقے میں ہوتی تھی۔ اس لیے ملک میں کسی ایک کنبے سے ایک تاجر کے ذریعے جاری ہنڈی دوسرے کونے کے تاجر کے ذریعے قبول کی جاتی تھی۔

تامل ناڈو کے ناٹوکوٹّائی چیٹی یاروں (یا ناکرٹار) اس کی ایک دلچسپ مثال پیش کرتے ہیں کہ یہ ہندوستانی تجارتی تانے بانے کس طرح منظّم تھے اور کیسے کام کرتے تھے۔ نو آبادیات کے دوران اس طبقے پر کیا گیا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ کس طرح سے ان کی بینکنگ اور تجارتی سرگرمی برادری کی سماجی تنظیموں سے جڑی ہوئی تھیں۔ ذات، رشتہ داری اور خاندان کی بناوٹ سب تجارت کے موافق تھیں اور تجارت انھیں سماجی ڈھانچوں کے تحت ہوتی تھی۔ جیسا کہ زیادہ تر روایتی، تجارتی برادریوں میں ہوتا ہے۔ ناکرٹاروں کے بینک بھی ان کی مشترکہ خاندانی تنظیم تھے تاکہ اس طرح تجارتی ادارے کا ڈھانچہ بھی خاندان کی طرح رہے۔ اسی طرح تجارتی اور بینکنگ کے تمام عمل بھی ذات اور رشتے داری کے تعلقات کے ذریعے منظّم تھے۔ مثال کے طور پر، چیٹّی یار تاجروں کی ذات پر مبنی سماجی ڈھانچہ یا تعلقات نے انھیں جنوبی مشرقی ایشیا اور سیلون میں اپنی سرگرمیاں بڑھانے میں مدد دی۔ ایک نظریہ سے ناکرٹاروں کی ہندوستانی معاشی سرگرمیوں کو ایک طرح کا دیسی سرمایہ دارانہ نظام کہہ سکتے ہیں۔ یہ تشریح ہمیں یہ سوال پوچھنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ کیا سرمایہ داری کی کوئی دوسری شکل ہے یا تھی جو یورپ کی سرمایہ داری سے مختلف ہے (روڈنر 1994)

باکس 4.2

تامل ناڈو کے ناکرٹاروں میں ذات پر مبنی تجارت

اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ناکرٹاروں کے بینکنگ نظام کی شکل ماہرین معاشیات کے مغربی طرز کے بینکنگ نظام کے خاکے سے ملتی ہے..... ناکرٹاروں میں ایک دوسرے سے قرض لینا یا پیسہ جمع کرنا ذات پر مبنی سماجی تعلقات سے جڑا ہوتا تھا جو تجارت کے قطعۂ ارض، رہائشی مکانات، وراثت، شادی اور یکساں برادری کی رکنیت پر مبنی تھا۔ جدید مغربی بینکنگ نظام کے خلاف ناکرٹاروں میں نیک نامی (ساکھ) فیصلہ، صلاحیت اور جمع سرمایہ جیسے نظریات کے مطابق لین دین ہوتا تھا نہ کہ سرکار کے مرکزی کنٹرول بینک کے اصولوں کے مطابق، اور یہی شناخت پوری ذات کے نمائندے کی طرح ہر ایک اکیلے ناکرٹار فرد کے اس نظام میں اعتماد و بھروسے کو یقینی بناتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ناکرٹاروں کا بینکنگ نظام ایک ذات پر مبنی بینکنگ نظام تھا۔ ہر ایک ناکرٹار نے اپنی زندگی کو مختلف قسم کے اجتماعی اداروں میں شامل ہونے اور اس کا انتظام کرنے کے مطابق منظّم کیا تھا۔ یہ وہ ادارے تھے جو ان کی برداری میں سرمایہ جمع کرنے اور بانٹنے میں جٹے ہوئے تھے۔

ماخذ: روڈنر 1994:234

© NCERT not to be republished

باکس 4.2 کے لیے مشق

باکس میں دیے کاسٹ اینڈ کیپٹل ازم ان کالونیل انڈیا (روڈنر 1994) سے لیے گیے اقتباس کو پڑھیے اور مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب دیجیے۔

1۔ مصنف کے مطابق، ناکرٹاروں کے بینکنگ نظام اور جدید مغربی بینکنگ نظام میں کیا اہم فرق ہے؟

2۔ ناکرٹاروں کی بینکنگ اور تجارتی سرگرمیاں دوسرے سماجی ڈھانچوں سے کن مختلف طریقوں سے جڑی ہوئی ہیں؟

3۔ کیا آپ جدید سرمایہ دارنہ معاشی نظام کے تحت ایسی مثال سوچ سکتے ہیں جہاں معاشی سرگرمیاں ناکرٹاروں کی ہی طرح سماجی ڈھانچے میں گھلی ملی ہوں؟

بازاروں کی سماجی تنظیم: روایتی تجارتی برادریاں

ہندوستانی معیشت کے کئی سماجیاتی مطالعے 'روایتی تجارتی برادریوں' یا ذاتوں جیسے ناکرٹاروں پر مرکوز ہے۔ جیسا کہ آپ اچھی طرح سے جان گئے ہیں کہ زمین پر حق، تجارتی اختلاف اور دوسرے مضامین کے سیاق میں ذات کے نظام اور معاشی نظام میں گہرا تعلق ہے۔ یہ بات بازاروں اور تجارتوں پر بھی اتنی ہی عائد ہوتی ہے۔ درحقیقت 'ویشیہ' چار ورنوں میں سے ایک ہے، یہ سچائی ہندوستانی سماج میں دور قدیم سے تجارت اور تاجروں کی اہمیت کو واضح کرتی ہے حالاں کہ دوسرے ورنوں کی طرح 'ویشیہ' کی حیثیت اکثر ٹھہری ہوئی شناخت یا سماجی حیثیت کے مقابلہ میں حق یا خواہش سے حاصل کی ہوئی ہوتی ہے۔ حالاں کہ کچھ ایسی ویشیہ برادریاں بھی ہیں (جیسے، شمالی ہندوستان کے بنیئے) جن کا روایتی پیشہ ایک لمبے عرصے سے تجارت یا کاروبار رہا ہے۔ کچھ جات کے گروہ بھی ہیں جو تجارت میں شامل ہوگئے ہیں۔ ایسے گروہ ترقی کرنے کے عمل میں 'ویشیہ' کی حیثیت پانے کے خواہش مند ہیں یا اس پر حق جتاتے ہیں۔ ہر ذات برادری کی تاریخ کی طرح، اس سیاق میں بھی ذات حیثیت یا پہچان اور ذات کے عمل جس میں کاروبار بھی شامل ہیں کے درمیان ایک پیچیدہ تعلق ہوتا ہے۔ ہندوستان میں 'روایتی کاروباری برادریوں' میں صرف 'ویشیہ' ہی نہیں بلکہ اور گروہ بھی اپنی الگ مذہبی یا دوسری اجتماعی شناختوں کے ساتھ شامل ہیں جیسے پارسی، سندھی، بوہرا یا جین۔ تجارتی برادریوں کی سماج میں ہمیشہ اونچی حیثیت نہیں رہی ہے۔ مثلاً نوآبادیاتی حکومت کے

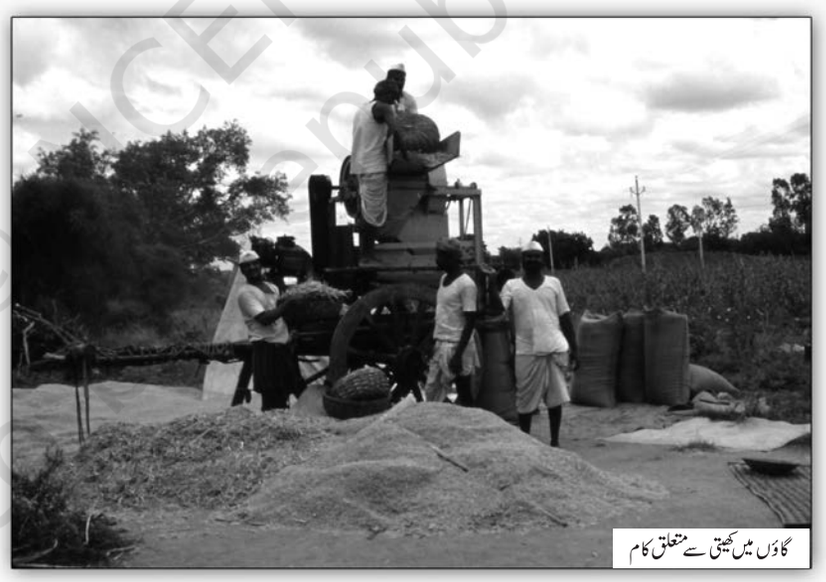

گاؤں میں کھیتی سے متعلق کام

© NCERT not to be republished

دور میں نمک کی دور دراز تک تجارت ایک حاشیائی قبائلی گروہ، بنجارا کے ذریعے ہوتی تھی۔ ہر ایک صورت میں برادری کے اداروں کی خاص شکل اور ان کا طریقۂ عمل مختلف اداروں اور تجارتی رسم و رواج کو فروغ دیتا ہے۔

ہندوستان میں ماضی اور دور حاضر کے ماحول میں بازاروں کے چلن کو سمجھنے کے لیے اس بات کی جانچ کر سکتے ہیں کہ کس طرح تجارت کے کچھ خاص حلقوں پر کچھ خاص برادریوں کا قبضہ ہوتا ہے۔اس ذات پر مبنی تخصیص کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تجارت اور خرید و فروخت عام طور پر ذات اور رشتہ داری کے تانے بانے میں ہی ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے ناکرٹاروں کے معاملہ میں دیکھا۔ چوں کہ تاجر اپنی برداری کے لوگوں پر دوسروں کے مقابلے زیادہ یقین کرتے ہیں۔ اس لیے وہ باہر کے لوگوں کے بجائے انھیں تعلقات میں تجارت کرتے ہیں اور اس سے تجارت کے کچھ علاقوں پر ایک ذات کی اجارہ داری ہوجاتی ہے۔

سرگرمی 4.1

آپ جس شہر یا قصبہ میں رہتے ہوں، وہاں کے بازاروں اور خرید و فروخت کے حلقوں کا معائنہ کیجئے۔ تلاش کیجئے کہ وہاں کون سے مشہور تاجر اور کس برادری سے ان کا تعلق ہے؟ کیا اُس حلقے میں کچھ خاص تجارتوں کو خاص تاجر برادریوں کے ذریعے قابو میں رکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر زیورات کی دکانیں، کیرانہ کی دکانیں اور لوہے کے سامان، فرنیچر بنانے کی دکانیں اور بھی اسی طرح کی۔ان دکانوں کا دورہ کریں اور معلوم کریں کہ کن تاجروں کے ذریعے یہ دکانیں چلائی جاتی ہیں اور وہ کس برادری کے ہیں۔ کیا وہ خاندانی تجارت کرتے ہیں۔

نوآبادیات اور نئے بازاروں کا ظہور

نوآبادیات کی ابتدا کے ساتھ ہی ہندوستانی معاشی نظام میں گہری تبدیلیاں ہوئیں جس کے سبب پیداوار، تجارت اور زراعت میں انقلابی انتشار آیا۔ ایک جانی پہچانی مثال ہے ہینڈلوم کے کام کا خاتمہ ہوجانا۔ ایسا اس لیے ہوا کہ اُس وقت کے بازاروں میں انگلینڈ سے سستے بنے کپڑوں کا ڈھیر لگا دیا گیا تھا۔ حالاں کہ ہندوستان میں نوآبادیات کے دور سے پہلے ہی ایک پیچیدہ زری معیشت موجود تھی زیادہ تر تاریخ داں نوآبادیات کے زمانے کو ایک نقطۂ انقلاب کے طور پر دیکھتے ہیں۔نوآبادیاتی حکومت کے دوران، ہندوستان دنیا کے معاشی نظام سے اور زیادہ جڑ گیا۔ انگریزی حکومت سے پہلے ہندوستان بنے بنائے سامان کی برآمدات کا اہم مرکز تھا۔نوآبادیات کے بعد ہندوستان کچے مال اور زرعی سامان کا ذریعہ اور تیار سامان کا خریدار بن گیا تھا۔ یہ دونوں کام انگلینڈ کے کارخانوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے کیے گئے۔تقریباً اسی وقت نئے گروہ (خاص کر یورپی) تجارت اور کاروبار میں آنے لگے، وہ یا تو پہلے سے جمی ہوئی تجارتی برادری سے میل جول بڑھا کر اپنی تجارت شروع کرتے تھے یا اُن برادریوں کو ان کی تجارت چھوڑنے پر مجبور کرتے لیکن ہندوستان میں پہلے سے موجود بازار کے معاشی اداروں کو پوری طرح سے برباد کرنے کی بجائے ہندوستان میں بازار کے معاشی نظام کی توسیع میں کچھ تجارتی برادریوں کو نئے مواقع مہیا کیے۔ جنھوں نے بدلتے ہوئے معاشی ماحول کے مطابق خود کو ڈھالا اور اپنی حیثیت کو سدھارا۔ کچھ ایک معاملوں میں نوآبادیات کے ذریعے مہیا کرائے گئے معاشی مواقع کا فائدہ اٹھانے کے لیے نئی برادریاں بنیں جنھوں نے آزادی کے بعد بھی اپنی معاشی طاقت کو برابر بنائے رکھا۔

اس عمل کی ایک عمدہ مثال مارواڑی ہیں، جو شاید ہندوستان میں ہر جگہ پائی جانے والی سب سے جانی پہچانی تجارتی برادری ہے۔ مارواڑیوں کی رہنمائی برلا جیسے نامی صنعتی گھرانوں سے تو ہے ہی، چھوٹے چھوٹے دکان داروں اور تاجروں سے بھی ہے، جو

© NCERT not to be republished


نئے بازار

ہر قصبے کے بازاروں میں بسے ہوئے ہیں۔ نوآبادیاتی حکومت کے دوران ہی مارواڑی ایک کامیاب تجارتی برادری بنے، جب انھوں نے نو آبادیاتی شہروں جیسے کولکاتا میں ملنے والے نئے مواقع کا فائدہ اُٹھایا اور تجارت اور ساہوکاری جاری رکھنے کے لیے ملک کے تمام حصوں میں آباد ہوگئے۔ ناکرٹاروں کی طرح مارواڑیوں کی کامیابی بھی اُس گہرے سماجی ڈھانچے کی وجہ سے ہے جس نے ان کے بینکنگ نظام کو چلانے کے لیے ضروری اعتماد سے بھرپور تعلقات کو قائم کیا۔ بہت سارے مارواڑی خاندان اتنا سرمایہ جوڑ پائے کہ وہ لوگوں کو سود پر قرض دینے لگے، بینکوں کی طرز پر چلنے کے سبب ہندوستان میں انگریزوں کے کاروبار میں بھی توسیع ہوئی (ہارڈگروف 2004)۔ نوآبادیات کے آخری دنوں میں اور آزادی کے بعد کچھ مارواڑی خاندانوں نے اپنے آپ کو جدید صنعتوں میں تبدیل کرلیا اور آج ہندوستان میں کسی دوسری برادری کے مقابلے میں مارواڑیوں کی صنعت میں سب سے بڑی حصے داری ہے۔ نوآبادیات کے دوران ایک نئی تجارتی برادری کا ابھر کر آنا اور اُس کا چھوٹے مہاجر تاجر سے بڑے ساہوکار اور صنعت کاروں میں بدل جانے کی یہ کہانی معاشی عمل میں سماجی تعلق کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔

سرمایہ داری کو ایک سماجی نظام کے طور پر سمجھنا

جدید سماجیات کے بانیوں میں سے ایک کارل مارکس جدید سرمایہ داری کے نقاد بھی تھے۔ مارکس نے سرمایہ داری کو جو کہ مزدور کی اجرت پر منحصر ہے تجارتی مال کی پیداوار یا بازار کے لیے پیداوار کرنے کے نظام کے طور پر سمجھا۔ جیسا کہ آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ مارکس نے لکھا ہے کہ سبھی معاشی نظام سماجی نظام بھی ہیں۔ ہر ایک پیداوار کا طریقہ خاص پیداواری رشتوں سے بنتا ہے اور آخر کار وہ ایک خاص طبقہ کے ڈھانچے کو تیار کرتے ہیں۔ مارکس نے اس بات پر زور دیا ہے کہ معاشی نظام اشیا سے نہیں بلکہ لوگوں کے بیچ رشتوں سے بنتا ہے جو پیداوار کے عمل کے ذریعے ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔ سرمایہ دار پیداوار کے طریقے کے تحت، مزدوری یا محنت بھی ایک بکاؤ سامان بن جاتی ہے کیوں کہ مزدوروں کو اپنی محنت کی قوت کو بازار میں بیچ کر ہی مزدوری کمانی ہوتی ہے اس طرح دو بنیادی طبقات کو فروغ ملتا ہے، جو پیداوار کے ذرائع (جیسے کارخانوں) کے مالک اور مزدور، جو اپنی محنت سرمایہ دار کو بیچتے ہیں۔ سرمایہ دار طبقے کو اس نظام سے منافع ہوتا ہے کیوں کہ وہ مزدوروں کو ان کے کام کے برابر دام نہیں دیتے ایسا کرتے ہوئے وہ ان کی محنت سے 'زائد قیمت' نکال لیتے ہیں۔ مارکس کے سرمایہ دارانہ معاشی نظام اور سماج کے نظریے نے انیسویں اور بیسویں صدیوں میں سرمایہ دار کی شکل کے بارے میں مختلف نظریات اور بحث میں جان ڈال دی۔

© NCERT not to be republished

تجارتی مال اور استعمال

دنیا کے ہر ایک کونے میں سرمایہ داری کی ترقی سے زندگی کے ہر شعبہ اور حصے میں بازاروں کو وسعت ملی جو کہ پہلے اس نظام سے اچھوتے تھے۔ تجارتی مال کا یہ سلسلہ تب ہوتا ہے جب کوئی چیز بازار میں بیچی اور خریدی نہ جاسکتی ہو اور اب وہ بیچی اور خریدی جاسکے یعنی اب وہ بازار میں بکنے والی ایک چیز بن گئی ہے جیسے محنت اور ہنر اب ایسی چیزیں ہیں جو خریدی اور بیچی جاسکتی ہیں۔ مارکس اور سرمایہ داری کے دوسرے تنقید نگاروں کے مطابق تجارتی مال کے عمل کے منفی سماجی اثرات ہوتے ہیں۔ محنت کا تجارتی مال اس کی ایک مثال ہے لیکن عصری سماج میں ایسی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً آج کل ایک متنازعہ واقعہ ہے غریب لوگوں کے ذریعے اپنے گردے امیر لوگوں کو بیچنا جنھیں گردے بدلوانے کی ضرورت ہے۔ بہت سے لوگوں کا ماننا ہے کہ انسانی جسموں کی تجارت نہیں ہونی چاہیے۔ پہلے زمانے میں انسانوں کو غلام کے طور پر بیچا اور خریدا جاتا تھا، پر آج کے دور میں لوگوں کو اشیا کی طرح سمجھنا غیر اخلاقی مانا جاتا ہے۔ ہر ایک جدید سماج میں تقریباً ہر کوئی یہ مانتا ہے کہ انسان کی محنت کو خریدا جاسکتا ہے یا پھر پیسوں کے بدلے میں دوسری خدمات یا ہنر کو مہیا کرایا جاسکتا ہے۔ مارکس کے مطابق یہ وہ حالات ہیں جو کہ صرف سرمایہ دار سماجوں میں ہی پائے جاتے ہیں۔

سرگرمی 4.2

اشیانا یا اشیا کاری یہ دونوں بڑے الفاظ ہیں جو سننے میں پیچیدہ معلوم ہوتے ہیں لیکن جن اعمال کی طرف وہ اشارہ کرتے ہیں، ان سے ہم واقف ہیں وہ ہماری روزمرہ کی زندگی کا حصہ ہیں۔ ایک عام مثال ہے: بوتل بند پانی۔

شہر یا قصبے میں، یہاں تک کہ زیادہ تر گاؤں میں بھی بوتل کا پانی خریدنا اب ممکن ہے: 1-2 لیٹر یا اس سے چھوٹے پیمانے میں وہ ہر جگہ بیچی جاتی ہے۔ مختلف کمپنیاں ہیں اور مختلف برانڈ کے نام ہیں جس سے پانی کی بوتلیں پہچانی جاتی ہیں۔ لیکن یہ ایک نیا سلسلہ ہے جو دس پندرہ سال سے زیادہ پرانا نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ آپ خود اُس وقت کو یاد کرسکتے ہیں جب پانی کی بوتلیں نہیں بکا کرتی تھیں اپنے بڑوں سے پوچھیے۔ والدین کی پیڑھی کے لوگوں کو یہ بالکل عجیب لگا ہوگا اور آپ کے دادا دادی کے زمانے میں تو اس انوکھی چیز کے بارے میں لوگوں نے نہ سنا ہوگا نہ سوچا ہوگا۔ ایسا سوچنا بھی کہ پینے کے پانی کے لیے کوئی رقم مانگ سکتا ہے، ان کے لیے ناقابل یقین بات ہوگی۔ لیکن آج ہمارے لیے یہ ایک عام اور معمولی سی بات ہے کہ ہم پانی کی بوتل خریدتے ہیں اور اب یہ ایک تجارتی مال ہے جسے خریدا یا بیچا جاسکتا ہے اسی کو اشیانا کہتے ہیں۔

یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے کوئی بھی چیز جو بازار میں نہ بکتی ہو وہ بازار میں بکنے والی ایک شے بن جائے اور بازار کی معیشت کا ایک حصہ۔ کیا آپ ایسی چیزوں کے بارے میں سوچ سکتے ہیں جو حال ہی میں بازاروں میں شامل ہوئی ہوں؟ یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کسی شے کی ہی اشیا کاری ہو بلکہ کسی خدمت کو بھی فروخت کرنے والی شے بنایا جاسکتا ہے۔ ایسی چیزوں کے بارے میں سوچیں جو آج قابل فروخت شے بھلے نہ ہوں پر مستقبل میں ہوسکتی ہوں۔ آپ اسباب بھی سوچیں کہ ایسا کیوں ہوگا۔ آخر میں اس بارے میں بھی سوچیں کہ پہلے زمانے کی کچھ چیزیں اب فروخت کیوں نہیں ہوتیں؟ (یعنی پہلے لین دین میں جن کی قیمت تھی لیکن اب نہیں) کیوں اور کب کوئی چیز تجارتی مال نہیں رہ جاتی؟

© NCERT not to be republished


DNIe
Digital Natural Image engine
LOADED. FULLY ADDICTIVE.
Get hold of one today.
You'll agree, it's addictive.

عصری ہندوستان میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کچھ چیزیں یا اعمال جو پہلے بازار کا حصہ نہیں تھیں اب وہ بازار میں ملنے والی چیزیں ہوگئی ہیں۔ جیسے روایتی طور پر شادیاں پہلے خاندان کے لوگوں کے ذریعے طے کی جاتی تھیں پر اب تجارتی شادی بیورو کی بھرمار ہے جو ویب سائٹس یا کسی اور ذریعے سے لوگوں کی شادیاں طے کراتے ہیں اور اس کی اُجرت لیتے ہیں۔ دوسری مثال ہے، مختلف ذاتی ادارے جو 'شخصیت سنوارنے' 'انگریزی بولنا سکھانا' اور دوسری چیزوں کے لیے نصابوں کی تعلیم دیتے ہیں جو کہ طالب علموں کو (زیادہ تر متوسط نوجوانوں کو) عصری دنیا میں کامیاب ہونے کے لیے جزوی ثقافتی اور سماجی ہنر سکھاتے ہیں۔ زمانے میں سماجی ہنر جیسے اچھے اخلاق و ادب اور تمیز و تہذیب خاص طور پر خاندان میں ہی سکھایا جاتا تھا۔ یا ہم اس سلسلہ میں اس طرح بھی سوچ سکتے ہیں کہ آج کل جو ذاتی اداروں میں مقابلہ آرائی چل رہی ہے، نئے اسکول اور کالج اور کوچنگ کی کلاسوں کو چلانے کے لیے بھی اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ کس طرح سے تعلیم کو تجارتی مال بنا دیا گیا ہے۔

سرمایہ دارانہ سماج کی ایک اہم خصوصیت ہے کہ صرف زیادہ سے زیادہ اہم ہوجاتا ہے اور اس کے صرف معاشی اسباب نہیں بلکہ اس کا ایک اشارتی مفہوم بھی ہے۔ جدید سماجوں میں صرف ایک اہم طریقہ ہے جس میں سماجی امتیاز اور ترسیل کو وجود میں لایا جاتا ہے۔ صارف اپنی سماجی، معاشی حیثیت یا ثقافتی ترجیحات کو کچھ خاص چیزوں کو خرید کر یا پھر ان کا مظاہرہ کرکے ظاہر کرتا ہے اور کمپنیاں اُن باتوں پر غور کرتی ہیں اور وہ اپنا سامان، حقیقت یا ثقافت کی علامت کی بنیاد پر بناتی اور بیچتی ہیں۔ ٹیلی ویژن پر آنے والے اور سڑکوں پر لگے اشتہاروں کے بارے میں جنھیں ہم روز دیکھتے ہیں اُس اشتہار میں چھپے ہوئے معنی کے بارے میں سوچیے جسے اشتہار دینے والے نے اپنے مال کی فروخت کے لیے اشتہار سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔

سماجیات کے بانیوں میں سے ایک میکس ویبر (Max Weber) نے پہلی بار اس بات کو لوگوں کے سامنے رکھا کہ لوگ جو سامان خریدتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں وہ سماج میں ان کی حیثیت کے ساتھ گہرائی سے جڑا ہوتا ہے۔ انھوں نے اسے حیثیت کی علامت کا نام دیا۔ مثال کے طور پر ہندوستان میں آج متوسط گھرانے کے لوگوں کے پاس کار کا جو ماڈل ہوتا ہے یا جس کمپنی کے سیل فون استعمال کرتے ہیں وہ ان کی سماجی معاشی حیثیت کا اندازہ لگانے کے اہم ذرائع ہیں۔ ویبر نے اس بارے میں لکھا کہ کس طرح سے لوگوں کی طرز زندگی کی بنیاد پر اُن کے طبقوں اور حیثیت کے گروہ میں اختلاف ہوتا ہے۔ صرف زندگی کا ایک پہلو ہے لیکن اس میں یہ باتیں بھی شامل ہوتی ہیں کہ آپ اپنے گھر کو کس طرح سے سجاتے ہیں، آپ کس طرح کے کپڑے پہنتے ہیں، کس طرح کی تفریح کو پسند کرتے ہیں اور روزمرہ کی زندگی کے دوسرے پہلو بھی اس میں شامل ہیں۔ ماہرینِ سماجیات جدید زندگی میں استعمال کی شکل اور طرزِ زندگی کی ثقافتی اور سماجی اہمیت کے اسباب کا مطالعہ کرتے ہیں۔

سرگرمی 4.3

اشتہاروں کی تشریح

اخباروں اور کتابوں سے اشتہار جمع کریں۔ اُن میں سے دو یا تین اشتہار چنیں جو آپ کو دلچسپ لگتے ہوں۔ ان میں ہر ایک اشتہار کے لیے مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کریں۔

1۔ کس پروڈکٹ کو مشتہر کیا جارہا ہے اور اس پروڈکٹ کی کس طرح تصویر پیش کی جارہی ہے؟

2۔ اشتہار دینے والوں نے کس طرح سے ایک سماجی حیثیت اور طرز زندگی کو اپنے سامان سے جوڑنے کی کوشش کی ہے؟

© NCERT not to be republished

4.3 عالم گیریت: مقامی، علاقائی، قومی اور بین الاقوامی بازاروں کا گٹھ جوڑ

1980 کی دہائی کے اواخر سے، ہندوستان اپنی معاشی تاریخ کے نئے دور میں داخل ہوا جو کہ خاص طور سے حکومت کے زیر کنٹرول ترقی کی کھلے بازار کی معاشی پالیسی میں تبدیلی کے سبب ہوا۔ اس تبدیلی سے عالم گیریت کے دور کی شروعات ہوئی۔ یہ وہ دور ہے جس میں دنیا صرف معاشی طور پر ہی نہیں بلکہ ثقافتی اور سیاسی طور پر بھی پہلے سے زیادہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی

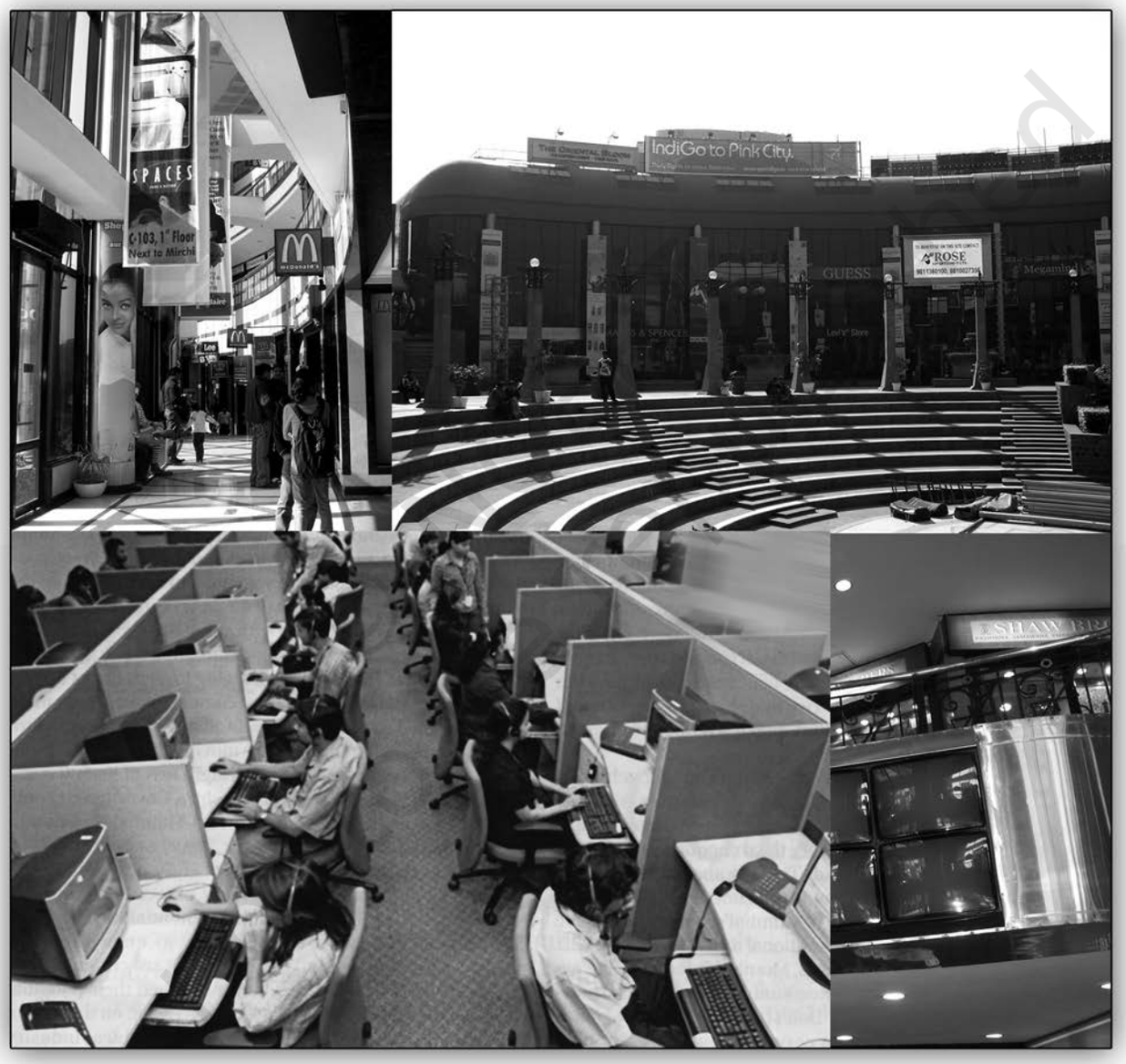

ہے۔ عالم گیریت کے کئی پہلو ہیں ان میں سے خاص ہیں، بین الاقوامی سطح پر تجارتی اشیا، پونجی، اطلاعات اور لوگوں کا آنا جانا اس کے ساتھ ہی ٹیکنالوجی (کمپیوٹر، ٹیلی مواصلات اور ذریعۂ نقل وحمل) اور دوسری بنیادی سہولیات کی ترقی، جو اس تحریک کو جلا بخشتی ہیں۔

عالم گیریت کی ایک مرکزی خصوصیت دنیا کے چاروں طرف بازار کو وسعت دینا اور ربط کو بڑھانا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے دنیا کے کسی کونے میں کسی بازار میں تبدیلی ہوتی ہے تو دوسرے کونوں میں اُس کا گہرا اثر پڑ سکتا ہے۔ جیسے اگر امریکی بازار میں گراوٹ آتی ہے تو ہندوستان کی سافٹ ویئر کی صنعت میں گراوٹ آئے گی (جیسا کہ نیویارک میں عالمی تجارتی مرکز پر 9/11 کے حملے کے بعد ہمیں دیکھنے کو ملا تھا)۔ جس سے اس حلقۂ میدان میں لوگوں کی تجارت اور نوکریاں جاتی رہیں۔ سافٹ ویئر سروس انڈسٹری اور بزنس پراسس آؤٹ سورسینگ (BPO) انڈسٹری (جیسے کہ کال سینٹر) اُن اہم صنعتوں میں سے ہیں جن کے ذریعے ہندوستان عالمی معاشی نظام سے برابر جڑتا جا رہا ہے۔ یہاں کی کمپنیاں مغرب کے ترقی یافتہ ممالک کے خریداروں کو سستی قیمت پر محنت اور خدمات مہیا کراتی ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اب ہندوستانی سافٹ ویئر سے متعلق خدمات اور اُسی طرح کی دوسری خدمات کا دنیا بھر میں ایک بازار بن گیا ہے۔

عالم گیریت کے ذریعے صرف سرمایے اور اشیا کا ہی نہیں بلکہ لوگوں، ثقافتی پیداوار اور شخصیت کی بھی دنیا بھر میں گردش ہوتی ہے۔ یہ لین دین کے نئے دائروں سے داخل ہوتی ہے اور نئے بازاروں کی تعمیر کرتی ہے۔ پیداوار، خدمات اور ثقافتی عنصر جو پہلے بازار کے نظام سے باہر تھے اب اس کا حصہ ہیں۔ ایک مثال ہندوستان کی روحانیت اور نظام علوم (جیسے یوگ اور آیورویدا) کا

ورچوئل بازار: وقت اور فاصلے پر فتح

باکس 4.3

میسور سے ناسداق کا افتتاح
اِنفوسس کا ریموٹ آپریشن کا ریکارڈ، جس سے یو ایس شیئر بازار کھلا

میسور: اگر آپ کو اب تک نہیں لگتا کہ دنیا ہموار ہوگئی ہے تو اس پر غور کریں۔ انفوسس ٹیکنالوجی نے ناسداق کے شیئر بازار کی صبح افتتاح کا اعلان کیا وہ بھی میسور میں رہتے ہوئے۔ یہاں شام کے سات بجے (امریکہ میں صبح کے 9:30 بجے) انفوسس کے چیئرمین اور سرپرست اعلیٰ این آر نارائن مورتی نے ایک گھنٹی بجا کر ناسداق کے ٹائمس اسکوائر، نیویارک کے بازار کی جگہ پر دوشنبہ بازار کی شروعات کی..... یہ ابتدائی گھنٹی، ایک تقریبی واقعہ ہے جو ناسداق کے بالواسطہ بازار کی ڈیزائن کی علامت ہے۔ چوں کہ ناسداق کا عمل مکمل طور پر الیکٹرانک ہے لہٰذا اس کی شروعات دنیا کے کسی بھی حصے سے ہوسکتی ہے اور علامتی طور پر تجارت کے ہر ایک دن کی شروعات پونجی لگانے والوں اور حصہ لینے والوں کو ایک دوسرے سے جوڑتی ہے۔

مآخذ: ٹائمس آف انڈیا: بنگلور 1 اگست 2006 میں ایک خبر

© NCERT not to be republished

باکس 4.3 کے لیے مشق

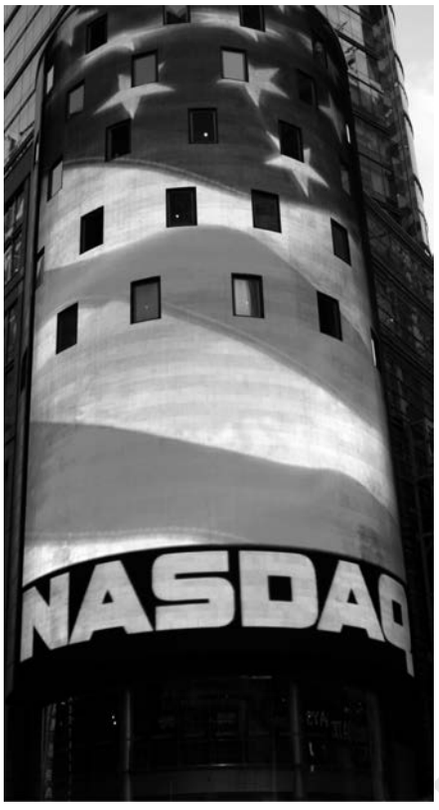

ناسداق ایک اہم الیکٹرانک اسٹاک ایکسچینج ہے جو نیویارک میں موجود ہے۔ یہ خاص طور سے کمپیوٹر پر مبنی الیکٹرانک ترسیل کے ذرائع سے ہوتا ہے۔ یہ تمام دنیا کے بروکروں اور پیسہ لگانے والوں کو اُن کمپنیوں کے شیئر (حصہ) خرید وفروخت میں مدد کرتا ہے جو اس میں رجسٹرڈ ہیں۔ یہ سودے صحیح وقت پر ہوتے ہیں یعنی چند سیکنڈ میں معاملے طے کر دیے جاتے ہیں اور وہ بھی بنا کاغذی کاروائی یا کاغذی نوٹوں کے۔ اوپر دی گئی خبر کے حصہ کو غور سے پڑھیں اور مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب دیں۔

1۔ ایک اسٹاک بازار میں تجارت (جیسے کہ ناسداق یا ممبئی اسٹاک ایکس چینج) دوسرے بازاروں میں تجارت سے کیسے الگ ہے؟ آپ اسٹاک ایکس چینج کے بارے میں اخباروں، میگزینوں اور انٹرنیٹ سے اور معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

2۔ یہ واقعہ جو کہ امریکہ میں موجود ناسداق بازار میسور سے انفوسس کے چیئرمین نارائن مورتی کے ذریعے کیے گئے افتتاح کے بارے میں ہے۔ آپ کو آج کی دنیا کے بازاروں کے بارے میں (خاص کر شیئر اور معاشی بازار کے بارے میں) اور ہندوستان کے عالمی معاشی نظام سے تعلقات کے بارے میں کیا بتاتا ہے؟

3۔ خبر میں افتتاح کے واقعے کو ایک تقریب کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ کیا آپ ایسی ہی کسی دوسری تقریب کی رسم کے بارے میں سوچ سکتے ہیں جو دوسری قسم کے بازاروں میں اہم ہیں؟

باکس 4.4

جب بازار ایک تجارتی مال بن جائے: پُشکر کا اونٹوں کا میلہ

''کارتک کا مہینہ آتے ہی ..... شستر بان اپنے ریگستانی جہازوں کو سجاتے ہیں اور کارتک پورنیما کے موقع پر وقت پر پہنچنے کے لیے پشکر کی لمبی مسافت کے لیے نکل پڑتے ہیں۔ ہر سال تقریباً 2,00,000 لوگ اور 50,000 اونٹ اور دوسرے جانوروں کا یہاں ہجوم ہوتا ہے۔ وہ منظر دیکھتے ہی بنتا ہے جب رنگ شور وغل اور چہل پہل سے لوگ گھرے ہوتے ہیں۔ موسیقی داں سیاح، تاجر، مویشی اور عقیدت مند سب ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ ایک طرح سے یہاں اونٹوں کو سجا سنوار کر انھیں آزاد کیا جاتا ہے۔ جس میں بھٹے کے بال کی طرح بال سنوارے ہوئے اونٹوں، پازیبوں کی جھنکار، سوزن کاری کیے ہوئے لباس اور ٹم ٹم پر سوار لوگوں سے آپ کی حیرت انگیز ملاقات ہو سکتی ہے۔''

اونٹوں کے میلے کے ساتھ ہی ساتھ مذہبی صورت حال بھی ایک وحشیانہ، جادو کے نقطۂ عروج پر ہوتی ہے۔ اگربتیوں کا گھنا دھواں اور منتروں کا شور اور میلے کی آخری رات میں ہزاروں عقیدت مند ندی میں غوطہ لگا کر اپنے گناہ دھوتے ہیں اور مقدس پانی میں ٹمٹماتے دیے چھوڑتے ہیں۔''

(ماخذ: لونلی پلینٹ ٹورسٹ گائڈ بک فار انڈیا: گیارھواں ایڈیشن)

© NCERT not to be republished

باکس 4.4 کے لیے مشق

باکس 4.4 میں دیے گئے اقتباس کو پڑھیں جو کہ غیر ملکی سیاحوں کے لیے ایک کتاب سیاحت سے ماخوذ ہے۔ اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد آپ یہ جان پائیں گے کہ کس طرح سے ایک بازار، اس معاملے میں روایتی سالانہ مویشی بازار اور پشکر کا میلہ دیگر بازاروں میں فروخت ہونے والی اشیا میں تبدیل ہوگئے ہیں دوسرے بازار یہاں سیاحت بازار ہیں۔ سوالوں کا جواب دینے سے پہلے کلاس میں اس مضمون کے بارے میں بحث ومباحثہ کریں۔



پشکر میلے میں مویشی بازار

1۔ پشکر کا بین الاقوامی سیاحت کے حلقے میں آجانے سے اس جگہ کون سی نئی اشیا، خدمات رقم اور عوام کے حلقوں کی توسیع ہوئی ہے؟

2۔ آپ کے خیال میں بڑی تعداد میں ہندوستانی اور غیر ملکی سیاحوں کی آمد کے سبب میلے کی شکل کس طرح سے بدل گئی ہے؟

3۔ اس جگہ کا مذہبی جوش وخروش کس طرح سے اُس کی بازاری قیمت کو بڑھاتا ہے؟ کیا ہم کہہ سکتے ہیں ہندوستان میں روحانیت کا ایک بازار ہے؟

4۔ کیا آپ ایسی ہی مثال سوچ سکتے ہیں جس میں مذہب، روایات، علم یا یہاں تک کہ نقش بھی (مثال کے لیے روایتی پوشاک میں ایک راجستھانی عورت) عالمی بازار میں اشیا بن گئے ہیں۔

مغرب کے بازار میں ملنا۔ بین الاقوامی سیاح کا بڑھتا بازار بھی یہ اشارہ دیتا ہے کہ خود ثقافت کیسے بازار کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال پُشکر راجستھان میں لگنے والا ایک مشہور سالانہ میلہ ہے جس میں دور دراز سے چرواہے اور تاجر اونٹوں اور دوسرے مویشیوں کو بیچنے اور خریدنے کے لیے آتے ہیں۔ جہاں مقامی لوگوں کے لیے پُشکر میلہ ایک شاندار سماجی اور معاشی موقع ہوتا ہے وہیں اب بین الاقوامی سطح پر بھی ایک بڑے سیاحت کے مقام کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ میلہ سیاحوں کے لیے اور بھی زیادہ کشش کا سبب ہے کیوں کہ یہ کارتک پورنیما کے ٹھیک پہلے آتا ہے جب ہندو زائرین مقدس پشکر تالاب میں غسل کرتے ہیں۔ اس طرح اس موقع پر ہندو زائرین، اونٹوں، تاجروں اور بیرونی سیاحوں کا اجتماع ہوجاتا ہے جس میں صرف مویشیوں اور پیسوں کا ہی لین دین نہیں ہوتا ہے بلکہ مذہبی نیکی اور مذہبی علامتوں کا بھی لین دین ہوتا ہے۔

حریت پسندی پر بحث: بازار بنام ریاست

ہندوستانی معاشی نظام کی عالم گیریت بنیادی طور پر نرم کاری کی پالیسی کے سبب ہوئی جو کہ 1980 کی دہائی میں شروع ہوئی۔ حریت پسندی میں کئی طرح کی پالیسیاں شامل ہیں جیسے سرکاری شعبوں کی نج کاری (سرکاری کمپنیوں کو نجی کمپنیوں کو فروخت کردینا) سرمایہ، محنت اور مزدوری اور تجارت میں سرکاری دخل کو کم کرنا بیرونی اشیا کی آسان درآمد کے لیے محصول میں کمی کرنا اور بیرونی کمپنیوں کو ہندوستان میں صنعت قائم کرنے میں سہولیت دینا۔ بازار گیری یا ان بدلاؤ کو سماجی، سیاسی یا معاشی مسائل کے حل کے لیے بازار یا بازار پر منحصر اعمال (سرکاری قانون اور حکمت عملی کے بجائے) کے استعمال سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اس میں معاشی ضبط کو سرکار کے ذریعے کم یا ختم کردینا، صنعتوں کا ذاتی اور مزدوری اور قیمتوں سے سرکاری ضبط کو ختم کردینا شامل ہے۔ جو لوگ

© NCERT not to be republished

بازار گیری کی حمایت کرتے ہیں اُن کا ماننا ہے کہ اس سے سماج میں معاشی ترقی آئے گی کیوں کہ سرکاری محکمہ کے مقابلے یہ ذاتی ادارے زیادہ باصلاحیت ہوتے ہیں۔

نرم کاری کے پروگراموں کے تحت جو تبدیلی ہوئی اس سے معاشی خوش حالی بڑھی اور اس کے ساتھ ہی ہندوستانی بازاروں کو بیرونی کمپنیوں کے لیے کھولا گیا۔ مثال کے طور پر اب بہت سارے غیر ملکی سامان یہاں فروخت ہوتے ہیں جو پہلے نہیں دستیاب تھے۔ ایسا مانا جاتا ہے کہ غیر ملکی سرمایہ لگانے سے معاشی ترقی ہوتی ہے اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے سرکاری کمپنیوں کی نج کاری کے سبب صلاحیت بڑھتی ہے اور سرکار پر دباؤ کم ہوتا ہے۔ حالاں کہ نرم کاری کا ملا جلا اثر رہا۔ کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ نرم کاری کا ہندوستان کے ماحول پر منفی اثر پڑا اور آنے والے دنوں میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ ہم اپنی زیادہ چیزوں کے مقابل کم چیزیں حاصل کریں گے۔ ہندوستانی صنعت کے کچھ حلقوں (جیسے سافٹ ویئر یا معلومات ٹکنیک) یا کاشت کاری (جیسے مچھلی یا پھل کی پیداوار) کو شاید عالمی بازار سے فائدہ ہوسکتا ہے۔ لیکن دوسرے حلقوں (جیسے آٹو موبائل، الیکٹرانک اور تیل والے اناجوں کی صنعت) پر گہرا منفی اثر پڑے گا کیوں کہ یہ صنعت بیرونی پیداواروں سے مقابلہ نہیں کر پائے گی۔

مثال کے طور پر ہندوستانی کسان اب دوسرے ملکوں کے کسانوں کی پیداوار سے مقابلہ کر رہے ہیں کیوں کہ زراعت سے جڑی پیداوار کی برآمدگی اب ممکن ہے۔ پہلے ہندوستانی زراعت معاون قیمت اور سبسڈی (Subsidy) کے ذریعے بین الاقوامی بازار میں محفوظ تھی۔ یہ حمایتی قیمت کسانوں کی کم سے کم آمدنی کو طے کرتی ہے کیوں کہ یہ وہ قیمت تھی جس پر سرکار زراعت کی پیداواروں کو خریدنے کے لیے تیار رہتی ہے۔ سبسڈی سے کسانوں کے ذریعے استعمال میں آنے والی چیزوں (جیسے کھاد ڈیزل تیل) کی قیمت بھی سرکار کم کر دیتی تھی۔ نرم کاری بازار میں اس قسم کی سرکاری مدد کے خلاف ہے۔ اس لیے سبسڈی اور معاون قیمتوں کو یا تو گھٹا دیا گیا یا پھر انھیں واپس لے لیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سارے کاشت کار اپنی روزی روٹی کمانے میں ناکام رہے۔ اس طرح چھوٹے صنعت کاروں کا عالمی سطح کے صنعت کاروں کے ساتھ مقابلہ رہا ہے۔ اس میں شک کی گنجائش بھی نہیں کہ ان میں سے کچھ کا بالکل خاتمہ ہی ہوجائے۔ غیر سرکاری اداروں میں ان سرکاری محکموں کے ملازمین کی نوکریاں بھی کم ہوگئی ہیں یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ روزگار کے ذرائع اب مستقل نہیں رہ گئے۔ غیر سرکاری ذاتی غیر منظّم روزگار ابھر کر سامنے آرہے ہیں اور سرکاری محکمے جو کہ منظّم ہیں ان میں روزگار کم ہوتے جارہے ہیں۔ یہ مزدوروں کے لیے اچھا نہیں ہے کیوں کہ منتظم محکمے عموماً کم تنخواہ اور عارضی نوکریاں انھیں دے رہے ہیں۔ (بارھویں جماعت کی دوسری کتاب ہندوستان میں سماجی تبدیلی اور ترقی میں زرعی تبدیلی اور صنعت پر لکھے باب کو دیکھیں۔)

اس باب میں ہم نے دیکھا کہ عصری ہندوستان میں آج ایک دیہی بازار سے لے کر بالواسطہ اسٹاک ایکس چینج جیسے مختلف قسم کے بازار بھی ہیں۔ یہ بازار خود بھی سماجی ادارے ہیں اور ان تمام سماجی اداروں جیسے خاندان ذات طبقے سے مختلف طریقوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ ہم نے یہ بھی جانا کہ لین دین کے معاشی معنی ہی نہیں ہوتے بلکہ اُس کے علامتی اور ثقافتی پہلو بھی ہوتے ہیں۔ مزید برآں وہ طریقے جن کے تحت اشیا اور خدمات کا لین دین ہوتا ہے یا فراہم کی جاتی ہیں نرم کاری اور عالم گیریت کے سبب تیز رفتاری کے ساتھ بدل رہے ہیں۔ ہندوستان کی حریت پسندی کے بعد کے بازار کے ماحول میں جو عالم

© NCERT not to be republished

گیریت کا اہم حصہ بھی ہیں ایسے تمام طریقے اور نظام شامل ہیں جو اشیا، خدمات، ثقافتی علامتوں اور سرمایہ کو بازار میں داخلہ دلواتی ہیں۔ مقامی دیہی بازار سے لے کر بین الاقوامی تجارتی حلقوں تک جیسے ناسداق ۔ آج کے تیزی سے بدلتے دور میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کس طرح بازار لگاتار بدل رہے ہیں اور ان سماجی معاشی تبدیلیوں کے نتائج کیا ہیں۔

1۔ 'پوشیدہ ہاتھ' کا کیا مفہوم ہے؟

2۔ بازار کا سماجیاتی نظریہ، معاشی نظریہ سے کس طرح جدا ہے؟

3۔ کس طرح سے ایک بازار جیسے کہ، ایک ہفتہ وار دیہی بازار ایک سماجی ادارہ ہے؟

4۔ ذات اور رشتہ داری کے تعلق کس طرح تجارت کی کامیابی میں تعاون دیتے ہیں؟

5۔ نوآبادیات کے آنے کے بعد ہندوستانی معاشی نظام کن معنوں میں تبدیل ہوا ہے؟

6۔ مثالوں کے ذریعے 'اشیا یا اشیا کاری' کے معنی کی وضاحت کریں۔

7۔ 'حیثیت کی علامت' کیا ہے؟

8۔ 'عالم گیریت' (عالم کاری) کے تحت کون کون سے اعمال شامل ہیں؟

9۔ 'حریت پسندی' (نرم کاری) سے کیا مراد ہے؟

10۔ آپ کی رائے میں، کیا نرم کاری کے طویل مدتی مفاد اس کی قیمت کے مقابلے میں زیادہ ہو جائیں گے؟ وجوہات کے ساتھ جواب دیں۔

حوالہ جات

Bayly, C.A. 1983 Rulers, Townsmen and Bazaars; North Indian Society in the Age of British Expansion, 1770-1870. Oxford University Press. Delhi.

Durkheim, Emile. 1964 (1933). The Division of Labour in Society. Free Press. New York.

Gell, Alfred. 1982. 'The market wheel: symbolic aspects of an Indian tribal market,' Man (N.S.). 17(3):470-91.

Hardgrove, Anne. 2004. Community and Public Culture; The Marwaris in Calcutta. Oxford University Press. New Delhi.

Malinowski, Bronislaw. 1961 (1921). Argonauts of the Western Pacific. E.P. Dutton and Company. New York.

Mauss, Marcel. 1967. The Gift; Forms and Functions of Exchange in Archaic Societies. W.W. Norton & Company. New York.

Polanyi, Karl. 1944. The Great Transformation. Beacon Press. Boston.

Rudner, David. 1994. Caste and Capitalism in Colonial India; The Nattukottai Chettiars. University of California Press. Berkeley.

Stein, Burton and Subrahmanyam, Sanjay. ed. 1996. Institutions and Economic Change in South Asia. Oxford University Press. New Delhi.

© NCERT not to be republished

نوٹس

© NCERT not to be republished



باب 5

سماجی عدم مساوات اور اخراج کی شکلیں
(Patterns of Social Inequality and Exclusion)

© NCERT not to be republished

2019-20

جیسا کہ آپ نے پچھلے دو ابواب میں خاندان، ذات، قبیلہ اور بازار جیسے سماجی اداروں پر غور کیا۔ تیسرے اور چوتھے باب میں کمیونٹیوں کی تشکیل اور سماج کو قائم رکھنے میں ان اداروں کے کردار کے لحاظ سے ان کا مطالعہ کیا۔ اس باب میں ہم ان اداروں کے اتنے ہی اہم پہلو جیسے کہ سماج میں عدم مساوات یا نابرابری اور اخراج کی شکلوں کی تشکیل کرنے اور اسے قائم رکھنے میں ان کے رول کے بارے میں بات کریں گے۔ ہندوستان میں پلے بڑھے ہم میں سے اکثر لوگ جانتے ہیں کہ سماجی نا برابری اور اخراج زندگی کے حقائق ہیں۔ ہم گلیوں اور ریلوے پلیٹ فارموں پر بھکاریوں کو دیکھتے ہیں۔ ہم چھوٹے چھوٹے بچوں کو گھریلو نوکر، عمارتوں کی تعمیر میں لگے ہوئے مددگار مزدور، صفائی کرنے والے اور سڑکوں کے کنارے بنے ڈھابوں اور چائے کی دوکانوں میں نوکر کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ہمیں ان چھوٹے بچوں کو دیکھ کر حیرت نہیں ہوتی جو شہری گھروں کے متوسط طبقے میں گھریلو نوکروں کے طور پر کام کرتے ہیں، اپنے سے بڑے بچوں کے اسکول بیگ کو لاد کر انھیں اسکول پہنچاتے ہیں، ہمارے ذہن میں فوری یہ نہیں محسوس ہوتا کہ یہ غیر منصفانہ بات ہے کہ کچھ بچوں کو اسکولی تعلیم سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ہم میں سے کچھ اسکولوں میں بچوں کے خلاف ذات پر مبنی تفریق کے بارے میں پڑھتے ہیں۔ ہم میں سے کچھ کو اس کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے خلاف تشدد اور اقلیتی گروپوں اور مختلف طرح کے اہل لوگوں کے خلاف تعصب کی خبریں بھی روزانہ پڑھتے رہتے ہیں۔ سماجی عدم مساوات اور اخراج جو روزانہ واقع ہوتے ہیں اکثر عین متوقع اور تقریباً فطری سے لگنے لگتے ہیں۔ انھیں اس طرح دیکھا جاتا ہے کہ جیسے یہ تو ہونا ہی ہے۔ انھیں نہیں بدلا جا سکتا۔ ہم اس سلسلے میں سوچنے لگتے ہیں کہ کچھ معنی میں یہ حق بجانب ہیں یا اس کا جواز ہے۔ شاید غریب اور حاشیے پر گئے لوگ غریب یا محرومی کا شکار اسی لیے بنے رہتے ہیں کہ ان میں اہلیت نہیں ہوتی یا وہ اپنی حالت کو بہتر بنانے کے لیے کافی محنت نہیں کر پاتے۔ ایسا مان کر ہم انھیں ہی ان کی خراب حالت کے لیے ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ اگر وہ زیادہ محنت کرتے یا ان میں ذہانت ہوتی تو وہ وہاں نہیں ہوتے جہاں وہ آج ہیں۔

غور سے دیکھنے پر ہم یہ پاتے ہیں کہ جب لوگ سماج کے سب سے نچلے درجے میں ہیں وہی سب سے زیادہ محنت کرتے ہیں۔ جنوبی امریکا کی ایک کہاوت ہے، ''اگر محنت اتنی ہی اچھی چیز ہوتی تو امیر لوگ ہمیشہ اسے اپنے لیے بچا کر رکھتے!'' پوری دنیا میں پتھر توڑنا، کھدائی کرنا، بھاری وزن اٹھانا، رکشہ یا ٹھیلا کھینچنا جیسے کمر توڑ کام غریب لوگ ہی کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ اپنی زندگی شاید ہی بہتر بنا پاتے ہیں۔ ایسا کتنی بار ہوتا ہے کہ کوئی غریب مزدور ایک چھوٹا موٹا ٹھیکے دار ہی بن پایا ہو؟ ایسا تو صرف فلموں میں ہی ہوتا ہے کہ سڑک پر پلنے والا بچہ صنعت کار بن سکتا ہے۔ لیکن فلموں میں بھی زیادہ تر یہی دکھایا جاتا ہے کہ ڈرامائی ترقی کے لیے غیر قانونی یا بے ایمانی کا طریقہ اپنایا جانا ضروری ہے۔

سرگرمی 5.1

اپنے پڑوس میں رہنے والے کچھ امیر اور غریب اشخاص کی شناخت کریں جن سے آپ یا آپ کا خاندان واقف ہو (مثال کے لیے ایک رکشہ چلانے والا، قلی یا گھریلو ملازم اور سنیما گھر کا مالک یا ٹھیکے دار یا ہوٹل مالک یا ڈاکٹر آپ کے آس پاس کچھ اور بھی افراد ہو سکتے ہیں)۔ ہر گروپ کے ایک فرد سے اس کے روزانہ کے معمولات معلوم کریں۔ ہر ایک شخص کے کام کے عام دنوں میں (یا اوسطاً) روزانہ کی سرگرمیوں یعنی صبح اٹھنے سے لے کر رات کو سونے تک کی سرگرمیوں کی تفصیل ایک خیالی ڈائری کی شکل میں مرتب کریں۔ ان ڈائریوں کی بنیاد پر درج ذیل سوالوں کے جواب دیں اور اپنے ہم جماعت ساتھیوں سے تبادلۂ خیال کریں۔

© NCERT not to be republished

- یہ افراد کتنے گھنٹے کام کرتے ہیں؟ وہ کس طرح کا کام کرتے ہیں؟ کیا ان کا کام تھکا دینے والا، تناؤ سے بھرپور، خوش گوار یا ناخوش گوار ہے؟ کام کے مقام پر ان کے دیگر افراد کے ساتھ کیسے رشتے ہوتے ہیں؟ کیا وہ دوسروں کو حکم دیتے ہیں یا دوسروں کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں؟ کیا وہ دوسروں کے تعاون پر منحصر ہیں یا دوسروں پر ڈسپلن نافذ کرتے ہیں؟ جن کے ساتھ وہ کام کرتے ہیں کیا وہ ان سے باعزت برتاؤ کرتے ہیں یا انھیں دوسروں کا احترام کرنا پڑتا ہے؟

ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ غریب اور کبھی کبھی امیر شخص بھی کوئی کام نہ کر رہا ہو یا ابھی اس کے پاس کام نہ ہو۔ اگر ایسا ہے تب بھی آپ ان کے روزانہ کے معمولات معلوم کریں۔ درج ذیل کچھ اور سوالوں کے جواب دیں۔

- وہ فرد بے روزگار کیوں ہے؟ کیا وہ کوئی کام تلاش کر رہا ہے؟ وہ اپنی گزر بسر کیسے کرتا ہے؟ اس کے پاس کوئی کام نہیں ہے یہ سچائی اس پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے؟ کیا ان کا طرز زندگی پہلے سے کسی طرح مختلف تھا جب وہ کام کر رہے تھے؟

ایک فرد اپنی زندگی کے مواقع محض سخت محنت کرنے کے ذریعے ہی بہتر بنا سکتا ہے۔ سرگرمی 5.1 سے عام طور پر برتی جانے والی اس فہم عامہ پر از سر نو غور کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سخت محنت کے ساتھ ساتھ انفرادی اہلیت بھی ضروری ہے۔ اگر باقی سبھی چیزیں مساوی ہوں تب ذاتی کوشش، ذہانت اور خوش نصیبی ہی افراد کے درمیان سبھی طرح کے افتراق کے لیے یقیناً ذمے دار ہے۔ لیکن جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے کہ سبھی چیزیں مساوی نہیں ہوتیں۔ یہی عمومی یا گروہی افتراق سماجی نا برابری اور اخراج کو واضح کرتے ہیں۔

5.1 سماجی عدم مساوات اور سماجی اخراج کیا ہے؟

اس سیکشن میں پوچھے گئے سوال کے تین عام جواب ہوسکتے ہیں جنھیں ذیل میں مختصراً بیان کیا جاسکتا ہے۔ پہلا، سماجی عدم مساوات اور سماجی اخراج اس لیے ہیں کہ ان کا تعلق فرد سے نہیں بلکہ گروپ یا گروہ سے ہے۔ دوسرے، یہ سماجی اس معنی میں ہیں کہ معاشی نہیں ہیں، حالاں کہ سماجی اور معاشی عدم مساوات میں عموماً ایک مضبوط رشتہ ہوتا ہے۔ تیسرے، یہ منظّم ساختہ ہیں یعنی سماجی عدم مساوات کی ایک یقینی شکل ہوتی ہے۔ سماجی ہونے کے ان تین وسیع مفہوم پر ذیل میں مختصراً جائزہ لیا جائے گا۔

سماجی عدم مساوات

ہر سماج میں کچھ لوگوں کے پاس زر، جائیداد، تعلیم، صحت اور قوت جیسے گراں قدر وسائل کا دوسروں کی نسبت زیادہ بڑا حصہ ہوتا ہے۔ یہ سماجی وسائل پونجی کی تین شکلوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ مادی اثاثوں اور آمدنی کی شکل میں معاشی پونجی، تعلیمی اہلیتوں اور حیثیت کے طور پر ثقافتی پونجی، اور رابطوں اور سماجی میل ملاپ کے حلقے کی شکل میں ثقافتی پونجی (بوردیو 1986)۔ پونجی کی یہ تینوں شکلیں آپس میں ملحق ہوتی ہیں اور ایک دوسرے میں بدلی جاسکتی ہیں۔ مثال کے لیے ایک خوش حال خاندان کا فرد اپنی معاشی پونجی کے ذریعے مہنگی اعلا تعلیم حاصل کرسکتا ہے، اس طرح وہ اپنی معاشی پونجی کو ثقافتی یا تعلیمی پونجی کی شکل میں بدل سکتا

© NCERT not to be republished

ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا شخص اپنے با رسوخ دوستوں وقرابت داروں (یعنی اپنی سماجی پونجی) کے ذریعہ اچھی صلاح، سفارش یا معلومات حاصل کرسکتا ہے اوران کے ذریعہ ایک اچھی آمدنی والی ملازمت حاصل کرکے سماجی پونجی کو معاشی پونجی میں بدل سکتا ہے۔

سماجی وسائل تک غیر مساوی رسائی کا انداز ہی عام طور پر سماجی عدم مساوات یا سماجی نا برابری کہلاتا ہے۔ کچھ سماجی نا برابری افراد کے درمیان فطری اختلاف کو ظاہر کرتی ہے۔ مثال کے لیے ان کی اہلیتوں اور کوششوں میں فرق کا ہونا۔ کوئی فرد معمولی ذہانت کا حامل ہوسکتا ہے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے دولت اور اچھی حیثیت پانے کے لیے سخت محنت کی ہو۔ تاہم بڑی حد تک سماجی نا برابری افراد کے درمیان خلقی یا قدرتی فرق کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ اس سماج کے ذریعہ پیدا کی جاتی ہے جس میں وہ رہتے ہیں۔ وہ نظام جو ایک سماج میں لوگوں کی زمرہ بندی کرتے ہوئے ایک سلسلہ مدارج میں انھیں درجہ بند کرتا ہے، ماہرین سماجیات اسے سماجی طبقہ بندی کہتے ہیں۔ یہ سلسلۂ مدارج یا مراتب لوگوں کی پہچان اور تجربہ ان کے دوسروں کے ساتھ تعلق اور ساتھ ہی وسائل اور مواقع تک ان کی رسائی کو شکل فراہم کرتے ہیں، سماجی طبقہ بندی کی تشریح تین اہم اصولوں کے ذریعے کی جاتی ہے:

1۔ **سماجی طبقہ بندی محض افراد کے درمیان فرق کا عمل نہیں ہے بلکہ سماج کی ایک خصوصیت ہے۔** سماجی طبقہ بندی سماج میں وسیع طور پر پایا جانے والا نظام ہے جو سماجی وسائل کو لوگوں کے مختلف زمروں میں غیر مساوی طور پر تقسیم کرتا ہے۔ تکنیکی طور پر سب سے زیادہ قدیم سماجوں میں جیسے شکاری اور غذا جمع کرنے والا سماج۔ بہت معمولی پیداوار ہوا کرتی تھی لہذا صرف ابتدائی سماجی طبقہ بندی ہی موجود تھی۔ تکنیکی لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ سماج میں جہاں لوگ اپنی بنیادی ضرورتوں سے زیادہ پیداوار کرتے ہیں۔ سماجی وسائل مختلف سماجی زمروں میں غیر مساوی طور پر تقسیم ہوتے ہیں جس کا لوگوں کی فطری انفرادی اہلیتوں سے کچھ بھی سروکار نہیں ہوتا ہے۔

2۔ **سماجی طبقہ بندی نسل درنسل قائم رہتی ہے۔** یہ خاندان اور سماجی وسائل کی ایک نسل سے دوسری نسل تک وراثت کی شکل میں گہرائی سے جڑی ہوئی ہے۔ ایک فرد کو سماجی حیثیت خود بخود ملی ہوتی ہے۔ یعنی بچے اپنے ماں باپ کی سماجی حیثیت کو اختیار کرتے ہیں۔ ذات نظام میں، پیدائش سے ہی پیشہ ورانہ مواقع متعین ہوتے ہیں۔ ایک دلت کا روایتی پیشہ زرعی مزدور، صفائی ملازم کے طور پر یا چمڑے کے کام میں ہی بندھ کر رہ جاتا ہے اور اس کے پاس اونچی تنخواہ والی سفید پوش ملازمت یا پیشہ ور ملازمت کے مواقع بہت کم ہوتے ہیں۔ سماجی عدم مساوات کے مخصوص پہلو کو داخلی زوجیت سے مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ چوں کہ شادی اپنے ذات کے ممبروں تک ہی محدود ہوتی ہے، لہٰذا بین ذات شادیوں کے ذریعہ ذات کی بنیاد پر تقسیم کو کمزور کیا جاسکتا ہے۔

3۔ **سماجی طبقہ بندی کو عقائد یا نظریات سے تائید ملتی ہے۔** سماجی طبقہ بندی کا کوئی بھی نظام نسل درنسل نہیں چل سکتا جب تک کہ بڑے پیمانے پر یہ نہ مانا جاتا ہو کہ وہ منصفانہ یا ناگزیر ہے۔ مثال کے لیے ذات کے نظام کو مذہبی یا رسمیاتی نقطۂ نگاہ سے پاکی یا ناپاکی کی بنیاد پر جائز ٹھہرایا جاتا ہے جس میں پیدائش اور پیشے کی بنا پر برہمنوں کو سب سے اونچی حیثیت اور دلتوں کو سب سے نچلی حیثیت دی گئی ہے۔ اگرچہ ایسا نہیں ہے کہ ہر فرد عدم مساوات کے اس نظام کو صحیح مانتا ہو۔ زیادہ تر وہ لوگ جنھیں زیادہ سماجی مراعات حاصل ہے وہی سماجی طبقہ بندی کے نظام جیسے ذات یا نسل کی

© NCERT not to be republished

زبردست حمایت کرتے ہیں۔ جو اس سلسلۂ مراتب یا درجہ بندی میں سب سے نیچے ہیں اور اس وجہ سے ان کو استحصال کیے جانے اور اہانت کا تجربہ ہوا ہے وہی غالباً سب سے زیادہ چیلنج پیش کر سکتے ہیں۔

ہم اکثر سماجی اخراج اور تفریق پر صرف معاشی وسائل کی تفریق کی ہی شکل میں بحث کرتے ہیں۔ جب کہ یہ بات صرف جزوی طور پر ہی صحیح ہے۔ لوگ زیادہ تر اپنے جنس، مذہب، نسل، زبان، ذات اور معذوری کی وجہ سے ہی تفریق اور اخراج کا سامنا کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مراعات یافتہ پس منظر کی خواتین بھی عوامی مقامات پر جنسی استحصال کا شکار ہوسکتی ہیں۔ ایک مذہبی یا نسلی اقلیتی گروپ کے متوسط طبقے کے پیشہ ور شخص کو بھی شہر کی مڈل کلاس کالونی میں رہنے یا گھر لینے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لوگ دوسرے سماجی گروپوں کے بارے میں زیادہ تر تعصب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہم سب ایک کمیونٹی کے ممبر کے طور پر بڑے ہوتے ہیں جس سے ہر ایک اپنی کمیونٹی، ذات، گروپ، یا جنس کے بارے میں ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ دوسروں کے بارے میں بھی رائے قائم کر لیتا ہے۔ اکثر یہ خیالات پہلے سے قائم شدہ رائے کا انعکاس کرتے ہیں۔

پہلے سے قائم شدہ رائے یا **جانب داری** (Prejudices) ایک گروپ کے ممبروں کے ذریعہ دوسرے گروپ کے بارے میں پہلے سے سوچا ہوا خیال یا برتاؤ ہوتا ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں ''پہلے سے فیصلہ کر لینا'' یعنی وہ رائے یا خیال جو بغیر موضوع کو جانے اور بغیر حقائق کی پرکھ کے شروعات میں قائم کر لی جاتی ہے۔ ایک متعصب شخص کے پہلے سے تصور کیے گئے خیالات ثبوت اور شہادتوں کے برخلاف صرف سنی سنائی باتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ نئی معلومات حاصل ہونے کے باوجود اپنے خیالات تبدیل نہیں کرتے۔ پہلے سے قائم شدہ رائے مثبت اور منفی دونوں ہوسکتی ہے۔ ویسے زیادہ تر یہ لفظ منفی طور پر اختیار کیے گئے ماقبل فیصلوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہ موافق ماقبل فیصلوں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ مثال کے لیے ایک فرد اپنی ذات اور گروپ کے ممبروں کے حق میں متعصب ہوسکتا ہے اور انھیں بغیر کسی ثبوت کے دوسری ذات یا گروپ کے ممبروں سے افضل مان سکتا ہے۔

ماقبل قائم شدہ رائے ایک گروپ کے بارے میں مقررہ اور غیر لچک دار روایتی خیالات (Stereotypes) پر مبنی ہوتی ہے۔ بندھے ٹکے روایتی خیالات زیادہ تر نسلی گروپوں اور عورتوں کے بارے میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں جو کافی عرصے تک ایک نو آبادیاتی ملک رہا ہے، بندھے ٹکے رویے کچھ حد تک نو آبادیاتی تخلیق ہیں۔ کچھ کمیونٹیوں کو جنگجو نسلوں، کے طور پر بیان کیا گیا، کچھ دوسروں کو مردانہ خصوصیات سے عاری یا بزدل اور کچھ دیگر کو ناقابل اعتبار یا دغاباز کہا گیا ہے۔ انگریزی اور ہندوستانی دونوں زبانوں میں بیان کی گئی کہانیوں میں ہم کئی بار پاتے ہیں کہ کسی پوری کی پوری کمیونٹی کو کاہل وسُست یا چالاک کہا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ کچھ افراد کسی وقت کاہل یا چالاک، بہادر یا بزدل ہوسکتے ہیں۔ لیکن اس طرح کا عمومی بیان سبھی گروپوں کے کچھ افراد کے بارے میں سچ ہوسکتا ہے، پوری کمیونٹی کے لیے نہیں۔ لیکن ایسے افراد کے بارے میں یہ ہمیشہ سچ نہیں ہوتا، وہی شخص مختلف وقتوں پر کاہل اور محنتی دونوں ہوسکتا ہے۔ بندھی ٹکی روایت یا رویہ پورے گروپ کو ایک ہی زمرے میں ڈال دیتا ہے اور اس خیال کے تحت افراد کا وقت یا صورتِ حال کے لحاظ سے تبدیلی کی شناخت سے انکار کر دیا جاتا ہے۔ اس کے مطابق پوری کمیونٹی کو ایک واحد فرد کی شکل میں دیکھا جاتا ہے جس میں گو ایک ہی وصف یا خصوصیت ہوتی ہے۔

© NCERT not to be republished

سرگرمی 5.2

☆ فلموں یا ناولوں سے ماقبل قائم شدہ رائے یا تعصب کی مثالیں جمع کیجیے۔

☆ خود اور اپنے ہم جماعتوں کے ذریعہ جمع کی گئی مثالوں پر غور کریں۔ ایک سماجی گروپ کی جس طرح سے تصویر پیش کی گئی اس سے تعصب کیسے ظاہر ہوتا ہے؟ ہم یہ فیصلہ کیسے کریں کہ ایک تصویر کسی پہلے سے قائم شدہ رائے پر مبنی ہے یا نہیں؟

☆ کیا آپ قصداً جانب داری یعنی جان بوجھ کر جیسے ایک فلم بنانے والا یا کہانی لکھنے والا اسے پہلے سے قائم رائے کے تحت دکھانا چاہتا تھا اور غیر ارادی یا غیر شعوری جانب داری میں فرق کر سکتے ہیں؟

اگر جانب داری رویوں اور خیالات کو ظاہر کرتی ہے تو تفریق (discrimination) دوسرے گروپ یا فرد کے تئیں کیا گیا برتاؤ ہے۔ تفریق کو عملاً اس طرح بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ اس کے تحت ایک گروپ کے ممبران مواقع کے حصول میں نااہل قرار دیے جاتے ہیں جو دوسرے کے لیے دستیاب ہوتے ہیں جیسے جب ایک شخص کو اس کے جنس یا مذہب کی بنیاد پر ملازمت دینے سے منع کر دیا جاتا ہے۔ تفریق کو ثابت کرنا بہت مشکل ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ کھلے طور پر ہو اور نہ ہی اسے واضح طور پر بیان کیا گیا ہو۔ امتیازی برتاؤ کو اس طرح بھی پیش کیا جاسکتا ہے جیسے کہ دوسرے اسباب کی بنا پر محرک ہوا ہو، جو تعصب کے مقابلے زیادہ منصفانہ ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے لیے، جس فرد کو اس کی ذات کی بنیاد پر ملازمت دینے سے منع کیا گیا ہو اس کو کہا جاسکتا ہے کہ اس کی صلاحیت دوسروں سے کم ہے اور انتخاب پوری طرح اہلیت کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔

سماجی اخراج

سماجی اخراج وہ طور طریقے ہیں جس کے تحت کسی فرد یا گروپ کو وسیع سماج میں پوری طرح گھلنے ملنے سے روکا جاسکتا ہے یا الگ رکھا جاتا ہے۔ ان سبھی عوامل پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے جو فرد یا گروپ کو ان مواقع سے محروم کرتے ہیں جو اکثر آبادی کے لیے دستیاب ہوتے ہیں۔ بھرپور اور سرگرم زندگی جینے کے لیے فرد کو زندگی کی بنیادی ضرورتوں (جیسے روٹی، کپڑا اور مکان) کے علاوہ دیگر ضروری اشیا اور خدمات جیسے تعلیم، وسائل نقل وحمل، بیمہ، سماجی تحفظ، بینک اور یہاں تک کہ پولیس اور عدلیہ، کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ سماجی اخراج اتفاقی نہیں ہوتا ہے بلکہ منظّم طریقے سے ہوتا ہے۔ یہ سماج کی ساختی خصوصیات کا نتیجہ ہے۔

یہاں اس بات پر توجہ دینا ضروری ہے کہ سماجی اخراج غیر رضا کارانہ ہوتا ہے۔ یعنی سماجی اخراج ان لوگوں کا جن کا اخراج کیا جاتا ہے ان کی مرضی یا خواہشات کے خلاف نافذ کیا جاتا ہے۔ مثال کے لیے شہروں اور قصبوں میں ہم ہزاروں بے گھر غریب لوگوں کی طرح امیر اشخاص کو کبھی بھی فٹ پاتھ یا پلوں کے نیچے سوئے ہوئے نہیں دیکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امیر شخص کو فٹ پاتھ یا پارکوں کے استعمال سے خارج کیا گیا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو یقیناً ان کا استعمال کر سکتے ہیں لیکن وہ ایسا کرنا نہیں چاہتے۔ سماجی تفریق کو کبھی کبھی اس غلط دلیل سے جائز ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ خارج گروپ خود ہی شامل ہونے کو راضی نہیں ہے۔ اس طرح کی دلیل مطلوبہ چیزوں کے ضمن میں بالکل غلط ہے۔ (یہ اس صورت حال سے بالکل الگ ہے جہاں امیر لوگ اپنی مرضی سے فٹ پاتھ پر نہیں سوتے یا وزن ڈھونے کا کام نہیں کرتے)

امتیاز یا توہین آمیز برتاؤ کا طویل تجربہ اکثر اس طرح کے ردعمل کے طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ خارج افراد خاص دھارا میں شامل ہونے کی کوشش اکثر بند کر دیتے ہیں۔ مثال کے لیے اونچی ذات کی ہندو کمیونٹیوں نے اکثر نچلی ذات کے لوگوں (خاص طور پر دلتوں)

© NCERT not to be republished

کے مندر میں داخلے پر پابندی لگائی ہے۔ دسیوں سالوں تک اس طرح کے برتاؤ کے پیش نظر دلتوں نے اپنے مندر بنا لیے یا بودھ، عیسائی یا اسلام جیسے دوسرے مذہب کو اپنا لیا۔ ایسا کرنے کے بعد وہ ہندو مندر میں داخل ہونے یا کسی بھی مذہبی تقریب میں شامل ہونے کے خواہش مند نہیں ہوں گے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سماجی اخراج پر عمل نہیں کیا گیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ سماجی اخراج، خارج شخص کی مرضی کا لحاظ کئے بغیر کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر سماجوں کی طرح ہندوستان میں بھی سماجی تفریق اور اخراج اپنی انتہائی شکل میں پایا جاتا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں ذات، جنس اور مذہبی تفریق کے خلاف تحریکیں چلائی گئی ہیں لیکن اس کے باوجود تعصب بنا رہتا ہے اور اکثر نئے نئے تعصب آتے ہیں۔ لہٰذا قانون اکیلے اپنے بوتے پر سماج کو بدلنے یا دیرپا سماجی تبدیلی لانے کا اہل نہیں ہے۔ ان سب کو ختم کرنے کے لیے تبدیلی، بیداری اور حساسیت کے ساتھ ایک مستقل سماجی مہم چلائے جانے کی ضرورت ہے۔

آپ ہندوستانی سماج پر استعماریت کے اثر کے بارے میں پہلے ہی پڑھ چکے ہیں۔ تفریق اور اخراج کا کیا مطلب ہے؟ یہ مراعات یافتہ ہندوستانیوں کو تب سمجھ میں آیا جب وہ برطانوی نوآبادیاتی ریاستوں کے ہاتھوں اس کے شکار ہوئے۔ اس طرح کے تجربے بے شک مختلف سماجی طور پر تفریق کے شکار گروپوں جیسے عورتوں، دلتوں اور دیگر پس ماندہ اور ظلم کی شکار جاتیوں اور قبائل کے لیے عام بات تھی۔ نوآبادیاتی حکومت کے ذلت آمیز برتاؤ کا سامنا کرنے کے ساتھ ساتھ جمہوریت اور عدل کے خیالات سے متعارف ہونے سے ہندوستانیوں نے بہت سی سماجی اصلاح کی تحریکوں کی شروعات کی اور ان میں شامل ہوئے۔

اس باب میں ہم ایسے چار گروپوں پر روشنی ڈالیں گے جو زبردست سماجی عدم مساوات اور اخراج کا شکار رہے ہیں، خاص طور پر دلت یا پہلے کی اچھوت جاتیاں آدی واسی یا وہ گروپ جنھیں قبائل مانا جاتا ہے، عورتیں اور مختلف طور پر اہل لوگ، درج ذیل سیکشنوں میں ہم ہر ایک کی جدوجہد اور حصول یابیوں کی کہانی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے:

5.2 ذات اور قبیلہ۔ نظام جو عدم مساوات کو قائم رکھتے ہیں اور اس کا جواز ثابت کرتے ہیں

ذات کا نظام بطور ایک تفریقی نظام

ذات کا نظام ایک امتیازی سماجی ادارہ ہے جو مخصوص ذات میں پیدا ہوئے اشخاص کے خلاف امتیازی برتاؤ کو لاگو کرتا ہے اور اس کو جائز ٹھہراتا ہے۔ تفریق کیے جانے کا یہ برتاؤ توہین آمیز، اخراجی اور استحصالی ہے۔

تاریخی لحاظ سے ذات کا نظام لوگوں کو ان کے پیشے اور حیثیت کی بنیاد پر زمرہ بند کرتا تھا۔ ہر ایک ذات ایک پیشے سے جڑی ہوئی تھی، اس کا مطلب ہے کہ ایک مخصوص ذات میں پیدا ہوا شخص اس پیشے میں بھی جنم لیتا تھا جو اس کی ذات سے جڑا تھا۔ اس کے پاس کوئی متبادل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ شاید اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ ہر ایک ذات کا سماجی حیثیت کے سلسلہ مراتب میں ایک خاص مقام بھی ہوتا تھا۔ لہٰذا موٹے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ صرف سماجی حیثیت کے مطابق ہی پیشہ ورانہ زمرات درجہ بند نہیں بلکہ ہر ایک وسیع پیشہ ور زمرے کے اندر مزید درجہ بندی کی گئی تھی۔ مذہبی کتابوں کے سخت اصولوں کے مطابق سماجی اور معاشی حیثیت کو یقینی طور پر الگ الگ رکھا جاتا تھا۔ مثال کے لیے رسوماتی طور پر سب سے اونچی ذات، برہمن کو دولت

© NCERT not to be republished

جمع کرنے کی اجازت نہیں تھی،اور وہ چھتریہ ذات سے تعلق رکھنے والے راجاؤں اور حکمرانوں کی سیکولر قوتوں کے ماتحت تھے۔دوسری طرف انتہائی دینوی حیثیت اور طاقت کے حامل ہونے کے باوجود راجہ برہمنوں کے رسوماتی مذہبی دائرے کے ماتحت ہوا کرتے تھے(اس کا موازنہ باکس 5.1 میں دیے گئے نسلی امتیاز(apartheid) کے نظام کے بیان سے کیا گیا ہے۔حالاں کہ حقیقی تاریخی عمل میں سماجی اور معاشی حیثیت ایک دوسرے کے موافق ہوتی تھی لہٰذا واضح طور پر سماجی (یعنی ذات) اور معاشی حیثیت باہمی مربوط تھی، اونچی ذات اکثر ہمیشہ اعلا معاشی حیثیت کی حامل ہوا کرتی تھیں، جب کہ 'نچلی' ذاتیں کم تر معاشی حیثیت کی حامل ہوتی تھیں۔ جدید دور میں خاص طور پر 19 ویں صدی سے ذات اور پیشے کے درمیان رشتہ کافی نرم پڑا ہے۔ پیشہ ورانہ تبدیلیوں سے متعلق رسمیاتی اور مذہبی پابندیاں آج اتنی آسانی سے نہیں لاگو کی جاسکتی ہیں اور پہلے کی بہ نسبت اب پیشے میں تبدیلی آسان ہوگئی ہے۔اس کے علاوہ سو یا پچاس سال کے مقابلے ذات اور معاشی حیثیت کے درمیان ہم رشتگی کمزور ہوئی۔آج امیر اور غریب لوگ ہر ذات میں پائے جاتے ہیں۔لیکن خاص بات یہ ہے کہ ذات اور طبقے کے درمیان رشتہ نمایاں طور پر اب بھی پوری طرح قائم ہے۔ نظام کے تھوڑا کم سخت ہونے پر موٹے طور پر یکساں سماجی اور معاشی حیثیت والی ذاتوں کے درمیان کا فاصلہ کم ہوا ہے لیکن مختلف سماجی اور معاشی گروپوں کے درمیان امتیازات بھی قائم ہیں۔

اگر چہ سماج یقینی طور پر بدلا ہے لیکن بہت بڑی سطح پر بہت زیادہ تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ یہ آج بھی سچ ہے کہ سماج کے مراعات یافتہ (اور اونچی معاشی حیثیت والے) طبقات غالب اونچی ذات کے لوگ ہیں جب کہ محروم (اور کم تر معاشی حیثیت) والے طبقات میں نام نہاد نچلی ذاتوں کی کثرت ہے۔اس کے علاوہ نام نہاد 'اونچی اور نچلی' ذاتوں کے غریب اور مراعات یافتہ طبقوں کے تناسب میں زمین آسماں کا فرق ہے (جدول 1 اور 2 دیکھیں)۔مختصراً کہیں تو یہ سچ ہے کہ ایک صدی سے چل رہی سماجی تحریکوں کے سبب کئی تبدیلیاں واقع ہوئیں، پیداواری نظام میں زبردست تبدیلی پیدا ہوئی اور ساتھ ہی آزاد ہندوستان میں ریاست نے عوامی سیکٹر میں ذات پر بندش لگانے کی بھرپور کوشش کی لیکن اس کے باوجود 21 ویں صدی میں بھی ذات ہندوستانیوں کے مواقعِ زندگی پر مسلسل اثر انداز ہو رہی ہے۔

باکس 5.1

نسل اور ذات۔ایک دوطرفہ ثقافتی موازنہ

ہندوستان کے ذات نظام کی طرح جنوبی افریقہ میں بھی نسل کی بنیاد پر سماج کو زمرہ بند کیا گیا ہے۔تقریباً ہر سات جنوبی افریقی شخص میں سے ایک یوروپی نسب کا ہے، پھر بھی جنوبی افریقہ کے اقلیتی سفید فاموں کا وہاں کے اقتدار اور دولت میں غالب حصہ ہے۔ ڈچ تاجر 17 ویں صدی کے وسط میں جنوبی افریقہ میں بس گئے،19 ویں صدی کے شروع میں ان کے آباواجداد کو برطانوی نوآبادکاروں کے ذریعے اندرونی علاقوں کی طرف بھگا دیا گیا۔20 ویں صدی کی شروعات میں برطانیہ نے پہلے وفاق اور بعد میں ریپبلک آف ساؤتھ افریقہ پر کنٹرول کرلیا۔

اپنے سیاسی کنٹرول کو یقینی بنانے کے لیے اقلیتی سفید فاموں نے نسلی امتیاز(apartheid) یانسلوں کی علاحدگی کی پالیسی کو فروغ دیا۔ یہ کئی سالوں تک غیر رسمی طور پر جاری رہا بعد میں 1948 میں اسے قانونی طور پر تسلیم کرلیا گیا اور اکثریتی جنوبی افریقی سیاہ فاموں کو وہاں کی شہریت، زمین کی ملکیت اور حکومت میں شامل ہونے کے رسمی حق سے محروم کردیا گیا۔ ہر ایک فرد کی زمرہ بندی نسل کی بنیاد پر کی گئی اور مخلوط شادیوں پر پابندی لگا دی گئی۔نسلی ذات کے طور پر سیاہ فاموں کے پاس کم آمدنی والی ملازمتیں تھیں، عام طور پر سفید فاموں کے ذریعے حاصل آمدنی کے

© NCERT not to be republished

مقابلے ان کی آمدنی صرف ایک چوتھائی تھی۔ بیسویں صدی کے بعد کے نصف میں لاکھوں سیاہ فاموں کو 'بانٹستان' (Bantustan) یا مقامی بستیوں میں جبراً بسایا گیا جو گندگی سے بھرپور علاقے تھے، جہاں بنیادی ڈھانچے کی سہولتیں میسر نہیں تھیں۔ صنعت اور ملازمت بالکل ہی نہیں تھی۔ یہ سبھی مقامی بستیاں مجموعی طور پر پورے جنوبی افریقہ کی صرف 14 فی صد زمین کا حصہ تھیں، جب کہ سیاہ فام پورے ملک کی آبادی کے تناسب میں 80 فی صد تھے۔ نتیجتاً فاقہ کشی اور مصیبتیں شدید تر ہوتی گئیں۔ مختصراً، اس ملک میں زبردست قدرتی وسائل اور ہیروں، قیمتی معدنیات کے ہوتے ہوئے بھی زیادہ تر لوگ زبردست غربت کی زندگی جی رہے تھے۔

خوش حال اقلیتی سفید فاموں نے اپنی خصوصی مراعات کا دفاع سیاہ فاموں کو سماجی طور پر کم تر قرار دیتے ہوئے کیا۔ تاہم وہ اپنے اقتدار کو بنائے رکھنے کے فوجی دباؤ کے طاقتور نظام پر انحصار کرتے تھے۔ سیاہ فام احتجاج کرنے والے لوگوں کو روزانہ جیل میں ڈالا جاتا تھا، اذیت دی جاتی تھی اور مار ڈالا جاتا تھا۔ حکومت کے دہشت گردانہ عمل کے باوجود سیاہ فاموں نے دہوں تک اجتماعی طور پر افریقی قومی کانگریس اور نیلسن منڈیلا کی قیادت میں جدوجہد کی اور آخر کار وہ اقتدار میں آنے میں کامیاب ہوئے اور 1994 میں حکومت بنائی۔ اگرچہ مابعد نسلی امتیاز نے جنوبی افریقہ کے آئین میں نسلی امتیاز پر پابندی لگائی ہے۔ تاہم معاشی پونجی ابھی بھی سفید فام لوگوں کے ہاتھوں میں مرکوز ہے۔ اکثریتی سیاہ فاموں کو با اختیار بنانا نئے سماج کو مستقل چیلنج پیش کرتا ہے۔

''میں نے سفید فاموں کے تسلط کے خلاف جدوجہد کی ہے اور میں نے سیاہ فاموں کے تسلط کے خلاف جدوجہد کی ہے۔ میں نے جمہوریت کے نصب العین اور ایک آزاد سماج کو عزیز جانا ہے جہاں سبھی لوگ ایک دوسرے سے ہم آہنگی قائم کرتے ہوئے مساوی مواقع کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک مثال ہے جس کو پانے اور جس کے لیے جینے کی میں توقع کرتا ہوں۔ لیکن اگر ضرورت ہوئی تو اس نصب العین کی خاطر میں مرنے کے لیے بھی تیار ہوں''۔

نیلسن منڈیلا 20 اپریل 1964، ریوینا مقدمہ کے دوران

جدول 1: خط غربت کے نیچے رہنے والی آبادی کا فی صد، 2000-1999

ذات اور کمیونٹی گروپ	دیہی ہندوستان	شہری ہندوستان
	327 روپے یا کم فی شخص ماہانہ اخراجات	454 روپے یا کم فی شخص ماہانہ اخراجات
درج فہرست قبائلی	45.3	24.1
درج فہرست ذات	31.5	21.7
دیگر پس ماندہ طبقات	22.7	15.7
اونچی ذات۔ مسلمان	26.9	22.7
اونچی ذات۔ ہندو	25.6	12.1
اونچی ذات۔ عیسائی	22.2	05.5
اونچی ذات۔ سکھ	06.2	05.0
سبھی گروپ	25.4	13.7

اروند پنگریا کے اداد و شمار (نیتی آیوگ)

© NCERT not to be republished

جدول 2: خوشحال (امیر) آبادی کا فی صد

ذات اور کمیونٹی گروپ	دیہی ہندوستان	شہری ہندوستان
	1000 روپے یا اس سے زیادہ فی کس ماہانہ خرچ	2000 روپے یا اس سے زیادہ فی کس ماہانہ خرچ
درج فہرست قبائل	1.4	1.8
درج فہرست ذاتیں	1.7	0.8
دیگر پس ماندہ طبقات	3.3	2.0
اونچی ذات۔مسلمان	2.0	1.6
اونچی ذات۔ہندو	8.6	8.2
اونچی ذات۔عیسائی	18.9	17.0
اونچی ذات۔سکھ	31.7	15.1
اونچی ذات۔دیگر	17.9	14.4
سبھی گروپ	4.3	4.5

ماخذ:55NSSOواں دور(2000-1999)اکائی سطح کے اعدادو شمارسی ڈی پر دستیاب

جدول 1 اور 2 کے لیے مشق

جدول-1 سے 2000-1999 کی آبادی میں سرکاری طور پر 'خط غربت' سے نیچے رہنے والی ہر ذات اور کمیونٹی کا فی صد ظاہر ہوتا ہے۔ دیہی و شہری ہندوستان کے لیے الگ الگ کالم ہیں۔

جدول2 بھی اسی طرح بنایا گیا ہے سوائے اس کے کہ اس میں خط غربت کے بجائے امیر لوگوں کا فی صد دکھایا گیا ہے۔'امیری' کو دیہی ہندوستان میں 1000 روپے فی شخص ماہانہ اخراجات اور شہری ہندوستان میں 2000 روپے فی شخص ماہانہ اخراجات کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ دیہی ہندوستان میں پانچ افراد کے خاندان کے ذریعے 5000 روپے ماہانہ اور شہری ہندوستان میں 10,000 روپے ماہانہ کے برابر ہے۔درج ذیل سوالات کے جواب دینے سے پہلے براہ کرم ان جدول کو غور سے پڑھیں۔

1۔ ہندوستانی آبادی کے کتنے فی صد لوگ خط غربت کے نیچے (a) دیہی ہندوستان میں اور (b) شہری ہندوستان میں رہتے ہیں؟

2۔ کس ذات کمیونٹی کے زیادہ تر لوگ (a) دیہی اور (b) شہری ہندوستان میں بہت زیادہ غریبی میں زندگی گزار رہے ہیں؟ کس ذات رکمیونٹی کے سب سے کم فی صد لوگ غریبی میں جیتے ہیں؟

3۔ ہر ایک نچلی ذات (درج فہرست ذات، درج فہرست قبائل، دیگر پس ماندہ طبقات) کا غریبی کا فی صد قومی اوسط تناسب سے تقریباً کتنے گنا زیادہ ہے؟ کیا اس میں کوئی نمایاں دیہی شہری فرق ہے؟

4۔ دیہی اور شہری ہندوستان کی آبادی میں کس ذات رکمیونٹی کے لوگوں کا امیری میں سب سے کم فی صد ہے؟ قوی اوسط تناسب سے اس کا موازنہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟

5۔ اونچی ذات کے ہندوؤں کی امیر آبادی کا فی صد 'نچلی' ذات (درج فہرست ذات، درج فہرست قبائل اور دیگر پس ماندہ طبقات) کے فی صد سے تقریباً کتنے گنا زیادہ ہے۔

6۔ یہ جدول آپ کو دیگر پس ماندہ طبقات کی صورت حال کے بارے میں کیا بتاتے ہیں؟ کیا ان میں کوئی نمایاں دیہی شہری فرق ہے؟

© NCERT not to be republished

چھوا چھوت

چھوا چھوت ذات کے نظام کا نہایت ہی غلط وناقص پہلو ہے، جو پاکی وناپاکی یا آلودگی کے پیمانے پر سب جانے سے نیچی مانی جانے والی جاتیوں کے ممبروں کے خلاف انتہائی سخت سماجی کاروائی نافذ کرتی ہے۔ صحیح معنی میں تو اچھوت مانی جانے والی جاتیوں کے جاتی سلسلۂ مدارج میں کوئی درجہ نہیں ہے، وہ اس نظام سے باہر ہیں۔ انھیں تو اتنا زیادہ ناپاک یا ناخالص مانا جاتا ہے کہ ان کے ذرا سے چھو جانے بھر سے ہی دیگر سبھی جاتیوں کے ممبر بہت زیادہ ناپاک ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے اچھوت کہے جانے والے شخص کو تو انتہائی سزا بھگتنی پڑتی ہی ہے ساتھ ہی اونچی ذات کا جو شخص چھویا گیا ہے اسے پھر سے پاک ہونے کے لیے تطہیری رسوم انجام دینے ہوتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے کئی علاقے (خاص طور پر جنوبی ہندوستان) میں ''دور کی آلودگی'' کا تصور موجود تھا جس کے مطابق اچھوت لفظ کا لفظی معنی محدود ہونے کے باوجود ''چھوا چھوت'' کا ادارہ جسمانی ربط سے بچنے یا اچھوت سے دور رہنے کا حکم تو دیتا ہی ہے، ساتھ ہی نام نہاد اچھوت کے لیے کی گئی سماجی کارروائیوں کا بھی اہتمام کرتا ہے۔

یہاں یہ بتا دینا اہم ہے کہ چھوا چھوت کی تین اہم جہات ہیں یعنی، اخراج، تذلیل اور تحقیر واستحصال۔ اسی مظہر کی تعریف کرنے میں یہ تینوں جہات یکساں طور پر اہم ہیں۔ اگرچہ دیگر (یعنی اچھوت نہ مانی جانے والی) نچلی ذاتوں کو کچھ حد تک ماتحتی اور استحصال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن انھیں اخراج کی اتنی انتہائی شکل نہیں برداشت کرنی پڑتی جو کہ 'اچھوتوں' کے لیے مخصوص ہیں۔ دلت اخراج کی متعدد شکل کا تجربہ کرتے ہیں جو منفرد ہیں اور دوسرے گروپوں کے ساتھ جن پر عمل نہیں کیا جاتا۔ مثال کے لیے انھیں پینے کے پانی کے عام وسائل سے پانی نہیں لینے دیا جاتا یا اجتماعی مذہبی پوجا، سماجی تقریبات تہوار میں شرکت پر پابندی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی چھوا چھوت میں ماتحتی کے کردار میں جبریہ استعمال شامل ہوتا ہے جیسے مذہبی تقریب میں ڈھول وغیرہ بجانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ عوام کے سامنے (خود) توہین آمیز اور ماتحتی ظاہر کرنے والے عمل چھوا چھوت کے رواج کا اہم جزو ہیں۔ نام نہاد اونچی ذات کے لوگوں کے تئیں زبردست ادب واحترام ظاہر کرنے کے لیے کئی طرح کی حرکات وسکنات انجام دینی پڑتی ہیں جیسے ٹوپی یا پگڑی اتارنا، پہنے ہوئے جوتوں کو اتار کر ہاتھ میں پکڑ کر لے جانا، سر جھکا کر کھڑے رہنا، صاف ستھرے یا چمک دار کپڑے نہیں پہننا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ گالیاں سننا اور بے عزتی سہنا ان کا روزمرہ کا کام ہے۔ مزید برآں مختلف معاشی استحصال گویا اس چھوا چھوت کی خراب رسم کے ساتھ ہمیشہ سے جڑا ہوا ہے۔ انھیں عام طور پر بغیر اجرت کام یعنی بیگاری کرنی پڑتی ہے یا بہت کم مزدوری دی جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو ان کی جائداد تک چھین لی جاتی ہے۔ مختصراً چھوا چھوت کل ہند مظہر ہے، اگرچہ اس کی مخصوص شکلوں اور شدت میں مختلف علاقوں اور سماجی وتاریخی سیاق وسباق میں کافی زیادہ فرق ہوتا ہے۔

ان نام نہاد اچھوتوں کو پچھلی صدیوں سے مجموعی طور پر الگ الگ ناموں سے پکارا جاتا رہا ہے ان ناموں کا اشتقاق کچھ بھی ہو اور ان کا بنیادی مطلب خواہ کچھ بھی رہا ہو لیکن اب یہ توہین آمیز اور انتہائی ذلت آمیزی کا اظہار کرنے والا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان میں سے کئی لفظ تو آج بھی گالی کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں، حالاں کہ ان کا استعمال مجرمانہ اصول شکنی مانا جاتا ہے۔ مہاتما گاندھی نے ان ذات پر مبنی ناموں کی توہین آمیزی کو دور کرنے کے لیے 1930 کے دہے میں انھیں 'ہری جن' (جس کے لفظی معنی بھگوان کے آدمی/ بچے ہیں) کہہ کر پکارنا شروع کیا، یہ کافی مقبول ہوا۔

© NCERT not to be republished



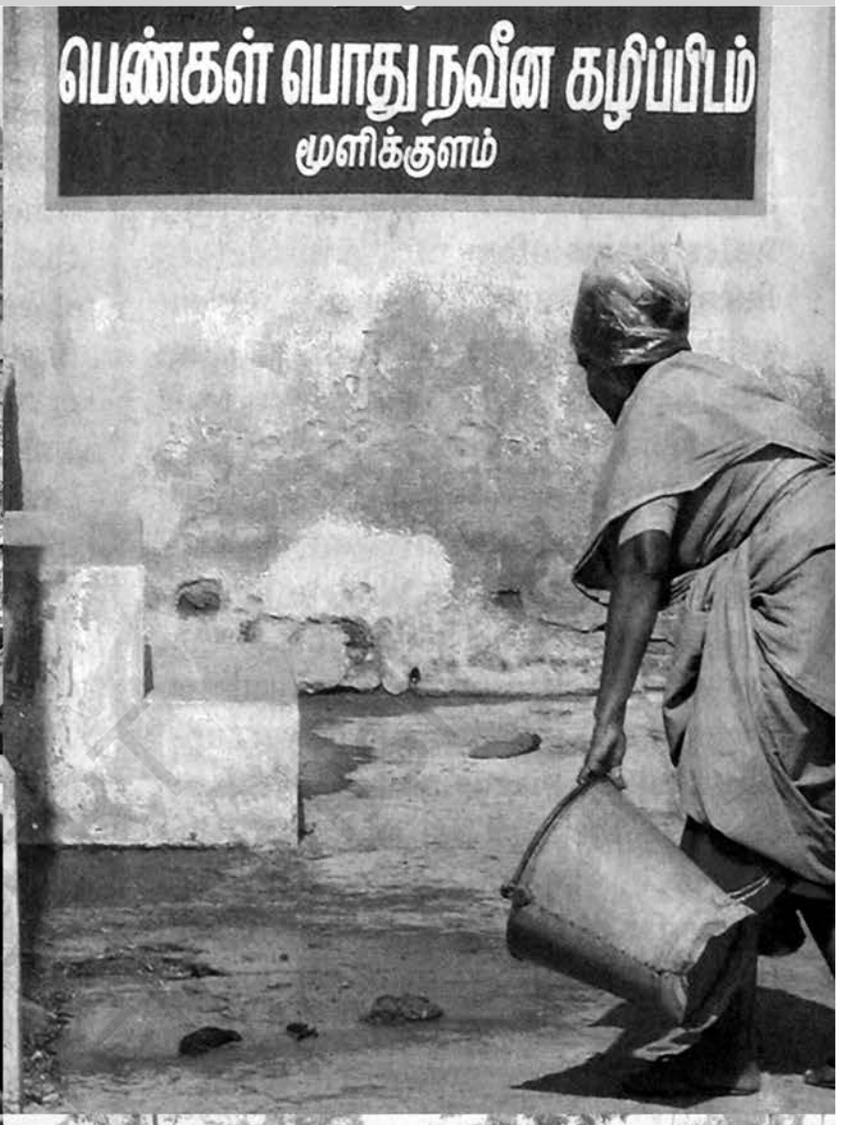
பெண்கள் பொது நவீன கழிப்பிடம்
மூளிக்குளம்





باکس 5.2

ایک دلت صفائی کرنے والے کی روزانہ سخت آزمائش

ہندوستان میں جمعدار یعنی گندگی اٹھانے والے لوگوں کی تعداد تقریباً 80 لاکھ ہے۔ نارائین اما بھی ان میں سے ایک ہے۔ جو آندھر پردیش میں انت پور بلدیہ کے 400 سیٹوں والے بیت الخلا کو صاف کرتی ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد جب بیت الخلا کا استعمال کرنے والی عورتیں باہر آتی ہیں تو نارائین اما اور ان کے ساتھ کام کرنے والیوں کو اندر بلایا جاتا ہے۔ بیت الخلا سوکھا ہے، اس میں گندگی بہانے کے لیے فلش نہیں ہے۔ گندگی ہر سیٹ کے نیچے اکٹھا ہوتی رہتی ہے یا بہہ کر کھلے نالے میں چلی جاتی ہے۔ نارائین اما کا کام ہے کہ وہ ایک سپاٹ، ٹین کے طشتری میں اپنے جھاڑو کی مدد سے گندگی کو اکٹھا کر اپنی ٹوکری میں ڈال لیں۔ جب ٹوکری بھر جاتی ہے تو وہ اسے سر پر اٹھا کر ایک ٹریکٹر ٹرالی میں جہاں آدھا کلومیٹر دور انتظار کیا جاتا ہے ڈال آتی ہے اور پھر وہ واپس آ کر بیت الخلا سے آنے والی پکار کے لیے انتظار کرنے لگتی ہے۔ یہ سلسلہ صبح تقریباً دس بجے تک چلتا رہتا ہے جب آخر میں نارائین اما دھو پوچھ کر اپنے گھر کو واپس چل پڑتی ہے۔

ارے میونسپلٹی، ذرا آؤ، اسے صاف کرو۔ نارائین اما اور ان کے ساتھ کام کرنے والیوں کو زیادہ تر لوگ انہیں لفظوں سے پکارتے ہیں، جب وہ سڑک پر جا رہی ہوتی ہیں۔

یہ ایسا ہے جیسے ہمارا تو کوئی نام نہیں ہے، وہ کہتی ہیں اور اکثر جب ہم لوگوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ اپنی ناک کپڑے سے ڈھک لیتے ہیں گویا ہم میں سے بدبو آ رہی ہے۔ جب ہم بلدیہ کے نل یا ہینڈ پمپ سے پانی لینے جاتے ہیں تو ہمیں دوسروں کے ذریعہ پانی کی ٹونٹی کھولنے یا ہینڈ پمپ چلانے کا انتظار کرنا پڑتا ہے، تاکہ ہمارے چھونے سے نل یا پمپ ناپاک نہ ہو جائے۔ چائے کی دوکانوں میں ہم دوسروں کے ساتھ بینچ پر نہیں بیٹھ سکتے، ہم فرش پر بیٹھتے ہیں۔ ابھی کچھ وقت پہلے تک ہمارے لیے الگ ٹوٹے ہوئے پیالے ہوتے تھے جنھیں ہم خود دھویا کرتے تھے اور یہ پیالے ہمارے استعمال کے لیے ہی الگ رکھے جاتے تھے۔ یہ رواج آج بھی انت پور آس پاس کے گاؤوں اور ریاست کے دیگر حصوں میں بھی چل رہا ہے۔

ماخذ: مندر 39-38:2001 سے لیا گیا۔

لیکن سابقہ اچھوت کمیونٹیوں اور ان کے رہنماؤں نے ایک اور لفظ 'دلت' وضع کیا جو ان سبھی گروپوں کا بیان کرنے کے لیے اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ہندوستانی زبانوں میں دلت اصطلاح کے لفظی معنی دبا ہوا یا مظلوم اور دبے ہوئے استبداد کے شکار لوگوں کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ لفظ نہ تو ڈاکٹر امبیڈکر کے ذریعہ وضع کیا گیا تھا اور نہ انھوں نے اس کا استعمال کیا تھا لیکن اس میں ان کے فلسفے اور تفویض اختیار کی تحریک کی گونج جس کی قیادت انھوں نے کی تھی، ضرور سنائی دیتی ہے۔ 1970 کے دہے میں ممبئی میں ذات کی بنیاد پر ہوئے فساد کے دوران اس لفظ کا استعمال بہت بڑے پیمانے پر کیا گیا۔ اس وقت مغربی ہندوستان میں 'دلت پینتھرس' نام کا جو انتہا پسند گروپ ابھرا اس نے اپنے حقوق اور وقار کے لیے کی گئی جدوجہد کے تحت الگ پہچان بنانے کے لیے اس لفظ کا استعمال کیا۔

ذات اور قبیلے سے متعلق تفریق کو ختم کرنے کے سلسلے میں ریاست اور دیگر تنظیموں کے ذریعہ اٹھائے گئے اقدامات

آزادی حاصل کرنے کے پہلے سے ہی حکومت ہند درج فہرست قبائل اور درج فہرست ذات کے کئی خصوصی پروگرام چلاتی رہی ہے۔ برطانوی ہندوستانی حکومت نے 1935 میں درج فہرست ذات اور قبائل کی فہرست تیار کی تھی جن میں ان جاتیوں اور قبائل کے نام دیے گئے تھے جنھیں ان کے خلاف بڑے پیمانے پر برتے جا رہے امتیاز کے سبب خاص برتاؤ کا مستحق سمجھا گیا تھا۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد، ان پالیسیوں کو تو جاری رکھا ہی گیا، ان میں کئی نئی پالیسیوں کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔ ان میں سب سے قابلِ ذکر تبدیلی یہ کی گئی کہ 1990 کے دہے کے ابتدائی سالوں سے دیگر پس ماندہ طبقات کے لیے بھی کچھ خصوصی پروگرام جوڑ دیے گئے ہیں۔

© NCERT not to be republished

ماضی اور حال کی ذات پر مبنی تفریق کو دور کرنے اور اس سے ہونے والے نقصان کی بھرپائی کے لیے ریاست کی طرف سے جو سب سے اہم قدم اٹھایا گیا ہے اسے عام لوگوں میں 'ریزرویشن' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسی کے تحت عام زندگی کے مختلف پہلوؤں میں درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائلی ممبروں کے لیے کچھ سیٹیں الگ سے مقرر کردی جاتی ہیں۔ ان ریزرویشن میں کئی قسم کے ریزرویشن شامل ہیں جیسے ریاست اور مرکزی مقنّنہ (یعنی ریاستی اسمبلیوں، لوک سبھا اور راجیہ سبھا) میں سیٹوں کا ریزرویشن، سبھی محکموں اور عوامی سیکٹر کی کمپنیوں کے تحت سرکاری خدمات میں ملازمت کا ریزرویشن، تعلیمی اداروں میں سیٹوں کا ریزرویشن۔ محفوظ کی گئی سیٹوں کا تناسب پوری آبادی میں درج فہرست ذات اور قبائل کے فی صد حصے کے برابر ہوتا ہے۔ لیکن دیگر پس ماندہ طبقات کے لیے یہ تناسب الگ بنیاد پر مقرر کیا گیا ہے۔ اسی اصول کو حکومت کے دیگر ترقیاتی پروگراموں پر بھی لاگو کیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ تو خاص طور پر درج فہرست ذات اور قبائل کے لیے ہیں جب کہ دیگر پروگراموں میں انھیں ترجیح دی جاتی ہے۔

ریزرویشن کے علاوہ اور بھی بہت سے قانون ہیں جو ذات پر مبنی تفریق خاص طور پر چھوا چھوت کو ختم کرنے، روکنے یا اس کے لیے سزا دینے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ایسے شروعاتی قوانین میں ایک 1850 کا ذات سے متعلق معذوری کا انسداد ایکٹ تھا جس میں یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ صرف مذہب یا ذات کی تبدیلی کے سبب ہی شہریوں کے حقوق کو کم نہیں کیا جائے گا۔ ایسا ہی سب سے حال کا قانون تھا 2005 میں کی گئی آئینی ترمیم (93ویں ترمیم) ایکٹ جو 23 جنوری 2006 کو قانون بنا۔ اتفاق سے 1850 قانون اور 2006 کی ترمیم دونوں ہی تعلیم سے متعلق تھے۔ 93ویں ترمیم اعلا تعلیم کے اداروں میں دیگر پس ماندہ طبقات کے لیے ریزرویشن لاگو کرنے کے لیے تھی جب کہ 1850 کا قانون سرکاری اسکولوں میں دلتوں کے داخلے کی لیے اجازت دینے کے لیے بنایا گیا تھا۔ اسی دوران اور بھی متعدد قوانین بنائے گئے، جو کہ اہمیت کے حامل تھے، بے شک خود ہندوستان کا آئین جو 1950 میں پاس کیا گیا تھا اور 1989 کے درج فہرست ذات اور درج فہرست قبائل (ظالمانہ و وحشیانہ کام کی روک تھام) ایکٹ کافی اہم تھے آئین میں چھوا چھوت کو ختم کردیا (آرٹیکل 17) اور اوپر مذکورہ ریزرویشن سے متعلق شق کو نافذ کیا گیا۔ 1989 کے ظلم کی روک تھام سے متعلق ایکٹ نے دلتوں اور قبائل کے خلاف ظالمانہ اور توہین آمیز کاموں کے لیے سزا دینے کی شق میں ترمیم کرکے انھیں اور مضبوط بنادیا۔ اس طرح اس موضوع پر بار بار کئی قانون بنائے گئے جو اس بات کی شہادت ہیں کہ اکیلا قانون ہی کسی سماجی رواج کو نہیں مٹا سکتا۔ درحقیقت جیسا کہ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا اور ٹی وی، ریڈیو جیسے ذرائع ابلاغ میں دیکھا سنا ہوگا کہ دلتوں اور آدی واسیوں کے خلاف ظلم اور تفریق کے معاملے آج بھی پورے ہندوستان میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ باکس 5.3 میں مذکورہ معاملہ ایک مثال ہے، اخبارات اور ذرائع ابلاغ سے آپ ایسے کئی معاملوں کے بارے میں جان سکتے ہیں۔

کوئی سرکاری کارروائی اکیلے ہی سماجی تبدیلی نہیں لاسکتی۔ بہرصورت کوئی بھی سماجی گروپ کتنا ہی کمزور یا ستایا ہوا ہو وہ صرف ایک شکار ہی ہے۔ انسان اکثر نہایت مخالف و ہنگامی صورتِ حال میں بھی انصاف اور وقار کے لیے جدوجہد میں اپنے طور پر منظّم کرنے اور عمل کرنے کا ہمیشہ اہل ہوتا ہے۔ دلت بھی سیاسی، احتجاجی اور ثقافتی محاذوں پر زیادہ سے زیادہ سرگرم وفعال ہوتے گئے ہیں۔ جیوتی با پھولے، ایوتی داس، پیری یار، امبیڈکر اور دیگر (باب 3 دیکھیں) جیسے لوگوں کے ذریعہ ماقبل آزادی جدوجہد کی گئی اور تحریکیں چلائی گئی تھیں۔ آج بھی اتر پردیش میں بہوجن سماج یا کرناٹک میں دلت سنگھرش سمیتی جیسی عصری سیاسی تنظیمیں

تحریکیں چلا رہی ہیں اور جدوجہد کر رہی ہیں۔اس طرح دلتوں کے سیاسی حقوق کے لیے جدوجہد کافی لمبے عرصے سے چل رہی ہے (عصری جدوجہد کی مثال کے لیے باکس 5.3 دیکھیں) دلتوں نے کئی ہندوستانی زبانوں، خاص طور پر مراٹھی، کنڑ، تمل، تیلگو اور ہندی ادب میں قابل ذکر اشتراک کیا ہے (باکس 5.4 دیکھیں) جس میں مراٹھی زبان کے معروف دلت شاعر دیا پوار کی ایک چھوٹی سی نظم دی گئی ہے)

سرگرمی 5.3

ہندوستان کے آئین کی ایک کاپی حاصل کریں۔آپ اسے اپنے اسکول کی لائبریری یا کسی کتاب کی دوکان یا انٹرنیٹ سے حاصل کرسکتے ہیں (ویب سایٹ کا پتہ http://indiacode.nic.in/ اس میں آپ ان سبھی آرٹیکل اور سیکشنوں کو تلاش کر ان کی فہرست بنائیں جو درج فہرست ذات اور درج فہرست قبائل سے متعلق ہوں۔آپ سب سے زیادہ اہم ایکٹ (قوانین) کا ایک چارٹ بنا کر اپنی کلاس میں لگا سکتے ہیں۔

دیگر پس ماندہ طبقات

چھوا چھوت سماجی تفریق کی سب سے زیادہ واضح اور وسیع شکل تھی۔لیکن جاتیوں کا ایک کافی بڑا گروپ ایسا بھی تھا جنھیں نیچا سمجھا جاتا تھا۔ان کے ساتھ ساتھ طرح طرح کا امتیاز بھی برتا جاتا تھا لیکن انھیں اچھوت نہیں مانا جاتا تھا۔یہ خدمات پیش کرنے والی اور کاریگر جاتیوں کے لوگ تھے جنھیں ذات پر مبنی درجہ بندی میں کم تر مقام حاصل تھا۔ ہندوستان کے آئین میں اس امکان کو قبول کیا گیا ہے کہ درج فہرست قبائل اور درج فہرست جاتیوں کے علاوہ اور بھی کئی گروپ ہو سکتے

باکس 5.3

'D' سے دلت اور 'D' سے دعوتِ مقابلہ (D for Dalit, D for Defiance)

گوہانہ، ہریانہ میں سونی پت روہتک شارع عام پر ایک چھوٹا سا خاک آلود گاؤں ہے جہاں ترقی کا وعدہ کرنے والے بڑے بڑے بورڈ (اشتہار والے تختے) لگے ہوئے ہیں.....قصبہ سے آگے بڑھنے پر گوہانہ کی سب سے بڑی دلت بستی بالمیکی کالونی آتی ہے جواب راکھ کے ڈھیر سے ابھری ہے۔ 31 اگست 2005 کے دن اس دلت بستی کو جاٹ لوگوں کی ایک بھیڑ نے لوٹ پاٹ کر جلا ڈالا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ دلت نوجوانوں کے ساتھ ہوئے ایک جھگڑے میں ایک جاٹ نوجوان مارا گیا تھا۔اس قتل کے حادثے کے بعد دلت وہاں سے بھاگ گئے تھے، انھیں جاٹوں کے حملے کا خوف تھا، وہاں کی گشتی پولیس نے جاٹوں کی بھیڑ کو نہ روکنا ہی مناسب سمجھا نتیجتاً دلتوں کے 54 گھر جلا ڈالے گئے ''اس آتش زنی کے ذریعے جاٹ دلتوں کو سبق سکھانا چاہتے تھے'' ونود کمار نے کہا، جن کا گھر بھی جلا دیا گیا تھا۔ ''پولیس انتظامیہ اور حکومت میں جاٹوں کا بول بالا ہے، وہ تو بس تماش بین کی طرح ہمارے گھروں کو جلتا ہوا دیکھتے رہے۔''

پانچ مہینے بعد، جلائے گئے گھر پھر سے بنا دیے گئے ہیں۔ان کے سامنے کے حصوں کو چمک دار گلابی لال اور ہرے رنگوں سے رنگ دیا گیا ہے۔ ہر ایک گھر کے دروازے پر بالمیکی کی تصویروں کے ساتھ سنگ مرمر کی ٹائلیں لگا دی گئی ہیں جو وہاں کے باشندوں کی دلت پہچان کو نمایاں کرتی ہے۔'' ہمیں واپس تو آنا ہی تھا۔ یہ ہمارا گھر ہے'' کمار نے کہا۔ وہ اپنے نیلے رنگے ہوئے گھر کی بیٹھک میں نئے خریدے گئے صوفے پر بیٹھے تھے۔

کمار گوہانہ کے دلتوں کی جرأت وہمت کی علامت ہیں۔ان کی عمر 31-30 سال ہے۔ وہ جھاڑو لگانے کا کام نہیں کرتے جو ذات پر مبنی سماج نے انھیں کرنے کے لیے کہا تھا، وہ اک بیمہ کمپنی میں سینئر اسسٹنٹ ہیں۔ زیادہ تر دلتوں نے تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ ذات نظام کی کنٹرول لائن کو پار کر گئے ہیں، ''ہم میں سے بہتوں نے ماسٹر ڈگری حاصل کر لی ہے اور سرکاری اور غیر سرکاری ملازمتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے زیادہ تر لڑکے اسکول جاتے ہیں اور لڑکیاں بھی اسکول جاتی ہیں'' کمار نے کہا۔(.....) بالمیکی کالونی کے نوجوان بندھے ٹکے روایتی انداز کے نہیں ہیں، دبے ہوئے اور تکلیف برداشت کرنے والے دلت نہیں رہے جو روایتی انداز سے سوچتے ہوں گے۔ نائیکی

© NCERT not to be republished

جوتے اور رینگلر جینس کی نقل کر کے بنائے گئے جوتوں اور جینس میں ملبوس ان نوجوانوں کی حرکات وسکنات سے بے باکی جھلکتی ہے۔ لیکن، ہریانہ کے بے زمین دلتوں میں سے زیادہ تر کے لیے سماج میں اوپر کی طرف بڑھنا ابھی مشکل بنا ہوا ہے۔ زیادہ تر لڑکے ہائی اسکول کے بعد تعلیم چھوڑ دیتے ہیں کیوں کہ وہ بہت غریب ہیں۔ سریش کٹاریہ نے کہا، جو ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اسسٹنٹ انجینئر کے عہدے پر کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے گڑگاؤں کے ایک انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ سے الیکٹریکل انجینئرنگ میں ڈپلومہ حاصل کیا ہے۔ ان کے ایک قریبی دوست نے جو جاٹ ذات کا تھا اور اس نے بھی اسی انسٹی ٹوٹ سے ڈپلومہ کیا تھا، انھیں اپنے خاندان کی ایک شادی کی تقریب میں مدعو کیا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی استدعا کی تھی کہ وہ اپنی ذات کی شناخت نہ بتائے۔ شادی کی تقریب میں ایک مہمان نے میری ذات کے بارے میں پوچھا تو میں نے جھوٹ بول دیا۔ پھر اس نے میرے گاؤں کا نام پوچھا اور میں نے صحیح صحیح بتا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ میرا گاؤں دلتوں کا ہے۔ گھر والوں اور مہمانوں میں ایک جنگ سی شروع ہوگئی کہ انھوں نے ایک دلت کو اندر کیسے آنے دیا؟'' انھوں نے دھکے مار کر مجھے باہر نکال دیا اور میں جس کرسی پر بیٹھا تھا اسے دھویا'' کٹاریا نے پرانا قصہ سنایا۔

کٹاریہ دلتوں کے لیے نئی زندگی چاہتے ہیں، وہ دیگر پڑھے لکھے دلتوں کے ساتھ مل کر گڑگاؤں کے گاؤں میں مہم چلاتے ہیں۔ ''ہمارے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے، مضبوط اور طاقت ور ہوں گے۔ ہم میں اتحاد کی ضرورت ہے اور جب ایک بار ہم میں اتحاد ہو جائے گا تو اچھی طرح مقابلہ کر سکیں گے، تب گوہانہ یا جھجر جیسے واقعات نہیں ہوں گے اور نہ ہی کوئی ایسا حادثہ''۔

ماخذ: 18 فروری 2006 کے تہلکہ میں شائع بشارت پیر کے ایک مضمون سے لیا گیا۔

باکس 5.4

شہر

دیا پوار

ایک دن کسی نے بیسویں صدی کے ایک شہر کو کھودا اور مشاہدہ کیا،
یہاں ایک دلچسپ کتبہ ہے،
''یہ پانی کا نل سبھی ذاتوں اور مذاہب کے لیے کھلا ہے۔''
آخر اس کا بھلا کیا مطلب رہا ہوگا،
یہی نا کہ یہ سماج بنٹا ہوا تھا؟
یہ کہ کچھ اعلا تھے جب کہ دوسرے کم تر؟
ٹھیک، پھر تو یہ شہر دفن ہونے لائق ہی تھا۔
کیوں پھر لوگ اسے مشین کا زمانہ کہتے ہیں۔
بیسویں صدی پتھر کا زمانہ جیسا لگتا ہے۔

ہیں جو سماجی محرومیوں کا شکار ہیں۔ ایسے گروپوں کا ذات پر مبنی ہونا ضروری نہیں ہے لیکن وہ عام طور پر کسی ذات کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان گروپوں کو سماج اور تعلیمی لحاظ سے پس ماندہ کہا گیا ہے۔ یہ عام بول چال میں رائج دیگر پس ماندہ طبقات (Other Backward Classes, OBC) کی اصطلاح کی آئینی بنیاد ہے۔

'قبائل' کے زمرے کی طرح (باب 3 دیکھیں) دیگر پس ماندہ طبقات، کو منفی طور پر یعنی وہ کیا نہیں ہیں کی بنیاد پر بیان کیا گیا ہے۔ وہ نہ تو ذات پر مبنی سلسلۂ مدارج ہیں 'اونچی ذات' کہی جانے والی اعلا جاتیوں کے حصے ہیں اور نہ نچلے سرے پر واقع دلتوں کے زمرے میں آتے ہیں لیکن چوں کہ ذات ہندو مذہب تک ہی نہیں محدود رہ گئی ہے بلکہ سبھی بڑے ہندوستانی مذاہب میں بھی داخل ہو چکی ہے اس لیے دیگر مذاہب میں بھی پس ماندہ جاتیاں پائی جاتی ہیں اور ان کی روایتی پیشہ ورانہ شناخت ہوتی ہے اور ان کی سماجی ومعاشی حیثیت بھی وسیع یا ان سے بدتر ہوتی ہے۔ انھیں وجوہات کی بنا پر دیگر پس ماندہ طبقات، دلتوں یا آدی واسیوں کے مقابلے زیادہ متنوع گروپ ہیں۔ جواہر لعل نہرو کی وزارت عظمیٰ میں آزاد ہندوستان کی پہلی حکومت نے دیگر پس ماندہ طبقات کے بہبود کے لیے اقدامات کیے جانے کی تجویز کے لیے ایک کمیشن قائم کیا تھا۔ کاکا کالیلکر کی سربراہی میں قائم پہلے پس ماندہ کمیشن برائے پس ماندہ طبقات نے 1953 میں اپنی

رپورٹ پیش کی تھی۔لیکن اس وقت کے سیاسی ماحول کو دیکھتے ہوئے رپورٹ کو ٹھنڈے بستے میں ڈال دیا گیا۔ پانچویں دہے کے وسط سے دیگر پس ماندہ طبقے کا مسئلہ علاقائی معاملہ بن گیا اور اس پر مرکزی سطح کی بجائے ریاستی سطح پر کارروائی کی جاتی رہی۔

جنوبی ریاستوں میں پس ماندہ ذاتوں کی سیاسی تحریک کی ایک طویل تاریخ ہے، جو وہاں بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں شروع ہوگئی تھی۔ان طاقت ور سماجی تحریکوں کے سبب وہاں دیگر پسماندہ طبقات کے مسائل پر توجہ دینے کی پالیسیاں زیادہ شمالی ریاستوں میں زیر بحث آنے سے پہلے اپنائی جانے لگی تھیں۔ دیگر پسماندہ طبقے کا مسلہ مرکزی سطح پر 1970 کے دہے کے آخری سالوں میں اس وقت پھر سے اٹھ کھڑا ہوا جب ایمرجنسی کے بعد جنتا پارٹی نے حکومت سنبھالی۔ اس وقت بی۔پی منڈل کی سربراہی میں دیگر پس ماندہ طبقات کے لیے کمیشن مقرر کیا گیا۔لیکن آگے چل کر جب 1990 میں مرکزی حکومت نے سنٹرل کمیشن کی دس سال پرانی رپورٹ کو نافذ کرنے کا فیصلہ لیا تبھی دیگر پس ماندہ طبقے کا مسئلہ قومی سیاست میں ایک اہم موضوع بن گیا۔

1990 کے دہے سے ہمیں شمالی ہندوستان میں دیگر پس ماندہ طبقات اور دلتوں دونوں میں ہی نچلی جاتیوں کی تحریکوں میں پھر سے تیزی دکھائی دی۔ دیگر پس ماندہ طبقے کے معاملے کو سیاسی رنگ دینے سے یہ امکان بڑھ گیا کہ ان کی بڑی بھاری تعداد کو سیاسی اثرات میں بدلا جاسکتا ہے۔ حال کے سروے سے پتہ چلتا ہے کہ قومی آبادی میں پس ماندہ طبقات کا فی صد حصہ 41 فی صد ہے۔قومی سطح پر ایسا پہلے ممکن نہیں تھا اس لیے کالیلکر کمیشن کی رپورٹ کو ٹھنڈے بستے میں ڈال دیا گیا تھا اور منڈل کمیشن کی رپورٹ کو کافی عرصے تک نظر انداز کیا گیا تھا۔

اونچی سطح پر دیگر پس ماندہ طبقات سے (جو زیادہ تر زمیندار جاتیاں ہیں اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں وہاں کے دیہی سماج میں غالب حیثیت رکھتی ہیں) اور نچلی سطح کے دیگر پس ماندہ طبقات (جو بہت ہی غریب اور محرومیوں کے شکار لوگ ہیں اور اکثر سماجی ومعاشی لحاظ سے دلتوں سے بہت مختلف نہیں ہیں) کے درمیان پائے جانے والے زبردست فرق نے اس سیاسی زمرے کے مسائل سے نمٹنا بہت مشکل بنا دیا ہے۔ تاہم زمین کی ملکیت اور سیاسی نمائندگی کو چھوڑ کر (جہاں ان کے ایم ایل اے اور ایم پی کی تعداد کافی بڑھی ہے)۔ باقی سبھی میدانوں میں دیگر پسماندہ طبقات کی نمائندگی کافی کم ہے۔ اگر چہ اعلا سطح پر واقع دیگر پس ماندہ طبقات دیہی علاقے میں اپنا غلبہ بنائے ہوئے ہیں۔لیکن شہری دیگر پسماندہ طبقات کی حالت کافی خراب ہے یعنی ان کی حیثیت اونچی جاتیوں کی بجائے کافی حد تک درج فہرست ذاتوں اور قبائل جیسی ہے۔

آدی واسی جدو جہد

درج فہرست ذاتوں کی طرح ہی، درج فہرست قبائل کو بھی ہندوستانی آئین کے ذریعہ خاص طور پر غربت، اختیارات سے محروی اور سماجی کلنک کے شکار سماجی گروپ کے طور پر پہچانا گیا ہے جن میں قبائل کو جنگل کا ایسا باشندہ سمجھا گیا جن کے پہاڑی یا جنگلی علاقوں میں بسنے کی خصوصی صورت حال نے ان کی معاشی، سماجی اور سیاسی صفات کو متعین کیا۔لیکن ماحولیاتی علاحدگی کہیں بھی مطلق نہیں تھی یعنی وہ بالکل الگ الگ اور بے رابطہ نہیں تھے۔قبائلی گروپوں کا ہندو سماج اور ثقافت سے طویل اور قریبی تعلق رہا ہے جس سے 'قبائل' اور 'ذات' کے درمیان کی حدیں کافی غیر محکم ہوگئی ہیں۔ (باب 3 میں قبیلے کے تصور پر بحث کو یاد کریں)

© NCERT not to be republished











آدی واسیوں کے معاملے میں، ان کی آبادی کے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں آنے جانے سے صورت حال اور بھی الجھ گئی ہے۔ آج مشرقی شمالی ریاستوں کو چھوڑ کر، ملک میں ایسا کوئی علاقہ نہیں ہے جہاں صرف قبائلی رہتے ہوں، صرف ایسے علاقے ہیں جہاں قبائلی لوگوں کا ارتکاز زیادہ ہے۔ یعنی ان کی آبادی گھنی ہے۔ انیسویں صدی کے وسط سے اب تک بہت سے غیر قبائلی لوگ وسطی ہندوستان کے قبائلی اضلاع میں جا بسے ہیں اور انھیں اضلاع کے قبائلی لوگ بھی روزگار کی تلاش میں باغانوں، کانوں، کارخانوں اور روزگار کے دیگر مقامات پر ہجرت کر گئے ہیں۔

جن علاقوں میں قبائلی لوگوں کی آبادی گھنی ہے، وہاں عام طور پر ان کے معاشی اور سماجی حالات غیر قبائلی لوگوں کی بہ نسبت کہیں بدتر ہے۔ غربت اور استحصال کے جن حالات میں آدی واسی اپنی گذر بسر کرنے کے لیے مجبور ہیں، اس کی تاریخی وجہ یہ رہی ہے کہ نوآبادیاتی برطانوی حکومت نے تیزی سے جنگلوں کے وسائل کا استحصال شروع کر دیا اور یہ سلسلہ آگے آزاد ہندوستان میں بھی جاری رہا۔ انیسویں صدی کے مابعد دہوں سے لے کر آگے بھی نوآبادیاتی حکومت نے زیادہ جنگلاتی علاقے اپنے استعمال کے لیے محفوظ کر لیے اور آدی واسیوں کو وہاں کی پیداوار اکٹھی کرنے اور کھیتی کے لیے ان کا استعمال کرنے کے حقوق سے محروم کر دیا۔ پھر تو عمارتی لکڑی کی زیادہ پیداوار کرنے کے ہی لیے جنگلات کا تحفظ کیا جانے لگا۔ اس پالیسی کے سبب آدی واسیوں سے ان کے ذریعۂ معاش کی اہم بنیاد چھین لی گئی اور اس طرح ان کی زندگی پہلے کی بہ نسبت زیادہ غربت اور کمیوں کا شکار اور غیر محفوظ بنا دی گئی۔ جن آدی واسیوں سے جنگلوں کی پیداوار اور زمین چھین لی گئی تب وہ یا تو جنگلوں کو ناجائز طور پر استعمال کرنے کو مجبور ہو گئے (جن کے لیے انھیں غاصب اور چور اچکے کہہ کر تنگ کیا جانے لگا اور سزا دی جانے لگی) یا مزدوری کی تلاش میں ہجرت کر گئے۔

1947 میں ہندوستان کی آزادی کے بعد آدی واسیوں کی زندگی آسان ہو جانی چاہیے تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ جنگلوں پر حکومت کی اجارہ داری قائم رہی یہاں تک کہ جنگلوں کے استحصال (کٹائی وغیرہ) میں اور بھی تیزی آئی۔ دوسرے حکومتِ ہند کے ذریعے اپنائی گئی زیادہ پونجی والی صنعت کاری کی پالیسی کو اپنانے کے لیے معدنی وسائل اور بجلی کی پیداواری صلاحیت کی ضرورت تھی اور یہ صلاحیتیں اور وسائل خاص طور پر آدی واسی علاقوں میں مرکوز تھے۔ نئی کان کنی اور باندھ بنائے جانے کے پروجیکٹوں کے لیے فوری آدی واسی زمینوں کو حاصل کیا گیا۔ اس عمل میں لاکھوں آدی واسیوں کو کافی معاوضے یا تلافی اور مناسب باز آبادکاری کے بندوبست کیے بغیر ہٹا دیا گیا۔ قومی ترقی اور معاشی نمو کے نام پر اس عمل کو جائز قرار دیا گیا، اس طرح ان پالیسیوں کی تعمیل درحقیقت ایک طرح کی داخلی استعماریت ہی تھی جس کے تحت آدی واسیوں کو ماتحت کر کے، ان کے وسائل جن پر وہ منحصر تھے، چھین لیے گئے۔ مغربی ہندوستان میں نرمدا ندی پر سردور باندھ اور آندھر پردیش میں گوداوری ندی پر پولاورم باندھ بنانے کے پروجیکٹوں سے لاکھوں آدی واسی بے دخل ہو جائیں گے، جو انھیں پہلے سے زیادہ محرومیوں کا شکار بنا دے گا۔ یہ عمل لمبے عرصے سے چلتا رہا ہے اور 1990 کے دہے سے تو اور بھی زیادہ قوی ہو گیا ہے، جب سے حکومت ہند کے ذریعے معاشی نرم کاری کی پالیسیاں سرکاری طور پر اپنائی گئی ہیں۔ اب کارپوریٹ فرموں کے لیے آدی واسیوں کو بے دخل کر کے بڑے بڑے علاقوں کا تصرف زیادہ آسان ہو گیا ہے۔

'دلت' لفظ کی طرح آدی واسی لفظ بھی سیاسی بیداری اور حقوق کی لڑائی کی علامت بن گیا ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں، 'اصل باشندے' اور اس لفظ کو 1930 کے دہے میں نوآبادیاتی حکومت اور باہر سے آکر بسنے والے اور ساہوکاروں یعنی قرض

دینے والوں کی دخل اندازی کے خلاف جدوجہد کے تحت وضع کیا گیا تھا۔آدی واسی ہونے کا مطلب آزادی حاصل کرنے کے وقت سے ترقیاتی پروجیکٹوں کے نام پر آدی واسیوں سے جنگلات کا چھن جانا، زمین کی ملکیت کی منتقلی، بار بار اجڑنا اور دیگر اور کئی دشوارایوں کا مجموعی تجربہ ہے۔

ان کی زبردست دشواریوں اور ان کو حاشیے پر دھکیل دیے جانے کے باوجود بہت سے قبائلی گروپ باہری لوگوں (جنھیں 'دکو' کہا جاتا ہے) اور ریاست کے خلاف جدہ جہد کرتے رہے ہیں۔آزادی کے بعد کے ہندوستان میں آدی واسی تحریکوں کی سب سے قابل ذکر حصول یابیوں میں سے ایک جھارکھنڈ اور چھتیس گڑھ کے لیے الگ ریاست کا درجہ حاصل کرنا ہے۔ یہ دونوں ریاستیں بنیادی طور پر علی الترتیب بہار اور مدھیہ پردیش ریاستوں کا حصہ تھیں۔اس لحاظ سے آدی واسی اور ان کی جدو جہد دلت جدو جہد سے مختلف ہے۔کیوں کہ دلتوں کے برخلاف آدی واسی ملحق علاقوں میں مرکوز تھے،اس لیے وہ اپنے لیے الگ ریاست کی مانگ کر سکے۔

باکس 5.5

ترقی کے نام پر آدی واسی گولیوں کے شکار ہوئے

نیا سال اڑیسہ کے لیے اموات کی خبر لے کر آیا۔ 2 جنوری 2006 کو پولیس نے آدی واسیوں کے ایک گروپ پر گولیاں داغیں جس سے بارہ لوگ مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوگئے۔ پچھلے 23 دنوں سے آدی واسیوں نے کلنگ نگر شارع عام کو روک رکھا تھا۔ وہ ایک اسٹیل کمپنی کے ذریعہ ان کی زرعی زمینیں لے لیے جانے کی پر امن طریقے سے مخالفت کررہے تھے۔انھوں نے اپنی زمینوں سے دست بردار ہونے سے انکار کیا گویا انتظامیہ کے سانڈ کو سرخ کپڑا دکھا کر طیش دلا دیا ہو۔اس وقت انتظامیہ پر ریاست میں صنعتی ترقی کو تیز کرنے کے لیے دباؤ تھا۔جو کھم بہت زیادہ اٹھالیا گیا تھا۔ زمین کا قطعہ ہی نہیں بلکہ تیز صنعت کاری کی پوری پالیسی ہی خطرے میں پڑ جائے گی اگر حکومت آدی واسیوں کی مانگ کے آگے جھک جائے گی۔اسی لیے شارع عام کی رکاوٹ کو زبردستی دور کرنے کے لیے پولس فورس کو بلایا گیا۔اس کے بعد جو مڈبھیڑ ہوئی اس میں بارہ آدی واسی مرد وخواتین کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بہتوں کو تو پیٹھ میں گولیاں لگی تھیں، کیوں کہ وہ بھاگ کر بچنے کی کوشش کررہے تھے۔ جب مرے ہوئے آدی واسیوں کی لاشیں ان کے خاندان والوں کو سونپی گئیں تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ پولیس نے ان کے ہاتھ، مردوں کے اعضا تناسل، عورتوں کے پستان کاٹ لیے تھے۔ لاشوں کو اس طرح مسخ کر دیا جانا اس تنبیہ کی علامت تھی کہ ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

کلنگ نگر کا قتلِ عام اس سے پہلے اور بعد میں ہوئے ایسے ہی دہشت خیز واقعات کی طرح، تھوڑے وقت کے لیے اخباروں کی سرخیاں بنا رہا اور پھر عوام کی نظروں سے غائب ہوگیا۔غریب آدی واسیوں کی زندگی اور موت تاریکی میں دبے پاؤں گزر گئی۔لیکن ان کی جدو جہد آج بھی جاری ہے اور اسی کا ذکر کر کے ہم خود کو نہ صرف تب سے چلی آرہی بے انصافی کا مقابلہ کرنے کی ضرورت کو دوبارہ یاد دلاتے ہیں بلکہ ہم یہ سمجھنے کی بھی کوشش کرتے ہیں کس طرح یہ تصادم آج ہندوستان کے ماحول اور ترقی کے میدان سے جڑے اہم امور کو بھی خول میں بند کر دیتا ہے۔ ملک کے دیگر بہت سے آدی واسی اکثریتی علاقوں کی طرح، وسطی اڑیسہ کے جاج پور ضلع کا کلنگ نگر علاقہ بھی تناقض خصوصیات پیش کرتا ہے۔ یہاں قدرتی وسائل کا تو ذخیرہ ہے لیکن اس کے برخلاف یہاں کے باشندے خاص طور پر چھوٹے کسان اور مزدور افلاس اور غربت کی مار جھیل رہے ہیں۔اس علاقے میں لوہ کچدھات (معدنی لوہا) کا جو بھرپور ذخیرہ ہے وہ تو ریاست کی املاک ہے اور ان کی ترقی کا مطلب ہے کہ آدی واسی زمینوں کو ریاست کے ذریعے لازمی طور پر حقیر سے معاوضے پر قبضے میں لیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ تھوڑے سے مقامی باشندوں کو صنعتی سیکٹر میں کوئی چھوٹی موٹی ملازمت ہاتھ لگ جائے لیکن زیادہ تر آدی واسی لوگ تو مزید غریب ہوجائیں گے اور انھیں اجرتی مزدور کی حیثیت سے فاقہ کشی کی کگار پر گزر بسر کرنی ہوگی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ تین کروڑ یعنی کناڈا کی کل

آبادی سے بھی زیادہ لوگ 1947 میں، ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد سے اب تک اس زمین پر قبضے کی پالیسی کے نتیجے میں بے دخل ہوئے ہیں (فرنانڈیز 1991)۔ ان میں سے تقریباً 75 فی صد لوگ جیسا کہ حکومت نے خود قبول کیا ہے، اب بھی آباد کاری کا انتظار کر رہے ہیں۔ زمین کے تصرف کا یہ عمل اس لیے جائز ٹھہرایا جاتا ہے کہ یہ مفاد عامہ میں ہے اور ریاست صنعتی پیداوار اور بنیادی ڈھانچے کی توسیع کے ذریعے معاشی نمو کو بڑھاوا دینے کی پابند ہے۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قومی ترقی کے لیے ایسی نمو ضروری ہے۔

ان دلیلوں کے ساتھ ایک نیا جواز اور شامل کر دیا گیا ہے۔ 1990 سے حکومت ہند نے معاشی نرم کاری کی پالیسی اپنا رکھی ہے جس کے تحت ریاست کو فلاح و بہبود کے کاموں سے بری الذمہ کر دیا گیا ہے اور نجی فرموں کو منضبط کرنے والے ادارہ جاتی ذرائع کو ختم کر دیا گیا ہے۔ معاشی پالیسی کو زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ کمانے کے لیے پھر سے وضع کیا گیا ہے اور ہندوستانی اور غیر ملکی فرموں کو برآمد کے لیے، پیداوار میں پونجی کی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے لئے رعایت اور سبسڈی (مالی تعاون) دی گئی ہے۔ فولاد کے لیے بین الاقوامی سطح پر بڑھی ہوئی مانگ کے سبب کلنگ نگر کے لوہ کچ دھات میں صنعت کاروں کی دلچسپی بڑھی ہے اور اسی وجہ سے کمپنیاں اس طرف راغب ہوتی تھیں۔ ایک کمپنی نے اسٹیل (فولاد) کے ایک نئے کارخانے کا کام شروع کرنے کے لیے اڑیسہ کی ریاستی حکومت سے زمین خریدی تھی اور وہ کارخانے کے مقام کو گھیرنے کے لیے ایک چار دیواری بنا رہی تھی۔ اس دیوار کی تعمیر کے سبب مخالفانہ ردعمل پھوٹ پڑا جس کے نتیجے میں کچھ آدی واسی مارے گئے تھے۔ ریاستی حکومت نے سالوں پہلے ان آدی واسیوں کو فی ایکڑ کچھ ہزار روپے ادا کر یہ زمین زبردستی حاصل کی تھی۔ چوں کہ آدی واسی انھیں ملے معمولی معاوضے کے سہارے اپنی روزی روٹی کا کوئی متبادل ذریعہ نہیں مہیا کر پائے، اس لیے وہ اسی علاقے میں رہتے رہے اور اس زمین کو جوتتے رہے جس پر قانونی طور پر ان کا اب کوئی حق نہیں رہا تھا (انتظامیہ نے زمین حاصل کرنے کے بعد اس کا کوئی استعمال نہیں کیا تھا)۔ دسمبر 2005 میں جب زمین کو گھیرنا شروع کیا گیا تب آدی واسیوں کو اپنے ذریعۂ معاش کے ایک اکیلے ذریعہ سے سیدھے طور پر ہاتھ دھونا پڑا۔ ان کی مایوسی غصے میں پھوٹ پڑی جب انھیں یہ پتہ چلا کہ ریاستی حکومت نے اسی زمین کو جس کے لیے آدی واسیوں یعنی اصل مالکوں کو جو تلافی رقم ادا کی گئی تھی اسٹیل فرم کو تقریباً دس گنا زیادہ روپے فی ایکڑ شرح سے فروخت کر دیا گیا۔ آدی واسی سڑکوں پر اتر آئے۔ انھوں نے اس زمین کو چھوڑنے سے انکار کر دیا جن پر ان کی بقا منحصر تھی۔

اڑیسہ میں آدی واسیوں کی جدوجہد اور اس کی پرتشدد جوابی کارروائی کی کہانی یہ ظاہر کرتی ہے کہ زمین اور قدرتی وسائل سے متعلق کشاکش ہندوستان کی ترقی کے چیلنج کی بنیاد رہے ہیں۔ اب کلنگ نگر کے ساتھ نرمدا، سنگرولی، ٹہری، ہیرا کُڈ، کوئیل کارو، سورن ریکھا، ناگر ہول، پلاچی ماڈا اور دیگر بہت سے مقامات کے نام بھی ہندوستان کی ماحولیاتی کشاکش کے نقشے میں درج ہو گئے ہیں۔ دوسرے نقشوں کی طرح یہ نقشہ بھی گہری سماجی اور سیاسی تقسیم کا انعکاس کرتا ہے جو کہ عصری ہندوستان کی ایک خصوصیت ہے۔

کلنگ نگر کے بارے میں مزید پڑھنے کے لیے فرنٹ لائین، جلد 23، 14 تا 27 جنوری کے شمارے کو پڑھیں یا دی پیوپلس یونین فار سول لبرٹیز رپورٹ کو http://www.pucl.org./Topics/dalit-tribal/2006/kalingnagar.htm پر دیکھیں

5.3 مساوات اور حقوق برائے خواتین کے لیے جدوجہد

مردوں اور عورتوں کے درمیان حیاتیاتی اور جسمانی طور پر واضح فرق کے سبب اکثر یہی سمجھا جاتا ہے کہ جنسی عدم مساوات فطری ہے۔ لیکن اس ظاہری صورت کے باوجود دانش وروں نے یہ بھی دکھا دیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان غیر یکسانیت فطری نہیں بلکہ سماجی ہے۔ مثال کے لیے ایسی کوئی حیاتیاتی وجہ نہیں دکھائی دیتی جن سے یہ ظاہر ہو سکے کہ عوامی اقتدار کے عہدوں پر عورتیں اتنی کم تعداد میں کیوں پائی جاتی ہیں۔ اور نہ ہی فطری طور پر اس سوال کا واضح جواب ملتا ہے کہ زیادہ تر سماجوں میں عام

طور پر عورتوں کو خاندانی جائیداد کا ایک چھوٹا حصہ کیوں ملتا ہے یا بالکل نہیں ملتا لیکن جن سماجوں کی شکل معمول یا عام انداز سے الگ ہٹ کر ہے ان کی طرف سے اس عدم مساوات کے خلاف ایک مضبوط دلیل دی جاتی ہے کہ اگر عورتیں خاندان کی سربراہ بننے اور خاندانی جائیداد کو وراثت میں پانے کے لیے حیاتیاتی طور پر نا اہل تھیں تو پھر مادر نسبی خاندان (جیسے کیرل کے نائر ہوا کرتے تھے اور میگھالیہ کے خاصی جو ابھی مادر نسبی ہیں) صدیوں تک کامیابی سے کیوں چلتے رہے؟ کئی افریقی سماجوں میں عورتیں کسانوں اور تاجروں کی شکل میں اپنا کام کیسے کرتی رہی ہیں؟ مختصراً مردوں اور عورتوں کے درمیان عدم مساوات یا غیر یکسانیت کی کوئی حیاتیاتی وجہ نہیں ہے۔ اس طرح جنس بھی ذات اور طبقے کی طرح سماجی عدم مساوات اور اخراج کی ایک شکل ہے لیکن اس کی اپنی امتیازی خصوصیات ہیں، اس سیکشن میں ہم دیکھیں گے کہ کس طرح جنسی عدم مساوات کو ہندوستانی سیاق وسباق میں عدم مساوات کے طور پر مانا جانے لگا اور اس شناخت کے نتیجے میں کس طرح کے ردعمل پیدا ہوئے۔

جدید ہندوستان میں عورتوں کی حیثیت پر سوال انیسویں صدی کے متوسط طبقے سے متعلق سماجی اصلاحی تحریکوں کے ایک جزو کے طور پر ابھرا۔ ان تحریکوں کی شکل سبھی علاقوں میں ایک جیسی نہیں تھی۔ انھیں اکثر متوسط طبقاتی اصلاحی تحریکوں کا نام اس لیے دیا جاتا تھا کہ ان مصلحین میں سے بہت سے لوگ ہندوستان کے نئے ابھرتے ہوئے مغربی تعلیم یافتہ متوسط طبقے سے متعلق تھے۔ وہ اکثر جدید مغربی جمہوری نصب العین کے ذریعے اور خود کے ماضی کے جمہوری روائتوں پر فخر محسوس کرتے ہوئے ان تحریکوں کے لیے راغب ہوتے تھے۔ کئی مصلحین نے تو عورتوں کے حقوق کے لیے جدو جہد کرنے کے مقصد سے ان دونوں وسائل کا استعمال کیا تھا۔ ہم اس سلسلے میں یہاں کچھ مثال دے سکتے ہیں، جیسے بنگال میں راجہ رام موہن رائے نے ستی مخالف تحریک کی قیادت کی، بامبے پریزیڈنسی میں وہاں کے اولین مصلح رانا ڈے نے بیواؤں کی دوبارہ شادی کے لیے تحریک چلائی۔ جیوتی باپھولے نے ایک ساتھ ذات اور جنس پر مبنی ظلم کے خلاف آواز اٹھائی اور سرسید احمد خاں نے مسلمانوں میں سماجی اصلاحات کی تحریک کی قیادت کی۔

سماج، مذہب اور عورتوں کی حالت یا حیثیت میں بہتری پیدا کرنے کے لیے راجہ رام موہن رائے کے ذریعے کی گئی کوششوں کو بنگال میں انیسویں صدی کے سماجی اصلاحات کا ابتدائی نقطہ کہا جاسکتا ہے۔ 1828 میں برہمو سماج کے قائم ہونے سے ایک دہے پہلے راجہ رام موہن رائے نے 'ستی' رسم کے خلاف تحریک چلائی۔ یہ پہلا معاملہ تھا جو عورتوں سے متعلق تھا جس پر عام لوگوں کی توجہ مبذول ہوئی تھی۔ راجہ رام موہن رائے کے نظریات میں مغربی استدلال اور ہندوستانی روایتوں کی خوب صورت آمیزش تھی۔ ان دونوں رجحانات کو استعماریت کے ردعمل کے وسیع سیاق وسباق میں دیکھا جاسکتا ہے۔ راجہ رام موہن رائے نے اس طرح ستی کی رسم کی مخالفت انساں دوست اور فطری حقوق کے اصولوں اور ہندو شاستروں کی بنیاد پر کی۔

ہندوؤں کی اونچی جاتیوں میں بیواؤں کے ساتھ اس وقت کیا جارہا قابل مذمت اور غیر منصفانہ برتاؤ ایک خاص مسئلہ تھا جسے سماجی مصلحین نے سامنے رکھا۔ راناڈے نے اس سلسلے میں بشپ جوسف بٹلر جیسے دانش وروں کی تحریر کا استعمال کیا، جن کی تخلیق اینیلاجی آف ریلیجن (Analogy of Religion) اور تھری سرمنس آن ہیومن نیچر (Three Sermons on Human Nature) کو 1860 کے دہے میں ممبئی یونیورسٹی کے اخلاقی فلسفے کے نصاب میں اہم مقام حاصل تھا۔ اسی عرصے میں، ایم۔جی۔ راناڈے کے ذریعے تحریر کی گئی کتابوں The Texts of the Hindu Law on the Lawfulness

© NCERT not to be republished

of the Remarriage of widows اور Veidic Authorities for Widow Marriage میں بیوہ کی شادی کے لیے شاستر کی منظوری کی جامع تشریح کی گئی تھی۔

رانا ڈے اور راجہ رام موہن رائے تو انیسویں صدی کے ایسے سماجی مصلح تھے جو نام نہاد اونچی ذات اور متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے، لیکن سماجی لحاظ سے اخراجی ذات سے بھی ایک سماجی مصلح پیدا ہوا، اس کا نام جیوتی با پھولے تھا اور انھوں نے ذات اور جنس دونوں طرح کے امتیاز کے خلاف اپنی آواز اٹھائی۔ انھوں نے ستیہ شودھک سماج قائم کیا اور اس کے ذریعہ سچ کی تلاش پر زور دیا۔ عملی اصلاحِ معاشرہ کے لیے پھولے نے سب سے پہلے، روایتی برہمن تہذیب میں سب سے نیچے سمجھے جانے والی عورتوں اور اچھوتوں کے گروپوں کو مدد کا مستحق سمجھا (باب 3 دیکھیں)

کچھ دیگر مصلحین کے معاملے میں بھی جدید مغربی نظریات اور مقدس مذہبی کتابوں دونوں کا سہارا لینے کا رجحان دکھائی دیا۔ ان میں سے ایک سرسید احمد خاں تھے جنھوں نے مسلم سماج میں اصلاح کی کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ لڑکیوں کو تعلیم یافتہ تو کیا جائے لیکن گھر کی چار دیواروں کے اندر نہیں۔ آریہ سماج کے بانی دیانند سرسوتی کی طرح انھوں نے بھی عورتوں کے تعلیم کی وکالت کی لیکن ان کا خیال تھا کہ ان کے لیے الگ قسم کا تعلیمی نصاب ہو جس کے تحت مذہبی اصولوں کی تعلیم دی جائے۔ گھر داری کے ہنر اور دست کاری اور بچوں کی پرورش کی تربیت دی جائے۔ یہ خیال آج بہت ہی دقیانوسی لگ سکتا ہے۔ لیکن ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ ایک بار عورتوں کے تعلیم جیسے حقوق کو قبول کر لیا گیا تو پھر اس عمل نے ایسا دور شروع کیا جس میں آخر کار عورتوں کو بعض قسم کی تعلیم تک ہی محدود رکھنا ناممکن ہو گیا۔

اکثر یہ مان لیا جاتا ہے کہ عورتوں کے حقوق کے لیے اصلاح معاشرہ کی جدو جہد صرف مرد مصلحین کے ذریعے کی گئی تھی اور عورتوں کی مساوات کا نظریہ باہر سے آیا تھا۔ یہ جاننے کے لیے کہ یہ دونوں خیالات غلط ہیں، باکس 5.6 اور 5.7 میں دیے گئے اقتباسات پڑھیں۔ یہ اقتباسات عورتوں کے ذریعے لکھی گئی دو کتابوں سے لیے گئے ہیں جن میں سے پہلی ''استری پرش تلنا'' 1882 میں اور دوسری سلطانا ز ڈریم (Sultana's Dream) 1905 میں لکھی گئی تھی۔

'استری پرش تلنا' نام کی کتاب مہاراشٹر کی ایک خاتون خانہ تارابائی شنڈے کے ذریعے لکھی گئی تھی جس میں مردوں کے غلبہ والے سماج کے ذریعے اپنائے گئے دوہرے معیارات کی مخالفت کی گئی تھی۔ ایک جوان برہمن بیوہ کو عدالت کے ذریعے موت کی سزا دی گئی۔ بیوہ کا جرم تھا اس نے اپنے نوزائیدہ بچے کا قتل اس لیے کر دیا تھا کیوں کہ وہ اس کی ناجائز اولاد تھا، لیکن جس مرد کا وہ بچہ تھا اس کا پتہ لگانے یا اسے سزا دینے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ جب استری پرش تلنا کتاب شائع ہوئی تو سماج میں ایک تہلکہ مچ گیا تھا۔ بیگم رقیہ سخاوت حسین کی پیدائش ایک امیر بنگالی مسلم خاندان میں ہوئی تھی اور وہ اس معنی میں خوش نصیب تھیں کہ ان کے شوہر روشن خیال شوہر تھے اور انھوں

سرگرمی 5.4

- ملک کے جس حصے میں آپ رہتے ہیں وہاں کے کسی ایک سماجی مصلح کے بارے میں پتہ لگائیں۔ اس کے بارے میں معلومات جمع کریں۔
- کسی ایک سماجی مصلح کی سوانح عمری پڑھیں
- مصلحین نے جن خیالات کے لیے جدوجہد کی تھی، کیا وہ ہماری روزمرہ کی زندگی یا ہمارے آئینی شق میں آج بھی موجود ہیں۔

سرگرمی 5.5

- ان کاموں کی فہرست بنائیے جن میں عورتیں مصروف ہیں۔
- کیا آپ کسی ایسے تعلیمی میدان کے بارے میں سوچ سکتے ہیں جہاں عورتوں پر پابندی ہے۔ آج کل ہندوستان کی مسلح افواج میں عورتوں کے داخلے کے بارے میں بحث چل رہی ہے اس سے شاید اس موضوع پر کوئی روشنی پڑے۔

© NCERT not to be republished

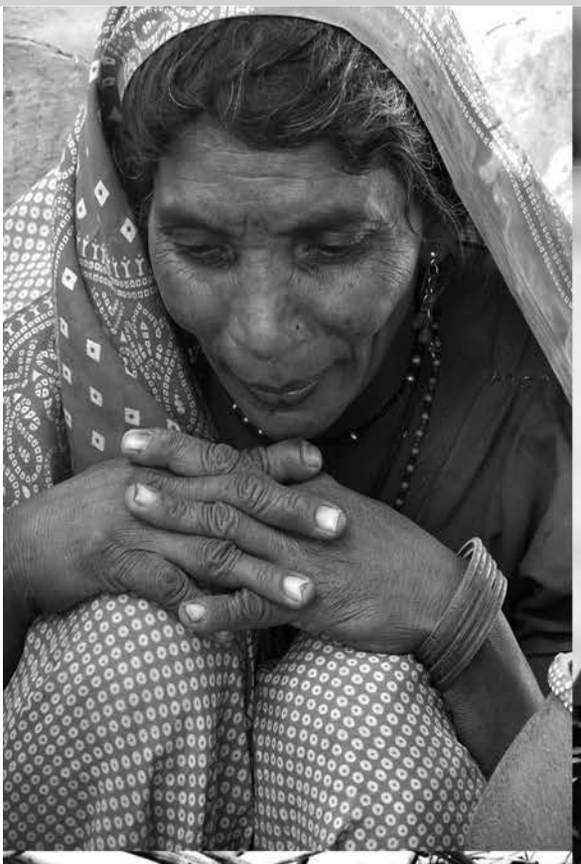










not to be republished © NCERT

نے سب سے پہلے اردو میں اور پھر بنگلہ اور انگریزی میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بیگم رقیہ کی حوصلہ افزائی کی۔بیگم رقیہ نے جب انگریزی میں اپنی صلاحیت کو پرکھنے کے لیے 'سلطاناز ڈریم' (سلطانہ کا خواب) لکھا تو اس سے پہلے ہی انھیں اردو اور بنگلہ کی مصنفہ کے طور پر کامیابی مل چکی تھی۔ 'سلطاناز ڈریم' نام کی یہ شان دار چھوٹی کہانی غالباً ہندوستان میں سائنسی کہانی لکھنے کا ایک ابتدائی نمونہ ہے اور دنیا بھر میں کہیں بھی کسی مصنفہ کے ذریعے تحریر کی گئی پہلی تخلیق کی ایک مثال ہے۔اپنے خواب میں سلطانہ ایک جادوئی ملک کے سفر پر جاتی ہے۔اس ملک میں مردوں کے کام عورتوں کے ذریعے اور عورتوں کے کام مردوں کے ذریعہ کیے جاتے ہیں۔مرد گھر سے باہر نہیں

باکس 5.6

استری پرش تلنا 1882 سے

.....وہ عورتیں کون ہیں جو تم انھیں ایسے نام دیتے ہو؟ تم کس کی کوکھ سے پیدا ہوئے؟ کس نے نو مہینے تک اپنے پیٹ میں تمھارا جان لیوا بوجھ اٹھایا تھا؟ وہ کون سا سنت تھا جس نے تمھیں اس کی آنکھوں کا نور بنایا تھا.....تب کیسا محسوس کروگے اگر ''تمھاری ماں کے بارے میں کہے، اس بوڑھے آدمی کی ماں، تم جانتے ہو، وہ دوزخ کا دروازہ ہے یا تمھاری بہن، وہ ایسی ہے ویسی ہے، درحقیقت دھوکے وعیاری کی پٹاری ہے۔''.....کیا تم چپ چاپ بیٹھے بیٹھے یہ سب گندے جملے سن لوگے۔

جب تم تھوڑی سی پڑھائی کر لیتے ہو اور ترقی پا کر کسی نئے اونچے اہم عہدے پر پہنچ جاتے ہو تب پھر تمھیں اپنی پہلی بیوی کے لیے شرم آنے لگتی ہے، تم پر امیری کا نشہ چھانے لگتا ہے اور دل ہی دل میں سوچنے لگتے ہو، بیوی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ کیا ہم انھیں ہر مہینے کچھ روپے دے کر نوکر کی طرح کھانا پکانے یا گھر کی دیکھ بھال کرنے کے لیے گھر میں نہیں رکھتے؟ پھر تو تم اسے نوکرانی کی طرح سمجھنے لگتے ہو جس کے لیے تم اسے رقم دیتے ہو.....اگر تمھارے گھوڑوں میں سے کوئی ایک گھوڑا مر جائے تو اس کی جگہ دوسرا لانے میں تمھیں کوئی دیر نہیں لگے گی اور دوسری بیوی لانے میں بھی تو کوئی خاص محنت نہیں کرنی پڑتی.....مسئلہ تو یہ ہے کہ یم راج کو بھی تو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ جلدی جلدی بیویوں کو لے جائیں نہیں تو ایک دن میں کئی بیویاں تو بدل ہی لیتے!

باکس 5.7

سلطاناز ڈریم (1905) سے

''کہیے کیا بات ہے، محترمہ'' اس نے بہت پیار سے پوچھا۔

''مجھے کچھ عجیب عجیب سا لگ رہا ہے'' میں نے کچھ معذرت کے لہجے میں کہا۔

''میں ایک پردہ نشیں خاتون ہوں، مجھے بغیر پردہ چلنے کی عادت نہیں ہے۔''

''آپ ڈریے نہیں، یہاں کوئی مرد نہیں آئے گا۔ یہ عورتوں کی سرزمین ہے۔یہ کسی طرح کے گناہ اور ضرر سے پاک سرزمین ہے.....''

''مجھے یہ جاننے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ آخر سبھی مرد چلے کہاں گئے۔ وہاں چلتے ہوئے میری سیکڑوں عورتوں سے ملاقات ہوئی، مرد ایک بھی نہیں ملا۔

''مرد حضرات کہاں ہیں؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''اپنی اپنی صحیح جگہ پر ہوں گے، جہاں ہونا چاہیے''

''ذرا یہ بھی بتانے کی زحمت کیجیے کے ان کی صحیح جگہ کون سی ہے''

''ارے ہاں، مجھ سے تو غلطی ہوگئی، آپ ہماری روایتوں اور رواجوں کو تو جانتی ہی نہیں آپ پہلے کبھی یہاں نہیں آئیں۔''

''ہم اپنے مردوں کو اندرون خانہ بند رکھتے ہیں''

''جیسے کہ ہمیں زنانہ میں رکھا جاتا ہے''

''بالکل ٹھیک ویسے ہی''

''واہ، یہ تو بڑا اچھا ہے'' میرے منھ سے ہنسی کا فوارہ چھوٹ پڑا۔سارہ بہن بھی ہنس پڑی۔

© NCERT not to be republished

جاتے اور پردہ رکھتے ہیں جب کہ عورتیں مصروف سائنس داں کے طور پر ایسے آلات کی ایجاد کے لیے باہمی مسابقت کر رہی ہوتی ہیں جن کی مدد سے بادلوں کو قابو میں کر کے حسب مرضی بارش کروائی جاسکتی ہے اور ایسی مشینیں یعنی 'ہوائی کاریں' بنانے کے لیے کوشش کر رہی ہیں جو آسمان میں اڑسکیں۔

ابتدائی حقوق نسواں حامی تصورات کے ساتھ ساتھ ہمارے یہاں خواتین کی تنظیموں کی ایک بڑی تعداد تھی جو بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں کل ہند اور مقامی سطح پر ابھری تھیں اور خواتین کا قومی تحریک میں حصہ لینا شروع ہوگیا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ عورتوں کے حقوق قوم پرستانہ تصور کا حصہ تھے۔ 1931 میں انڈین نیشنل کانگریس کے کراچی اجلاس میں ہندوستان کے شہریوں کے بنیادی حقوق کے بارے میں ایک اعلانیہ جاری کیا گیا جس کے ذریعہ کانگریس نے عورتوں کو مساوی حقوق دینے کے لیے خود کو وقف کیا۔ یہ اعلانیہ درج ذیل تھا۔

1۔ سبھی شہری قانون کے سامنے مساوی ہیں خواہ ان کا مذہب، ذات، فرقہ یا جنس کوئی ہو۔

2۔ کسی بھی شہری کو اس کے مذہب، ذات، عقائد کے سبب سرکاری ملازمت، اقتدار یا باعزت عہدے پر فائز کیے جانے، یا کوئی بھی تجارت یا پیشہ اختیار کیے جانے کے سلسلے میں کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا۔

3۔ حق رائے دہی کی بنیاد ہمہ گیر بالغ حق رائے دہی ہوگی۔

4۔ عورتوں کو ووٹ ڈالنے، نمائندگی کرنے اور عوامی عہدوں پر فائز ہونے کا حق حاصل ہوگا۔ (منصوبہ بند معیشت میں خواتین کے کردار سے متعلق ذیلی کمیٹی کی رپورٹ 38-1947:37)

آزادی حاصل کرنے کے دو دہے کہ بعد، 1970 کے دہے میں عورتوں کے مسائل پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ 19 ویں صدی کی اصلاحی تحریکوں میں ستی، بچے کی شادی جیسی روایتوں کے پس ماندہ پہلوؤں یا بیواؤں کے ساتھ خراب برتاؤ کو روکنے پر زیادہ زور دیا گیا تھا۔ 1970 کے دہے میں جدید مسائل۔ پولیس حراست میں زنا بالجبر، جہیز کے لیے قتل، عوامی میڈیا میں عورتوں کی نمائندگی اور غیر مساوی ترقی کے صنفی نتائج پر خاص زور دیا گیا۔ 1980 کے دہے میں اور اس کے بعد قانون میں اصلاح خاص مسلہ بنا خاص طور پر اس وقت جب یہ پایا گیا کہ عورتوں سے متعلق بہت سے قوانین کو 19 ویں صدی سے اب تک بغیر ترمیم کے جوں کا توں رکھا گیا ہے۔ اب جب کہ ہم 21 ویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں۔ جنس پر مبنی نا انصافی کی نئی شکل ابھر کر سامنے آرہی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے باب 2 میں گرے ہوئے صنفی تناسب (عورت و مرد تناسب) کے بارے میں غور کیا تھا۔ طفلی صنفی تناسب میں جو تیزی سے گراوٹ آرہی ہے اور لڑکیوں کے خلاف یقینی طور پر جو سماجی تعصب اپنایا جارہا ہے وہ صنفی عدم مساوات کے نئے چیلنج کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

عورتوں کے حقوق یا کسی دیگر امور کے سلسلے میں لائی گئی سماجی تبدیلی ہمیشہ کے لیے مستقل نہیں ہوتی، یہ جنگ تو بار بار لڑنی ہوگی اور آگے بھی جاری رکھنی ہوگی۔ دیگر سماجی امور کی طرح یہ جدوجہد طویل چلے گی۔ ہندوستان میں عورتوں کی تحریک کو بہت مشکل سے حاصل کیے گئے حقوق کی حفاظت کے لیے لڑنا ہوگا اور نئے ابھرتے مسائل کو بھی اٹھانا ہوگا۔

سرگرمی 5.6

- کچھ خواتین کی تنظیموں کے نام دریافت کیجیے جو ملک میں قومی سطح پر اور آپ کے علاقے میں بھی ابھریں۔
- کسی ایسی خاتون کے بارے میں پتہ لگائیں جو کسی قبائلی یا کسانوں کی تحریک، ٹریڈ یونین یا کسی بھی طرح کی آزادی کی تحریک کا حصہ رہی ہو۔
- آپ کے علاقے میں لکھے گئے ناول، مختصر کہانی یا ڈرامے کا نام بتائیں جس میں تفریق کے خلاف عورتوں کی جدوجہد کی تصویر کشی کی گئی ہو۔

© NCERT not to be republished

5.4 مختلف طور پر اہل لوگوں کی جدو جہد

مختلف طور پر اہل لوگ صرف اس لیے معذور نہیں ہوتے کہ وہ جسمانی یا ذہنی طور پر کمزور ہیں بلکہ اس لیے بھی معذور ہوتے ہیں کہ سماج کی تعمیر کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اپنی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتے۔ دلت، آدی واسی یا عورتوں کے حقوق کے لیے ہورہی جدو جہد کا تو کافی پہلے اعتراف کیا جاچکا تھا لیکن مختلف طور پر اہل (معذور) افراد کے حقوق کو ابھی حال ہی میں تسلیم کیا گیا ہے۔ تاہم سبھی تاریخی ادوار میں سبھی سماجوں میں ایسے لوگ ضرور رہے ہیں جنھیں مختلف طور پر اہل کہا جاسکتا ہے۔ ہندوستانی پس منظر میں معذور لوگوں کے لیے عملی اقدام کے قائل اور صاحب علم لوگوں میں سے ایک انتیا گھئی کا کہنا ہے کہ معذور لوگوں کی اس نہ دکھائی دینے والی صورت کا موازنہ رالف ایلیسن (Ralph Ellison) کے ان ویزیبل مین (Invisible Man) سے کیا جاسکتا ہے۔ ایلیسن کا یہ ناول ریاست ہائے متحدہ امریکا میں رہنے والے افریقی امریکیوں کے خلاف نسل پرستی یا نسلی عصبیت کا کھلا مواخذہ ہے۔

"میں ایك ان دیكھا شخص ہوں، سمجھے! صرف اس لیے كہ لوگ مجھے دیكھنا نہیں چاہتے۔ آپ سركس كے تماشوں میں كبھی كبھی بغیر دھڑكاسر دیكھا كرتے ہیں، میری حالت بھی تقریباً ویسی ہی ہے۔ایسا لگتا ہے جیسے میں سخت مسنح شدہ شیشے كے آئینوں سے گھرا ہوں۔ جب لوگ میرے پاس آتے ہیں تو وہ میرے گردوپیش كو ہی دیكھتے ہیں، جو ان كے تخیل كے ذریعہ بنائی گئی شے ہے۔ درحقیقت وہ مجھے چھوڑ كر باقی سب كچھ دیكھ سكتے ہیں۔" ایلیسن(1952:3)

معذور (disabled) اصطلاح خاص طور پر اہمیت رکھتی ہے کیوں کہ یہ اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ عام لوگ 'معذور' لفظ کا جو مفہوم لیتے ہیں اس پر سوالیہ نشان لگایا جاسکتا ہے۔

پوری دنیا میں معذور (disabled) کا جو عام مطلب سمجھا جاتا ہے اس کی کچھ عام خصوصیات درج ذیل ہیں۔

- معذوری کو ایک مخصوص حیاتیاتی کمزوری سمجھا جاتا ہے۔
- جب کبھی کسی معذور فرد کے سامنے کوئی مسلہ کھڑا ہوتا ہے تو یہ مان لیا جاتا ہے کہ یہ مسائل اس کی کمزوری یا بگاڑ کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔
- معذور شخص کو ہمیشہ شکار شخص کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔
- یہ مانا جاتا ہے کہ معذوری اس معذور شخص کے خود کے ادراک سے جڑی ہوئی ہے۔
- معذوری کا بنیادی تصور یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ اس کی مدد کیے جانے کی ضرورت ہے۔

سرگرمی 5.7

اپنی کلاس کو کئی گروپوں میں تقسیم کر لیجیے ہر ایک گروپ عورتوں کے حقوق سے متعلق کوئی موضوع چن سکتا ہے جس کے بارے میں وہ اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن کی خبروں یا دیگر وسائل سے معلومات جمع کریں اور اپنے نتائج کے بارے میں اپنے ہم جماعتوں سے مباحثہ کریں۔ موضوعات یا امور کی کچھ مثالیں درج ذیل ہوسکتی ہیں۔

- منتخب اداروں میں عورتوں کے لیے 33 فی صد ریزرویشن
- روزگار کا حق
- اور بھی کئی دلچسپ موضوع ہوسکتے ہیں آپ اپنی مرضی سے کوئی بھی موضوع چن سکتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

ہندوستان میں معذور، اپاہج، لنگڑا، اندھا، اور بہرا جیسے جزو جملہ کومترادف طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔اکثر کسی شخص کو بے عزت کرنے کے لیے اس پر ان لفظوں کی بوچھار کردی جاتی ہے۔ایک ایسی ثقافت میں جہاں جسمانی طور پر مکمل کی تلاش کی جاتی ہے۔مکمل جسم نہ ہونے کا مطلب ہے کہ اس میں جسمانی عیب، نقص یا خرابی ہے۔ بے چارہ جیسی بولیوں سے تو مخاطب کرنے پر تو اس کی ستم زدہ کیفیت اور بھی نمایاں ہوجاتی ہے۔ ایسی سوچ کی بنیادی وجہ اس ثقافتی تصور میں واقع ہے جو معذور اور جسمانی عیب کو بدقسمتی کا نتیجہ مانتا ہے۔ قسمت کو قصوروار ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور معذور کو اس کا شکار مانا جاتا ہے۔ عام تصور یہ ہے کہ معذوری پرانے کرموں کا پھل ہے اور اس سے نجات نہیں پائی جاسکتی۔ اس طرح ہندوستان میں رائج اہم ثقافتی نظریات اور ساخت معذوری کو لازمی طور پر فرد کی خصوصیت مانتی ہے، جسے اس شخص کو سہنا ہی پڑتا ہے۔اساطیری کہانیوں میں معذور لوگوں کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ نہایت منفی انداز میں ہے۔

سرگرمی 5.8

- یہ پتہ لگائیں کہ مختلف روایتی یا دیو مالائی یا اساطیری کہانیوں میں معذور افراد کی کیسی تصویر کشی کی گئی ہے۔آپ اسی طرح کے معذور کرداروں کی مثال ہندوستان میں یا دنیا کے کسی حصے میں رائج کئی علاقائی لوک کہانیوں، اساطیری کہانیوں یا روایتی کہانیوں کے قصے اخذ کر سکتے ہیں۔
- ان مقبول عام کہاوتوں یا اقوال کی ایک فہرست بنائیے جن میں معذور افراد کے تئیں منفی رویہ دکھایا گیا ہو۔

''مختلف طور پر اہل'' بنیادی لفظ ان میں سے کسی بھی مفروضے کو قبول نہیں کرتا۔ ذہنی طور پر چیلنج میں مبتلا (mentally challenged) دیکھنے سے معذور (visually impaired) اور جسمانی طور پر معذور جیسے الفاظ کا استعمال اب گھسے پٹے منفی مفہوم ظاہر کرنے والی اصطلاحات جیسے ذہنی معذور اپاہج یا لنگڑا لولا وغیرہ کی جگہ پر کیا جانے لگا ہے۔ معذور اپنی حیاتیاتی معذوری کے سبب معذور نہیں ہوتے بلکہ سماج ہی انھیں ایسا بناتا ہے۔

> **ہمیں تو ان عمارتوں نے 'معذور' بنایا ہے جو ہمارے داخلے کے لیے نہیں وضع کی گئی ہیں اور اسی کے نتیجے میں ہم تعلیم، روز گار کے مواقع حاصل کرنے، سماجی زندگی وغیرہ کے سلسلے میں مزید زیادہ سے زیادہ معذور ہوتے جاتے ہیں. معذوری تو سماج کی ساخت یا نظریات میں مضمر ہے فرد کی جسمانی کیفیت میں نہیں**
> (برسین ڈن1986:176)

معذوری کی سماجی ساخت کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ معذوری اور غربت کے درمیان بھی گہرا راشتہ ہوتا ہے۔ ناقص تغذیہ، بار بار بچے کی پیدائش کے سبب کمزور ہوئیں مائیں، مامونیت کے سلسلے میں ناکافی پروگرام، بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ والے گھروں میں ہونے والے حادثات، یہ سب غریبوں میں معذوری کا باعث ہوتی ہیں۔ایسا عام سہولت یافتہ ماحول میں رہنے والے لوگوں کی نسبت زیادہ واقع ہوتا ہے۔ مزید برآں، معذوری فرد کے لیے ہی نہیں بلکہ پورے خاندان کے لیے علاحدگی اور معاشی دباؤ کو بڑھاتے ہوئے غریبی کی حالت پیدا کرنے میں اور بھی شدت پیدا کردیتی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ معذور لوگ غریب ملکوں میں سب سے غریب ہوتے ہیں۔

© NCERT not to be republished




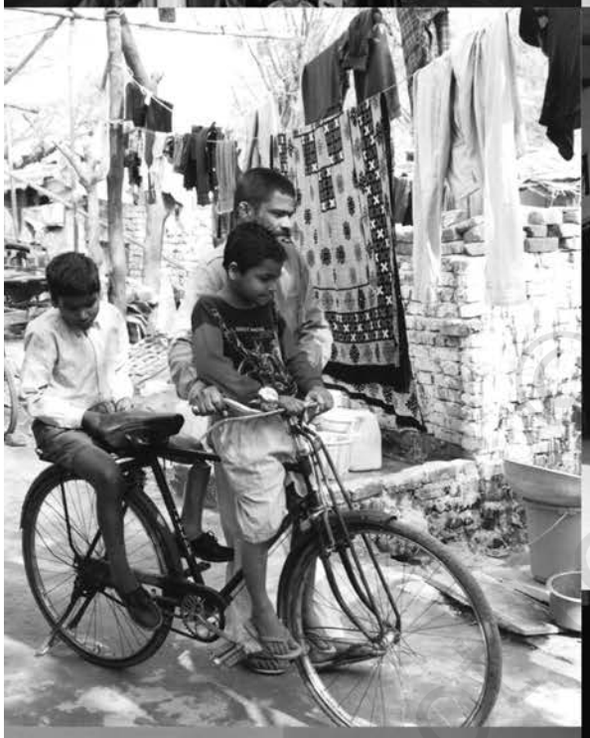





سرگرمی 5.9

کیا آپ نے اقبال فلم دیکھی ہے؟ اگر نہیں دیکھی ہے تو دیکھنے کی کوشش کریں۔ یہ ایک بہرے گونگے لڑکے کی مثالی کہانی ہے جس میں ہمت ہے، عزم ہے اور کرکٹ کے لیے جوش ہے اور آخر کار وہ ایک عمدہ گیند باز بن جاتا ہے۔ فلم میں نہ صرف اقبال کی جدو جہد کو جان دار طریقے سے دکھایا گیا ہے بلکہ ''مختلف طور پر اہل'' لفظ کے کئی ممکنہ معنی کو ٹھوس شکل میں بھی پیش کیا گیا ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حالت کو بہتر بنانے کی کوشش خود معذوروں کی طرف سے ہی نہیں کی گئی، حکومت کو بھی اپنی طرف سے کاروائی کرنی پڑی جیسا کہ باکس 5.8 میں دکھایا گیا ہے۔

مختلف طور پر اہل افراد کی کوششوں سے ابھی حال میں ہی معذوری کے بارے میں از سرنو غور کرنے کی ضرورت کے تئیں سماج میں کچھ بیداری آئی ہے۔ باکس 5.9 میں دی گئی اخبار کی رپورٹ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔

وسیع تعلیمی بحث میں معذوری کو مقبولیت نہیں ملی۔ یہ حقیقت تعلیمی نظام میں موجود تاریخی رواجوں سے ظاہر ہوتی ہے جو معذوری کے معاملے کو دو الگ الگ دھارائیں بنا کر نظرانداز کرتے آرہے ہیں۔ ان میں سے ایک دھارا معذور طلبا کے لیے اور دوسری باقی سبھی طلبا کے لیے۔

باکس 5.8

شاستری بھون،
نئی دہلی

مورخہ: 15 جون 2005

موضوع: معذور افراد کے لیے وضع قومی پالیسی کے سودے پر تجاویز وتبصرے طلب کرنا۔

1۔ مردم شماری 2001 کے مطابق ہندوستان میں معذوری کے شکار افراد کی تعداد 2.19 کروڑ ہے جو ملک کی کل آبادی کے 2.13 فی صد کی تشکیل کرتے ہیں۔ ان میں ایسے سبھی افراد شامل ہیں جو دیکھنے، سننے بولنے، چلنے پھرنے اور ذہنی طور پر معذوری میں مبتلا ہیں۔ معذوروں میں 75 فی صد لوگ دیہی علاقوں میں رہتے ہیں۔

2۔ معذور افراد کی بہبود کے لیے جامع قانونی اور ادارہ جاتی ڈھانچے پہلے سے ہی تیار کیے جا چکے ہیں۔ معذور افراد (یکساں مواقع، حقوق کا تحفظ اور پوری شراکت) ایکٹ 1995 میں نافذ کیا گیا تھا۔

3۔ معذوری کے شکار افراد کی باز آبادکاری کے لیے حکومت ہند کی مختلف وزارت، ریاستی حکومتوں، مرکز کے زیر انتظام علاقوں کی انتظامیہ، سول سوسائٹی کے ممبران، معذوری کے شکار افراد کی تنظیموں اور معذور افراد کی بہبود کے لیے کام کرنے والی غیر حکومتی تنظیموں سے کثیر حلقہ جاتی تعاونی رسائی کی امید کی جاتی ہے جس سے خدمات فراہم کرنے کے لیے کام میں بہتر اتحاد عمل حاصل کیا جا سکے۔

ڈائرکٹر، وزارت سماجی انصاف وتفویض اختیار
کمرہ نمبر 235، اے ونگ، شاستری بھون
نئی دہلی 110001 ٹیلی فیکس 011-23383853

اس باب میں ہم نے دیکھا کہ جنس، ذات، قبیلہ اور معذوری جیسے ادارے کس طرح عدم مساوات اور اخراج پیدا کرتے ہیں اور انھیں مزید دوام بخشتے ہیں۔ تاہم وہ عدم مساوات کے خلاف جدو جہد کو بھی ابھارتے ہیں۔ تاریخی طور پر سماجی علوم میں عدم مساوات کو

© NCERT not to be republished

باکس 5.9

'معذور۔غیر دوستانہ' عدالتیں

ججوں کے عہدوں پر تقرری کے لیے معذور افراد پر غور نہیں کیا جاتا اسے اعلا عدلیہ کی 'اخراجی' پالیسی بتاتے ہوئے ایک سینئر قانون دان کا کہنا ہے کہ معذوروں کو اس طرح لگاتار نظرانداز کرکے، عدلیہ ایک قانونی احکام کی خلاف ورزی کررہی ہے۔ ہائی کورٹ کی عمارت خود بھی معذوروں کے مطابق نہیں ہے حقیقی عدلیہ کمپلکس کے سبھی دروازے لمبی اونچی سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ہی آتے ہیں اور ان میں سے کسی میں ڈھلان نہیں ہے جس پر چل کر معذور اوپر پہنچ سکیں، یہاں تک کہ لفٹ یا ایلی ویٹر کی محدود آسانی حاصل کرنے کے لیے بھی کسی کو کئی سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں۔

ایک وکیل نے بتایا کہ شہر سول کورٹ کی حالت تو اور بھی خراب ہے جہاں حادثے کے دعووں کے معاملوں کی سماعت کے دوران عدالت کے سامنے گواہی دینے کے لیے کئی معذور یا زخمی افراد آتے ہیں۔ آپ وہاں معذور، زخمی یا ضعیف لوگوں کو ان کے ساتھیوں کے ذریعے سیڑھیوں پر چڑھاتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔

دی ہندو، بدھ 2 اگست 2006 کی ایک رپورٹ

سمجھنے کے لیے طبقہ، نسل اور حال قریب میں صنف کے موضوع کو کافی توجہ دی جاتی رہی ہے۔ ایسا صرف بعد میں ہوا کہ دیگر زمروں جیسے ذات اور قبیلے کی پیچیدگیوں پر بھی توجہ دی جانے لگی۔ ہندوستانی سیاق وسباق میں اب ذات، قبیلے اور صنف پر اتنی ہی توجہ حاصل ہورہی ہے جتنی ملنی چاہیے۔ لیکن اور بھی کئی زمرے ہیں جن پر توجہ دیے جانے کی ضرورت ہے جیسے وہ زمرے جنھیں مجموعی طور پر مذہب اور کچھ دیگر زمروں نے حاشیے پر ڈال دیا ہے۔ مذہب اور ذات، صنف اور مذہب یا ذات اور خطے کے ذریعے توضیح کیے گئے گروپوں جیسی زیادہ پیچیدہ تشکیل کی طرف مستقبل قریب میں غالباً ہماری توجہ مبذول ہوگی جیسا کہ مثال کے لیے مسلم کمیونٹی کے بارے میں سچر کمیٹی کی رپورٹ میں دکھایا گیا ہے۔

باکس 5.10

ایک ایسے ملک میں جہاں 5 تا 14 سال کی عمر گروپ کے آدھے بچے اسکول سے خارج ہوں وہاں معذوری کے شکار بچوں کے لیے جگہ کیسے ہوسکتی ہے۔ خاص طور پر اس حالت میں جب کہ ان کے لیے تعلیم کا الگ بندوبست کرنے کی حمایت کی جارہی ہو؟ اور اگر کوئی قانون بنا کر ہر ایک معذور بچے کو تعلیم مہیا کرانے کی امید بھی کی جائے تو بھی گاؤں کے ماں باپ/سرپرست اس بندوبست کو اپنے معذور بچوں کے لیے خودمختاری حاصل کرنے میں مددگار نہیں سمجھیں گے۔ وہ تو شاید اس بات کو زیادہ پسند کریں گے کہ انھیں کنویں سے پانی لانے کا کوئی بہتر طریقہ اور ترقی یافتہ زرعی سہولتیں دستیاب کرائی جائیں۔ اسی طرح، کسی شہری گندی بستی میں رہنے والے ماں باپ یہ چاہتے ہیں کہ تعلیم کو کام یا روزگار کے وسیع مواقع سے جڑا ہونا چاہیے کیوں کہ ایسی تعلیم ان کے بچے کی بنیادی زندگی کے معیار میں بہتر ہی کرے گی۔

ماخذ انیتا گھئی، "Disability in the Indian Context"2002:93

سرگرمی 5.10

- درج بالا مثال کو پڑھیے اور مختلف طریقوں کے بارے میں غور کیجیے جن کے سبب معذوروں کے مسائل سماجی طور پر تشکیل پاتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

سوالات

1 سماجی عدم مساوات افراد کی عدم مساوات سے کس طرح مختلف ہے؟

2 سماجی طبقہ بندی کی کچھ خصوصیات بتائیے۔

3 آپ جانب داری اور دیگر قسم کی رائے عامہ یا عقائد میں کس طرح امتیاز کریں گے؟

4 سماجی اخراج کیا ہے؟

5 ذات اور معاشی عدم مساوات کے درمیان کیا رشتہ ہے؟

6 چھوا چھوت کیا ہے؟

7 جاتی عدم مساوات کو دور کرنے کے لیے اپنائی گئی کچھ پالیسیوں کا بیان کیجیے:

8 دیگر پس ماندہ طبقات (OBC)، دلتوں یا درج فہرست ذات سے کس طرح مختلف ہیں؟

9 آج آدی واسیوں سے متعلق بڑے سروکار کون سے ہیں؟

10 تحریک نسواں کے ذریعے اس کی تاریخ کے دوران کون کون سے مسائل اٹھائے گئے ہیں؟

11 ہم یہ کس معنی میں کہہ سکتے ہیں کہ 'معذوری' جتنا جسمانی ہے اتنا سماجی بھی۔

حوالاجات

Bourdieu, Pierre. 1986. 'The Forms of Capital', in Richardson, John G. ed. Handbook of Theory and Research in the Sociology of Education. Greenwood Press. New York.

Brisenden, Simon. 1986. 'Independent Living and the Medical Model of Disability', in Disability, Handicap and Society. V.1, n.2, pp. 173-78.

Deshpande, Satish. 2003. Contemporary India: A Sociological View. Penguin Books. New Delhi.

Ellison, R. 1952. Invisible Man. Modern Library. New York.

Fernandes, Walter. 1991. 'Power and Powerlessness: Development Projects and Displacement of Tribals', in Social Action. 41:243-270.

Fuller. C.J. ed. 1996. Caste Today. Oxford University Press. New Delhi.

Ghai, Anita. 2002. 'Disability in The Indian Context', in Corker, Marian. and Shakespeare, Tom. ed. Disability/Postmodernity: Embodying Disability Theory. Continuum. London, pp. 88-100.

Ghai, Anita. 2002. 'Marginalisation and Disability: experiences from the third world', in Priestly, M. ed. Disability and the Life Course: Global Perspectives. Cambridge University Press. Cambridge.

© NCERT not to be republished

Giddens, Anthony. 2001. Sociology. 4th edition, Polity Press. Cambridge.

Jeffery, Craig, Jeffery, Roger. and Jeffery, Patricia. 2005. 'Broken Trajectories: Dalit Young Men and Formal Education', in Chopra, Radhika. and Jeffery, Patricia. ed. Educational Regimes in Contemporary India. Sage Publications. New Delhi.

Karna, G.N. 2001. Disability Studies in India: Retrospect and Prospects. Gyan Publishing House. New Delhi.

Macionis, John J. 1991. Sociology. Prentice-Hall, Englewood Cliffs, New Jersey.

Mander, Harsh. 2001. Unheard Voices: Stories of Forgotten Lives. Penguin India.

New Delhi.

Shah, Ghanshyam. Mander, Harsh. Thorat, Sukhadeo. Deshpande, Satish. and Baviskar, Amita. 2006. Untouchability in Rural India. Sage Publications. New Delhi.

Sharma, Ursula. 1999. Caste (Concepts in the Social Sciences Series). Open University Press. Buckingham and Philadelphia.

Srinivas, M.N. ed. 1996. Caste: Its Modern Avatar. Viking Penguin. Delhi.

Zaidi, A.M. and Zaidi, S.G. 1984. 'A fight to Finish', in Annual Report of the Indian National Congress 1939-1940. Vol. 11,1936-1938; and 12, 1939-1946,

© NCERT not to be republished

نوٹس

© NCERT not to be republished

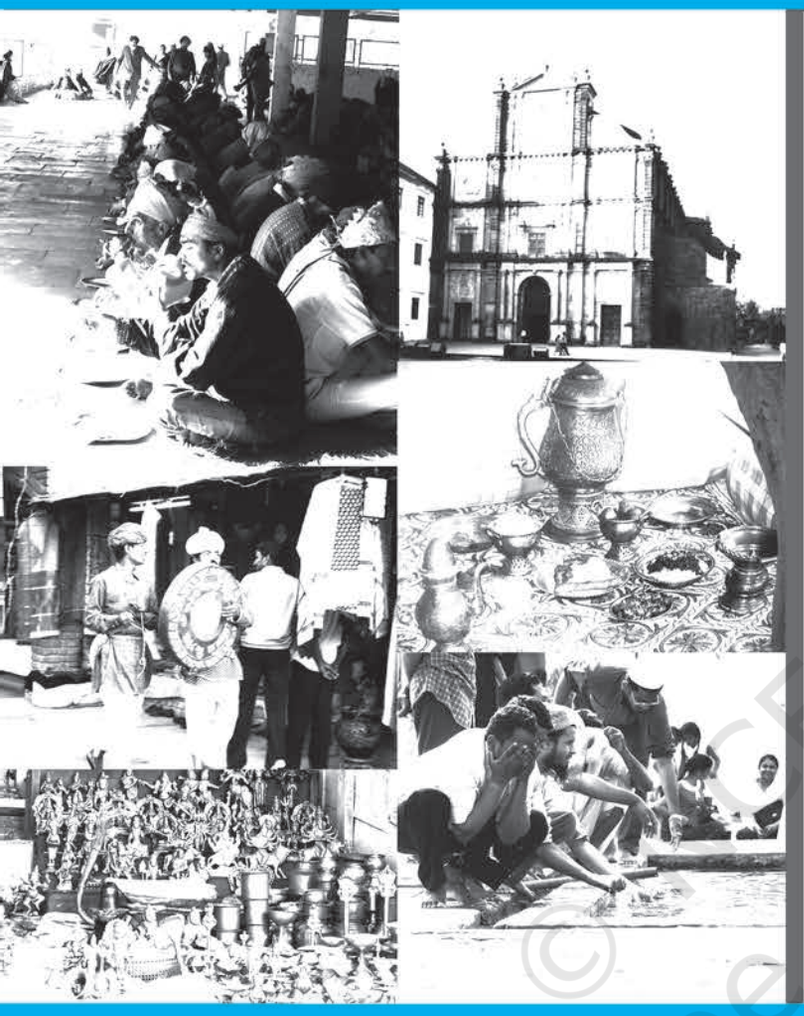

5273CH06

باب 6

ثقافتی تنوع کے چیلنج
(The Challenges of Cultural Diversity)

© NCERT not to be republished

2019-20

جیسا کہ آپ نے باب 3 اور 4 میں پڑھا ہے کہ خاندان سے لے کر بازار تک کے مختلف قسم کے سماجی ادارے لوگوں کو ایک ساتھ لا سکتے ہیں، ان میں مضبوط اجتماعی شناختیں قائم کر سکتے ہیں اور سماجی وابستگی یا جڑاؤ کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف جیسا کہ باب 4 اور 5 میں بتایا گیا ہے کہ یہی ادارے عدم مساوات اور اخراجات کے ذرائع بھی ہو سکتے ہیں۔ اس باب میں آپ ثقافتی تنوع کے ساتھ جڑے ہوئے کچھ تناؤ اور دشواریوں کے بارے میں پڑھیں گے۔ ثقافتی تنوع کا صحیح صحیح مطلب کیا ہے اور اسے چیلنج کے طور پر کیوں دیکھا جاتا ہے؟

'تنوع' کی اصطلاح عدم مساوات کی نسبت فرق پر زیادہ اصرار کرتی ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ہندوستان ایک عظیم ثقافتی تنوع یا رنگا رنگی والا ملک ہے تو ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہاں کئی طرح کے سماجی گروپ اور کمیونٹیاں رہتی ہیں۔ یہ کمیونٹیاں ثقافتی علامات جیسے زبان، مذہب، ملک نسل یا ذات کے ذریعے بیان کی جاتی ہیں۔ جب یہ متنوع کمیونٹی بھی کسی بڑے وجود جیسے ایک ملک یا قوم کا حصہ ہو تب ان کے درمیان مقابلے یا تصادم کے سبب دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

اسی وجہ سے ثقافتی تنوع زبردست چیلنج پیش کر سکتے ہیں۔ دشواریاں اس حقیقت سے بھی پیدا ہوتی ہیں کہ ثقافتی شناختیں بہت مضبوط ہوتی ہیں، وہ وفوراً جذبات کو بھڑکا سکتی ہیں اور اکثر بڑی تعداد میں لوگوں کو لام بند کر سکتی ہیں۔ کبھی کبھی ثقافتی امتیاز کے ساتھ ساتھ معاشی اور سماجی عدم مساوات بھی جڑ جاتے ہیں تب صورت حال اور پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ ایک کمیونٹی کے ذریعے برداشت کی جانے والی عدم مساوات یا ناانصافیوں کو دور کرنے کے لیے کیے گئے اقدامات دوسری کمیونٹیوں میں ان کے تئیں مخالفت کو بھڑکا سکتے ہیں۔ حالت اس وقت اور بھی بگڑ جاتی ہے جب ندی کے پانی، روزگار کے مواقع یا حکومتی سرمایوں جیسے کمیاب وسائل کی تقسیم کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

اگر آپ باقاعدگی سے اخبار پڑھتے ہیں یا ٹیلی ویژن پر خبریں دیکھتے سنتے ہیں تو آپ کے ذہن میں اکثر یہ افسردہ احساس پیدا ہوتا ہوگا کہ ہندوستان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ آپ کو کئی تقسیم کرنے والی قوتیں سرگرم طور پر اپنا کام کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جو ہمارے ملک کے اتحاد و سالمیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر آمادہ ہیں جیسے فرقہ وارانہ فساد، علاقائی خودمختاری کی مانگیں، ذات کی بنیاد پر ہونے والے جھگڑے۔ آپ یہ سوچ کر بھی پریشان ہو جاتے ہوں گے کہ ہماری آبادی کے بڑے حصے میں حب الوطنی کے جذبے کی کمی ہے اور وہ اپنے ملک کے بارے میں اتنا سوچتے نہیں دکھائی دیتے جتنی شدت سے آپ یا آپ کے ہم جماعت سوچتے ہیں۔ لیکن اگر آپ جدید ہندوستان کی تاریخ کی کسی کتاب یا فرقہ پرستی یا علاقائیت جیسے امور کا تجزیہ کرنے والی دیگر کتابوں (مثال کے لیے، براس 1974) کو پڑھیں تو آپ جان جائیں گے کہ یہ مسائل نئے نہیں ہیں۔ تقریباً سبھی تقسیم کاری مسائل جو آج ہیں وہ آزادی کے حصول کے وقت سے ہی یا اس سے بھی پہلے سے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود ہندوستان ایک ملک وقوم کے طور پر زندہ رہا ہے اور آج پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط قومی ریاست کی شکل میں موجود ہے۔

اب جب کہ آپ مزید مطالعہ کرنے جا رہے ہیں، یہ یاد رکھیں کہ اس باب میں ایسے کئی مشکل مسائل کے بارے میں غور کیا گیا ہے جن کا جواب تلاش کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ لیکن کچھ جواب دیگر جوابوں کے مقابلے زیادہ اچھے ہیں اور ملک کے سچے

© NCERT not to be republished

شہری کے طور پر ہمارا بنیادی فرض ہے کہ ہم اپنے تاریخی اور سماجی سیاق وسباق کی حدوں کے اندر رہتے ہوئے ہر ممکن طور پر ان مسائل کا حل نکالنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ ہندوستان میں اگرچہ لوگوں اور ثقافتوں کے درمیان موجود رنگارنگی کئی طرح کے چیلنج پیش کرتی ہے پھر بھی ہندوستان کی صورتِ حال دیگر ملکوں کے مقابلے کل ملا کر کافی اچھی ہے۔ دوسری طرف ہماری کچھ خاص کمزوریاں بھی ہیں۔ ان میں کافی اصلاح کی جاسکتی ہے۔اس لیے مستقبل کے چیلنج کا سامنا کرنے کے لیے ہمیں بہت محنت کرنی ہوگی۔۔۔

6.1 ثقافتی کمیونٹیاں اور قومی مملکت

ہندوستان میں تنوع کے درپیش چیلنج پر بحث کرنے سے قبل ہمیں علاقیت، فرقہ واریت اور ذات کی بنا پر تفریق جیسے موضوعات کو دائرہ بحث میں لانے کی ضرورت ہے اس کے لیے ہمیں مرکز اور ریاستوں اور ثقافتی کمیونٹیوں کے درمیان تعلقات کو سمجھنا ضروری ہے۔ لوگوں کے نزدیک ثقافتی شناخت جیسے ذات، مخصوص گروپ، علاقے یا مذہب کی بنیاد پر کمیونٹی سے وابستہ ہونا کیوں اہمیت رکھتا ہے؟ کیوں کسی کمیونٹی کے تئیں دھمکی، توہین یا ناانصافی کیے جانے پر لوگوں کا غصہ پھوٹ پڑتا ہے؟ کیوں یہ غم وغصہ مرکز اور صوبے کے لیے مسائل کا سبب ہوتا ہے؟

کمیونٹی شناخت کی اہمیت

اس دنیا میں اپنے وجود کو سرگرم بنائے رکھنے کے لیے ہر ایک انسان کو ایک مستحکم شناخت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں کون ہوں؟ میں دوسروں سے الگ کیسے ہوں؟ دیگر لوگ مجھے کیسے جانتے اور سمجھتے ہیں؟ ہماری خواہشات اور مقصود کیا ہونا چاہیے؟ اس طرح کے کئی سوالات ہماری زندگی میں بچپن سے لے کر آگے تک مسلسل واقع ہوتے رہتے ہیں۔ ہماری سماج کاری جس طریقے سے ہوئی یا ہمارے آس پاس کے خاندانوں میں یا ہماری کمیونٹی کے ذریعے سماج میں کس طرح رہنا سکھایا گیا ہے اس کی وجہ سے ہم ان میں سے کئی سوالوں کے جواب دینے کے اہل ہوتے ہیں۔ (اپنی گیارھویں کلاس کی درسی کتابوں میں سماج کاری کے موضوع پر کی گئی بحث کو یاد کریں) سماج کاری کافی تفصیلی اور طویل ہوتی ہے جس میں کچھ خاص لوگوں (جو ہماری زندگی میں براہ راست طور پر شامل رہتے ہیں) جیسے ہمارے والدین، فیملی، قرابت دار گروپ اور ہماری کمیونٹی کے ساتھ لگاتار مکالمہ، بات چیت اور کبھی کبھی جدو جہد بھی ہوتی رہتی ہے۔ ہماری کمیونٹی ہمیں زبان (مادری زبان) اور ثقافتی قدر فراہم کرتی ہے جن کے ذریعے ہم دنیا کو سمجھتے ہیں۔ یہ ہماری خود کی پہچان کو بھی سہارا دیتی ہے۔

کمیونٹی شناخت پیدائش اور متعلق ہونے کے جذبے پر مبنی ہے، نہ کہ حاصل کی گئی اہلیتوں یا حصول یابی یا انجام دہی کی بنیاد پر۔ یہ 'ہم کیا ہیں' اس کا اظہار ہے نہ کہ 'ہم کیا بن گئے ہیں'، اس کا کسی کمیونٹی میں جنم لینے کے لیے ہمیں کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی خاندان، کمیونٹی یا ملک میں پیدا ہونے پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔اس طرح کی شناختوں کو منسوب یا مفوضہ کہا جاتا ہے یعنی یہ پیدائش سے ہی متعین ہوتی ہیں اور متعلقہ افراد کی پسند یا ناپسند اس میں شامل نہیں ہوتی۔ سماجی زندگی کی یہ حقیقت

© NCERT not to be republished

ہے کہ لوگ ان کمیونٹیوں سے متعلق ہوکر نہایت محفوظ اور مطمئن محسوس کرتے ہیں جن میں ان کی رکنیت پوری طرح اتفاقی ہوتی ہے۔ہم اکثر ایسی کمیونٹی کے ساتھ اپنی پہچان مضبوطی کے ساتھ قائم کر لیتے ہیں۔جس کا 'استحقاق' حاصل کرنے کے لیے ہم نے کوئی کوشش نہیں کی، کوئی امتحان نہیں پاس کیا کسی بھی مہارت یا اہلیت کا مظاہرہ نہیں کیا.....ڈاکٹر یا ماہر تعمیرات کو امتحانات پاس کرنے ہوتے ہیں اور اپنی اہلیت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کھیل کود میں ایک ٹیم کو ممبر شپ حاصل کرنے کے لیے مہارت کی ایک یقینی سطح اولین شرط ہے۔لیکن ہمارے خاندانوں یا مذہبی یا علاقائی کمیونٹیوں کی ممبر شپ کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہوتی پھر بھی ہماری رکنیت مکمل ہوتی ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر مفوضہ شناختیں اتنی پختہ ہوتی ہیں کہ انھیں ہلایا نہیں جاسکتا، بھلے ہی ہم انھیں قبول نہ کرنے کی کوشش کریں تب بھی دوسرے لوگ شاید انھیں علامتوں سے ہماری شناخت کرتے رہیں گے۔

غالباً اتفاقی، بغیر شرط کے اور تقریباً ناگزیر طریقے سے متعلق ہونے کے سبب ہم اکثر اپنی کمیونٹی شناخت سے جذباتی طور پر گہرائی سے جڑے ہوتے ہیں۔کمیونٹی بندھنوں (خاندان قرابت داری، ذات، نسل، زبان، علاقہ، مذہب) کے بڑھتے ہوئے اہم ترین دائرے ہی ہماری دنیا کو معنی فراہم کرتے ہیں اور ہمیں ایک پہچان عطا کرتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔اسی لیے لوگ اکثر اس وقت جذباتی ہوکر یا کبھی پرتشدد طور پر اپنا ردعمل دکھاتے ہیں جب ان کی کمیونٹی شناخت کو کوئی خطرہ دکھائی دیتا ہے۔

سرگرمی 6.1

ہماری شناخت کے احساس کو خاص شکل میں ڈھالنے والے کمیونٹی بندھنوں کے بڑھتے ہوئے دائروں کو زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لیے آپ کھیل کے طور پر ایک چھوٹا سا سروے کر سکتے ہیں۔اپنے ہم جماعتوں یا دوستوں کا انٹرویو لیجیے۔انٹرویو دینے والے ہر شخص کو ان دو سوالوں کے جواب دینے کے لیے چار مواقع دیجیے، میں کون ہوں؟ اور دوسرے لوگ میری پہچان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ ان سوالوں کے جواب ایک لفظ یا جزو جملہ میں ہونا چاہیے، ان میں کوئی نام شامل نہیں ہونا چاہیے۔(جیسے آپ کا اپنا نام یا آپ کے والدین یا سرپرست کا نام یا آپ کی کلاس یا اسکول وغیرہ کا نام)۔انٹرویو اکیلے آپ ہی لیں۔یعنی بعد میں انٹرویو دینے والے دیگر امیدوار وہاں موجود نہ ہوں اور وہ آپ کے سوالوں اور جوابوں کو نہ سن سکیں۔ ہر شخص کا انٹرویو ایک ہی بار لیا جانا چاہیے (یعنی الگ الگ لوگ ایک ہی شخص کا انٹرویو نہ لیں)۔آپ انٹرویو دینے والے سے حاصل جوابوں کا ریکارڈ تیار کرلیں اور بعد میں ان کا تجزیہ کریں۔کس طرح کی شناختوں کو اولیت دی گئی؟'' سب سے زیادہ لوگوں نے اپنی پہلی پسند کیا بتائی؟ زیادہ تر آخری پسند کیا تھی؟ کیا جوابات کی کوئی مخصوص شکل تھی؟ میں کون ہوں'' اور دوسرے میری شناخت کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، ان دونوں سوالوں کے جوابوں میں کیا بہت زیادہ فرق تھا، تھوڑا یا بالکل فرق نہیں تھا؟

مفوضہ شناختوں اور کمیونٹی کے احساس کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ یہ ہمہ گیر ہوتے ہیں۔ ہر ایک فرد کا ایک مادر وطن ہوتا ہے، ایک مادری زبان ہوتی ہے۔اس کا ایک خاندان ہوتا ہے اور ایک عقیدہ بھی ہوتا ہے.....ہوسکتا ہے کہ یہ بات ہر شخص پر پوری طرح لاگو نہ ہوتی ہو لیکن عام طور پر ایسا ہوتا ہے اور ہم سب اپنی اپنی پہچانوں کے تینوں یکساں طور پر وابستہ اور وفادار ہوتے ہیں۔ایک بار پھر یہ ممکن ہے کہ شاید ہمیں ایسے لوگ بھی ملیں جو اپنی پہچان کے کسی ایک یا دیگر پہلو کے لیے خاص طور پر وابستہ نہ ہوں۔لیکن وابستگی کا امکان اکثر لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری کمیونٹیوں (خواہ ملک، زبان، مذہب، ذات یا خطے کا موضوع ہو) کے درمیان پیدا ہونے والی کشاکش یا تنازعات کو نمٹانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ تنازعہ کا ہر ایک

© NCERT not to be republished

فریق مقابل کو دشمن مانتے ہوئے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس میں اپنے فریق کی خوبیوں اور مقابل فریق کی کمیوں کو بڑھا چڑھا کر کہنے کا رجحان ہوتا ہے۔اس لیے جب دو ملکوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے تو ہر ایک ملک کے محبّ وطن لوگ مخالف ملک کو حملہ آور دشمن مانتے ہیں۔ ہر ایک فریق یہ یقین کرتا ہے کہ ہم سچے ہیں اور خدا ہمارے ساتھ ہے۔ برافروختہ لمحات میں دونوں ہی فریقوں کے لیے یہ دیکھنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ جیسا ہم ایک دوسرے کے بارے میں سوچتے ہیں، دوسرے بھی تو ہمارے بارے میں ویسا ہی سوچ رہے ہیں۔

یہ ایک سماجی حقیقت ہے کہ کوئی بھی ملک یا گروپ اپنے شہریوں یا ممبروں کو جھوٹ، ناانصافی یا نابرابری کے لیے جدوجہد کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا بلکہ ہر ایک ہمیشہ سچ، انصاف، مساوات..... کے لیے لڑ رہا ہوتا ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہر ایک تصادم میں دونوں فریق صحیح ہوتے ہیں یا کوئی بھی صحیح یا غلط یا سچا نہیں ہوتا۔کبھی کبھی تو دونوں ہی فریق یکساں طور پر غلط یا صحیح ہوتے ہیں، اور کبھی تاریخ ایک فریق کو حملہ آور اور دوسرے کو اس کا شکار متعین کرتی ہے۔لیکن ایسا تبھی ہوتا ہے جب کافی وقت نکل جاتا ہے اور کشاکشی کی گرمی دھیرے دھیرے ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔لیکن پہچان سے تعلق کشاکشی کی صورت حال میں سچائی پر باہمی اتفاق کا تصور قائم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔عام طور پر کسی فریق کو یہ قبول کرنے میں کہ وہ غلط تھا کئی دہے بلکہ کبھی کبھی تو صدیاں لگ جاتی ہیں۔(دیکھیں باکس 6.1)

باکس 6.1

جب 'فاتح' معذرت کرتے ہیں

یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے کہ جب جنگ ہارنے والے فریق کو اپنے غلط کاموں کے لیے معافی مانگنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔لیکن ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ فاتح اپنی غلطی کے لیے خود کو قصوروار مانتا ہو۔ حالاں کہ اس وقت دنیا میں ایسی کئی مثالیں دیکھنے کو ملی ہیں۔ایسے ملک یا کمیونٹی جو جیتنے والے فریق کے ساتھ تھیں یا آج بھی غالب حیثیت میں ہیں، یہ اعتراف کرنے لگے ہیں کہ وہ پہلے سنگین ناانصافیوں کے لیے ذمہ دار رہ چکے ہیں اور وہ شکار کمیونٹیوں سے معافی مانگ رہے ہیں۔

آسٹریلیا میں، (جہاں کی آبادی کی اکثریت یوروپی نژاد گورے لوگوں کی ہے) آسٹریلیائی قوم کے ذریعے رسمی طور پر وہاں کے ان اصل باشندوں کی اولادوں سے جو جبری استعماریت کے شکار ہوئے تھے، معافی مانگنے کے مسئلے پر لمبی بحث ہوتی رہی ہے۔آسٹریلیا میں زیادہ تر ریاستی حکومتوں نے درج ذیل جیسے کسی نہ کسی قرارداد کی شکل میں وہاں کے اصل باشندوں سے معذرت کی ہے ہم مختلف نژاد کے آسٹریلیا کے لوگ میل میلاپ کے جذبے کے ساتھ آگے بڑھنے کا عہد کرتے ہیں۔ ہم آسٹریلیائی آدی باسی اور ٹوریس اسٹریٹ کے جزائر کے بالی لوگوں کی منفرد حیثیت کو یہاں کے آبی وخشکی علاقوں کے اصل مالک اور متولی کی شکل میں اہمیت دیتے ہیں۔

> **هم مانتے هیں که اس سرزمین کو اور اس کے آبی حصے کو کسی معاهدے یااتفاق کے بغیر، نو آبادیوں کے طورپر بسادیا گیاتھا (.....) . همارے ملک میں اسی حقیقت کو قبول کرنے اور اس سے هونے والے زخموں پر مرهم لگانے کی همت هونی چاهیے تا که هم اپنوں کے ساتھ پر امن طور پر ره سکیں. آگے بڑھ سکیں.پرانے زخموں کے بھرنے سے اس عمل میں ملک کا ایک حصه معافی کا خواست گار هوگا اور پرانی ناانصافیوں کے لیے سچے دل سے اپنے دکھ اور پر خلوص تاسف کا**

© NCERT not to be republished

اظہار کرے گا اور دوسرا حصہ ان معافی ومعذورت کو قبول کرتے ہوئے پہلے حصے کو معاف کردے گا (.....). اور اس لیے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ناانصافیوں کو ختم کردیں گے، دشواریوں کو دورکریں گے اور اس حقیقت کا احترام کریں گے کہ ہمارے آدی باسیوں اور ٹوریس اسٹریٹ کے جزائر کے باشندوں کو ملک کی عام زندگی میں رہتے ہوئے خودارادیت کا حق ہے.

ریاست ہائے متحدہ امریکا میں قدیم امریکی کمیونٹی (جو اس ملک کے اصل باشندے تھے اور جنگ کے ذریعے باہر نکال دیے گئے تھے) اور سیاہ فام کمیونٹی (جو افریقہ سے غلاموں کے طور پر لائے گئے تھے) سے قومی سطح پر معافی کے بارے میں لمبے عرصے سے بحث چل رہی ہے۔ اس سلسلے میں ابھی تک کوئی اتفاق رائے قائم نہیں ہوئی ہے۔ جاپان میں سرکاری پالیسی کے تحت ان ظلموں کے لیے معافی مانگنے کی ضرورت کو بہت پہلے مانا جاچکا ہے جو جاپان کے ذریعے کی گئی جنگ اور استعماریت کے وقت مشرقی ایشیا کے کئی خطوں اور ملکوں، خاص طور پر کوریا اور چین کے کچھ حصوں میں گئے تھے۔ اس سلسلے میں ابھی حال میں معافی کی بات وہاں کے وزیراعظم جنی چیروکوی جمی کے ذریعے 15 اگست 2005 کو دی گئی تقریر میں کہی گئی ہے۔

ماضی میں، جاپان نے اپنی نو آبادیاتی حکمرانی اور حملوں کے ذریعے کئی ملکوں خاص طور پر ایشیائی ملکوں کے لوگوں کو زبردست نقصان اور تکلیف پھنچائی ھے. سچے دل سے ان تاریخی حقیقتوں کو قبول کرتے ہوئے میں ایک بار پھر اپنی گھری پشیمانی کا اظہار کرتا ہوں اوردل سے معافی مانگتا ہوں اور ملک یا بیرونی ملک میں جنگ کے شکار ہوئے سبھی لوگوں کے تئیں اپنے تاسف کا اظہار کرتاھوں. میرا پختہ ارادہ ھے کہ میں اس خوفناک جنگ سے سیکھے سبق کو کبھی مٹنے نہیں دوں گا اور جنگ کو ہمیشہ کے لیے خیر آباد کھتے ہوئے دنیا میں امن اور خوش حالی کے لیے اشتراک کروں گا. اسی طرح کی بحث جنوبی افریقہ میں بھی چلتی رھی ھے، جھاں گوری اقلیت اقتدار میں رھی اور مقامی سیاہ فام اکثریت پر وحشیانہ ظلم کرتی رھی.

برطانیہ میں اس سلسلے میں عوامی طور پر بحث ہوتی رہی ہے کہ کیا ملک کی استعماریت اور غلامی کے رواج کی حوصلہ افزائی کے لیے اپنے اشتراک کے لیے معافی مانگی جائے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ غلامی کے رواج کے مسئلے پر مختلف شہروں میں بھی بحث ہوئی ہے۔ مثال کے لیے برسٹل کے بندرگاہی شہر میں اس بات پر بحث چھڑی کہ کیا وہاں کی سٹی کونسل کو ایسی قرارداد پاس کرنا چاہیے جس سے غلاموں کی تجارت میں ہر مسئلہ کے ذریعے ادا کیے گئے کردار کے لیے معافی مانگی جائے۔

ماخذ:

http://en.wikipedia.org./wiki/Bringing-Them-Home-Apologies
http://www.kantei.go.jp/foreign/koizumispeech/2005/06/15 danisa_e.html

© NCERT not to be republished

سرگرمی 6.2

باکس 6.1 کوغور سے پڑھیں۔اس طرح کے معافی ناموں کا کیا مقصد ہوتا ہے؟ آخری کار جو اصل شکار اور حقیقی استحصال کرنے والے یا ظالم تھے وہ تو بہت پہلے ہی مرگئے تھے، اب نہ تو شکار ہوئے لوگوں کو معاوضہ دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تکلیف پہنچانے والوں کو سزا۔تو پھر یہ معافیاں کس وجہ سے کی جارہی ہیں یا ان پر بحث کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

کیا آپ کوئی اور مثال سوچ سکتے ہیں جہاں انجان عام لوگوں کو (یعنی ایسے لوگوں کو جو مشہور یا طاقت ور نہیں تھے) جواب زندہ نہیں رہے عمومی طور پر یا دکیا جاتا ہے یا اعزاز بخشا جاتا ہے؟ مثال کے لیے دہلی میں واقع انڈیا گیٹ جیسی یادگاروں سے کس مقصد کی تعمیل ہوتی ہے؟ (یہ یادگار کس کو وقف ہے؟ اگر آپ نہیں جانتے تو پتہ لگانے کی کوشش کیجیے)

باکس 6.1 میں مذکور معافی کی استدعا کے بارے میں ہندوستانی پس منظر میں سوچیے۔اگر آپ کو کسی ایسی معافی کی تجویز رکھنی ہو تو آپ کے خیال میں قوم کے طور پر ہمیں کن گروپوں یا کمیونٹیوں سے معافی مانگنی چاہیے؟

اس سوال پر کلاس میں بحث کرنے اور اتفاق رائے پر پہنچنے کی کوشش کریں۔معافی کے مختلف امیدوار گروپوں کے حق میں اور مخالفت میں کیا کیا دلیلیں دی جائیں؟

کیا کلاس میں ہوئی بحث کے بعد ایسی معافیوں کے بارے میں آپ کی رائے میں کوئی تبدیلی پیدا ہوتی ہے؟

کمیونٹیاں، اقوام اور قومی مملکتیں

آسان لفظوں میں کہا جائے تو قوم ایک طرح سے بڑی سطح کی کمیونٹی ہوتی ہے۔بلکہ کمیونٹیوں سے مل کر بنی ایک کمیونٹی ہے۔قوم کے ممبر ایک ہی سیاسی اجتماعیت کا حصہ بننے کی خواہش رکھتے ہیں۔قومی اتحاد کی یہ خواہش عام طور پر خود کو ایک مملکت کی آرزو کی شکل میں ظاہر کرتی ہے۔اپنے نہایت عام مفہوم میں اصطلاح مملکت کا مطلب ایک ایسے تجریدی وجود کا ہونا ہے جو سیاسی وقانونی اداروں کے مجموعے پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ ایک خاص جغرافیائی علاقے پر اور اس میں رہنے والے لوگوں پر اپنا کنٹرول رکھتا ہے۔میکس ویبر کی ایک معروف تعریف کے مطابق مملکت ایک ایسا ادارہ ہوتا ہے جو ایک مخصوص علاقے میں قانونی قوت کی اجارہ داری کا کامیابی کے ساتھ دعویٰ کرتا ہے (ویبر 78-1970)۔

قوم ایک مخصوص قسم کی کمیونٹی ہوتی ہے جس کا بیان تو آسان ہے لیکن اس کی تشریح کرنا مشکل ہے۔ہم ایسے متعدد مخصوص اقدام کے بارے میں جانتے اور بیان کرسکتے ہیں جن کو مشترکہ مذہب، زبان، نسل، تاریخی یا علاقائی ثقافت جیسے مشترکہ ثقافتی، تاریخی اور سیاسی اداروں کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے۔لیکن کسی تعریفی وصف کو متعین کرنا یا ان خصوصیات کا پتہ لگانا مشکل ہے جو ایک قوم میں ہونی چاہیے۔ہر ایک ممکنہ کسوٹی کے لیے کئی استثنا اور متضاد مثالیں پائی جاتی ہیں۔مثال کے لیے ایسی بہت سی قومیں ہیں جن کی اپنی ایک مشترکہ زبان، مذہب، نسل وغیرہ نہیں ہیں۔دوسری طرف ایسی متعدد زبانیں، مذاہب یا نسلیں ہیں جو کئی اقوام میں پائی جاتی ہیں۔لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا یہ سبھی مل کر ایک متحدہ قوم کی تشکیل کرتی ہیں مثال کے لیے سبھی انگریزی بولنے والے یا سبھی بودھ مذہب کے ماننے والے۔

تب ہم ایک قوم اور دیگر قسم کی کمیونٹیوں جیسے نسلی گروپ (جو مشترکہ زبان یا ثقافت کے علاوہ ایک مشترکہ نسب پر مبنی ہو)، مذہبی کمیونٹی یا علاقائی بنیاد پر معین کمیونٹی وغیرہ کے درمیان امتیاز کیسے کرسکتے ہیں؟ تصوراتی طور پر تو کوئی پختہ امتیاز نہیں دکھائی دیتا

© NCERT not to be republished

سرگرمی 6.3

کیا یہ واقعی سچ ہے کہ ایسی کوئی خاصیت نہیں ہے جو ہر ایک قوم میں عام طور پر پائی جاتی ہے، کلاس میں بحث کیجیے۔ ان ممکنہ کسوٹیوں یا خصوصیات کی فہرست بنایئے جو ایک قوم کی تعریف کرسکتی ہے۔ ایسی ہر ایک کسوٹی یا معیار کے لیے ایسی اقوام کی مثالوں کی ایک فہرست بنائیں جو اس کسوٹی پر پورے اترتے ہوں اور ساتھ ہی ان قوموں کی بھی فہرست بنائیں جو اس کسوٹی کی خلاف ورزی کرتی ہوں۔ مان لیجیے کہ آپ نے یہ کسوٹی طے کی ہے کہ ہر ایک قوم کے پاس باقاعدہ جغرافیائی علاقے کی شکل میں برقرار ایک خطّہ ہونا ہی چاہیے، تو پھر اس کسوٹی کی بنیاد پر درج ذیل معاملوں پر غور کریں۔ ہر ایک ملک یا خطے کو دنیا کے نقشے پر تلاش کریں، آپ کو ہر ایک معاملے میں سب سے پہلے کچھ تحقیق کی ضرورت ہوگی۔

- الاسکا اور ریاست ہائے متحدہ امریکا
- 1971 سے پہلے کا پاکستان (مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان)
- آسٹریا اور جرمنی
- ایکویڈار، کولمبیا، وینزویلا
- یمن، سعودی عرب، کویت، متحدہ عرب امارت

[اشارہ: پہلے تین معاملے ایک ہی قوم کے جغرافیائی لحاظ سے دور دراز کے علاقوں کی مثالیں ہیں؟ آخری تین معاملے ایسے ملکوں کی مثالیں ہیں جن کی عمل داری ساتھ ساتھ ملحق ہے، ان کی ایک مشترکہ زبان اور ثقافت ہے پھر بھی وہ الگ الگ قومی ریاستیں ہیں]

کیا آپ ان مثالوں کی فہرست میں کچھ نام جوڑ سکتے ہیں؟

دیگر قسم کی کوئی بھی کمیونٹی ایک نہ ایک دن قوم بن سکتی ہے۔ بطور متبادل کسی بھی مخصوص طرح کی کمیونٹی کے لیے یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ قوم کی شکل اختیار کرلے گی۔

قوم کا فرق ظاہر کرنے والی سب سے نزدیکی کسوٹی ریاست ہے۔ قومی مملکت پہلے بتائی گئی دیگر طرح کی کمیونٹیوں کے برخلاف قوم ایک ایسی کمیونٹی ہوتی ہے جن کی اپنی مملکت ہوتی ہے۔ اس لیے یہ دونوں قومی مملکت (Nation-State) اصطلاح کی شکل میں نشان الحاق سے جڑا ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حال کے وقت میں قوم اور مملکت کے درمیان ایک۔ایک کا تعلق ہے۔ (ایک قوم، ایک مملکت، ایک مملکت، ایک قوم) لیکن یہ ایک نئی پیش رفت ہے۔ پہلے یہ بات صحیح نہیں تھی کہ ایک اکیلی ریاست صرف ایک ہی قوم کی نمائندگی کرسکتی تھی یعنی ایک ہی قوم کی نمائندہ تھی یا ہر ایک قوم کی اپنی الگ مملکت ہونی ضروری تھی۔ مثال کے لیے سویت یونین نے اپنے وجود کے وقت یہ واضح طور پر تسلیم کر رکھا تھا کہ جن لوگوں پر اس کی حکمرانی تھی وہ مختلف قوموں کے تھے اور اس نے ایک سو سے بھی زیادہ قومیتوں کو تسلیم کیا تھا۔ اسی طرح ایک قوم کی تشکیل کرنے والے لوگ ہوسکتا ہے کہ مختلف مملکتوں کے شہری یا باشندے ہوں۔ مثال کے لیے جمائیکا میں جمائیکا سے باہر رہنے والوں کی تعداد جمائیکا کے اندر رہنے والے جمائیکیوں سے زیادہ ہے۔ یعنی غیر مقامی (Non-resident) جمائیکیوں کی تعداد 'مقامی' جمائیکیوں کی آبادی سے زیادہ ہے۔ دوہری شہریت سے متعلق قانون ایک الگ مثال پیش کرتا ہے۔ یہ قانون خاص طور پر کسی مملکت کے شہریوں کو ایک ہی وقت میں ایک دوسری مملکت کا شہری بننے کی اجازت دیتا ہے۔ اسی طرح، مثال کے لیے یہودی امریکی بیک

© NCERT not to be republished



وقت اسرائیل اور ریاست ہائے متحدہ امریکا دونوں کے شہری ہوسکتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان دونوں میں سے کسی بھی ملک کی مسلح افواج میں دوسرے ملک کی شہریت سے محروم ہوئے بغیر خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

مختصراً آج کسی قوم کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے اور اس سلسلے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ قوم ایک ایسی کمیونٹی ہوتی ہے جو اپنی مملکت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ اس کی مخالف بات بھی زیادہ سے زیادہ سچ ہوگئی ہے۔ جس طرح آج مستقبل کی یا آرزو مند انہ قومیں اپنی مملکت کی تشکیل کے لیے زیادہ سے زیادہ کوشاں ہیں، ویسے ہی موجودہ مملکتیں یہ دعویٰ کرنا زیادہ ضروری سمجھتی ہیں کہ وہ ایک قوم کی نمائندگی کرتی ہیں۔ جدید دور (آپ کلاس گیارھوں کی درسی کتاب سماج کی فہم کے باب 4 میں جدیدیت پر کی گئی بحث کو یاد کریں) کی ایک امتیازی خصوصیت ہے سیاسی جواز کے اہم وسائل کے طور پر جمہوریت اور قوم پرستی کا قیام۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آج ایک مملکت کے لیے 'قوم' زیادہ قبول کی گئی یا جائز ضرورت ہے جب کہ عوام قوم کے جواز کا حتمی وسیلہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں، ریاستوں کو قوم کی اتنی یا اس سے بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے جتنی کہ قوموں کو ریاست کی۔

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے کے پیراگرافوں میں دیکھا ہے کہ ایک قومی مملکت اور کمیونٹی ان مختلف شکلوں کے درمیان، جن پر قومی ریاست مبنی ہے، تاریخی لحاظ سے کوئی یقینی اور منطقی لازمی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سوال کا جواب پہلے سے متعین نہیں کیا جاسکتا: قومی مملکت کے 'مملکت' حصے کو ان مختلف قسم کی کمیونٹیوں کے ساتھ کیسے برتاؤ کرنا چاہیے جو 'قوم' حصہ کی تشکیل کرتی ہیں؟ جیسا کہ باکس 6.2 میں دکھایا گیا ہے (اقوام متحدہ ترقیاتی پروگرام (UNDP) ثقافت اور جمہوریت کے موضوع پر 2004 کی رپورٹ پر مبنی) زیادہ تر ریاستیں عام طور پر ثقافتی تنوع کے تئیں شک میں مبتلا رہی ہیں اور انھوں نے اسے کم کرنے یا دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم کئی کامیاب مثالیں ہیں جن میں ہندوستان بھی ایک ہے جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ مختلف قسم کی کمیونٹیوں کی شناخت کو ایک معیاری قسم میں یک جنسی یا یک رنگ کیے بغیر بھی ایک مضبوط قومی مملکت کا ہونا پوری طرح ممکن ہے۔

باکس 6.2

کمیونٹی شناختوں کے ڈر سے ریاستوں کے ذریعے ثقافتی تنوع مٹانے کی کوشش

تاریخی طور پر ریاستوں نے قوم کی تعمیر کی حکمت عملیوں کے ذریعے اپنے سیاسی جواز کو قائم کرنے اور اسے مزید بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے انجذاب یا یک جہتی کی پالیسیوں کے ذریعے اپنے شہریوں کی وفاداری اور اطاعت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنا خاص طور پر ثقافتی تنوع کے سیاق وسباق میں آسان نہیں تھا کیوں کہ ایسے حالات میں شہری اپنے ملک کے ساتھ شناخت قائم کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے نسلی، مذہبی، لسانی یا دیگر کسی کمیونٹی کے ساتھ بھی ایک گہرا احساس رکھتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

اکثر ریاستوں کو یہ ڈر تھا کہ اس طرح کے فرق کو تسلیم کیے جانے سے سماجی شکستگی کی صورت پیدا ہوجائے گی اور متجانس سماج کی تعمیر میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ مختصراً، اس طرح کی شناخت سے متعلق سیاست، ریاست کے اتحاد کے لیے خطرہ سمجھی گئی۔ اس کے علاوہ اس طرح کے فرق کا تطابق کرنا سیاسی لحاظ سے چیلنج سے بھرپور ہوتا ہے، اس لیے کئی ریاستوں نے ان مختلف یا متنوع شناختوں کو سیاسی سطح پر دبایا یا نظرانداز کیا۔

انجذاب کی پالیسیاں جس کے تحت اکثر نسلی، مذہبی یا لسانی گروپوں کی شناخت بالکل دبادی جاتی ہے، گروپوں کے درمیان پائے جانے والے ثقافتی تنوع کو مٹانے کی کوشش کرتی ہیں۔ ادغامی پالیسیاں صرف ایک اکیلی قومی پہچان بنائے رکھنا چاہتی ہیں جس کے لیے وہ عوامی اور سیاسی میدان میں نسلی قومی اور ثقافتی تنوع کو دور کرنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن نجی شعبوں میں انھیں بنائے رکھنے کی اجازت دیتی ہیں۔ ان دونوں طرح کی پالیسی کا مجموعہ ایک اکیلی قومی شناخت کو اپناتا ہے۔

انجذاب اور ادغام کی حکمت عملیاں مختلف مداخلتوں کے ذریعے واحد قومی شناختوں کو قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں جیسے:

- سبھی قوتوں کو ایسے فورم میں مرکوز کرنا جہاں بااثر گروپ اکثریت میں ہوں اور مقامی یا اقلیتی گروپوں کی خودمختاری کو مٹانا
- بااثر یا غالب گروپ کی روایتوں پر مبنی ایک متحدہ قانون اور عدلیہ کے نظام کو تھوپنا اور دیگر گروپوں کے ذریعے استعمال کیے جانے والے متبادل نظام کو ختم کردینا
- غالب گروپ کی زبان کو ہی اکیلی سرکاری، قومی زبان کے طور پر اپنانا اور اس کے استعمال کو سبھی عوامی یا سرکاری اداروں میں لازمی بنادینا۔
- غالب گروپ کی زبان اور ثقافت کو قومی اداروں کے ذریعے جن میں ریاستی کنٹرول کے میڈیا اور تعلیمی ادارے شامل ہیں، حوصلہ افزائی کرنا
- غالب گروپ کی تاریخ، سورماؤں اور ثقافت کو فوقیت عطا کرنے والی ریاستی علامتوں کو اپنانے، قومی تیوہاروں، چھٹی یا سڑکوں وغیرہ کے نام متعین کرتے وقت بھی انھیں باتوں کا خیال رکھنا۔
- اقلیتی گروپوں اور مقامی لوگوں سے زمینیں، جنگل اور ماہی گیری کے علاقے چھین کر انھیں قومی وسائل قرار دینا۔

ماخذ: اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (UNDP) کی انسانی ترقیاتی رپورٹ 2004 باب 3 فیچر 3.1 سے لیا گیا

باکس 6.2 میں 'انجذابی' اور ادغامی یا وحدت بنانے کی پالیسیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ انجذاب کی حوصلہ افزائی کرنے والی پالیسیوں کا مقصد سبھی شہریوں کو یکساں ثقافتی قدروں کے پیمانے کو اپنانے کے لیے راضی کرنا، ترغیب دینا یا مجبور کرنا ہے۔ یہ قدر اور معیار عام طور پر پوری طرح سے یا زیادہ بااثر سماجی گروپ کے ہوتے ہیں۔ سماج میں دیگر غیر موثر یا ماتحت بنائے گئے گروپوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی ثقافتی قدروں کو چھوڑ دیں اور مجوزہ قدروں کو اپنالیں۔ ادغام کو بڑھاوا دینے والی پالیسیاں طرز میں مختلف ہوتی ہیں لیکن ان کا مجموعی مقصد مختلف نہیں ہوتا، وہ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ عوامی ثقافت کو عام قومی طرز تک ہی محدود رکھا جائے، جب کہ سبھی غیر قومی ثقافتوں کو نجی حلقے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ اس معاملے میں بھی بااثر یا غالب گروپوں کی ثقافت کو قومی ثقافت مانے جانے کا خطرہ رہتا ہے۔

اب تک آپ غالباً یہ جان گئے ہوں گے کہ آخر مسئلہ کیا ہے۔ کمیونٹی کی کسی مخصوص شکل اور ریاست کی جدید شکل کے درمیان کوئی تعلق ہونا ضروری نہیں ہے۔ کمیونٹی کی شناخت کی بہت سی بنیادوں (جیسے زبان، مذہب، نسل وغیرہ) میں سے کوئی ایک بنیاد قوم کو شکل فراہم کرسکتی ہے یا نہیں بھی کرسکتی ہے، اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ لیکن چوں کہ کمیونٹی شناختیں قوم کی تعمیر کی بنیاد کے طور پر کام کرسکتی ہیں اس لیے پہلے سے موجود ریاست سبھی طرح کی کمیونٹی شناختوں کو خطرناک حریف کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اسی لیے ریاست عام طور پر کسی ایک متجانس قومی شناخت کی طرف داری اس لیے کرتی ہیں کہ وہ اس کا کنٹرول اور انتظام

© NCERT not to be republished

کرسکیں گے لیکن ثقافتی تنوع کو دبانا بہت مہنگا ثابت ہوسکتا ہے کیوں کہ اس سے ان اقلیتوں اور ماتحت کمیونٹیوں میں بے گانگی پیدا ہو جاتی ہے جن کی ثقافت کو غیر قومی مان لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی استحصالی عمل کمیونٹی شناخت کو اور گہرا بنانے کا مخالف اثر پیدا کرتا ہے۔ اس لیے ثقافتی تنوع کی حوصلہ افزائی کرنا یا کم سے کم اسے بنائے رکھنا عملی اور نظریاتی اعتبار سے اچھی پالیسی ہے۔

ثقافتی تنوع اور ہندوستانی قومی ریاست کا ایک عمومی جائزہ

ہندوستانی قومی ریاست سماجی وثقافتی لحاظ سے دنیا کی سب سے زیادہ متنوع خصوصیت والی ریاستوں میں سے ایک ہے۔ ہندوستان کی سال 2011 کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی تقریباً 121 کروڑ (عارضی) ہے۔ آبادی کے لحاظ سے دنیا میں اس کا مقام دوسرا ہے اور جلد ہی یہ پہلا مقام حاصل کرنے والا ہے۔ یہاں کے ایک ارب سے زیادہ لوگ کل ملا کر تقریباً 1,632 الگ الگ زبانیں اور بولیاں بولتے ہیں۔ ان زبانوں میں سے اٹھارہ زبانوں کو سرکاری طور پر تسلیم کر کے انھیں آئین کے آٹھویں شیڈول میں جگہ دی گئی ہے، اس طرح قانونی حیثیت کی ضمانت دی گئی ہے۔ جہاں تک مذہب کا سوال ہے، یہاں کی 80.5 فی صد آبادی ہندوؤں کی ہے جو خود بھی علاقائی طور پر طرح طرح کے عقائد اور برتاؤ اور جاتیوں اور زبانوں کے لحاظ سے منقسم ہے۔ تقریباً 13.4 فی صد آبادی مسلمانوں کی ہے جس سے ہندوستان دنیا میں انڈونیشیا اور پاکستان کے بعد مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی والا ملک بن گیا ہے۔ دیگر اہم مذہبی کمیونٹی میں عیسائی (2.3%)، سکھ (1.9%)، بودھ (0.8%) اور جین (0.4%) شامل ہیں۔ ہندوستان کی اتنی بڑی آبادی کے سبب یہ چھوٹے چھوٹے فی صد حصے بھی مل کر بڑی تعداد بنا سکتے ہیں۔

کمیونٹی شناختوں کے ساتھ قوم۔ ریاست کے تعلق کے لحاظ سے ہندوستان کی حیثیت نہ تو انجذابی اور نہ ہی ادغامی یا وحدت بنانے کی ہے جس کے بارے میں باکس 6.2 میں بتایا گیا۔ اپنی ابتدا سے ہی آزاد ہندوستانی مملکت میں انجذابی پالیسی کو نہیں مانا گیا ہے تاہم ایسے ماڈل کے لیے غالب اکثریتی ہندو کمیونٹی کے کچھ طبقوں کی طرف سے اس کی مانگ کی جاتی رہی ہے۔ حالاں کہ 'قومی یک جہتی' کو مملکت کی پالیسی میں ہمیشہ اہم مقام دیا جاتا رہا ہے۔ لیکن ہندوستان کبھی اس شکل میں ادغام پسند نہیں رہا جیسا کہ باکس 6.2 میں بتایا گیا ہے۔ آئین میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ ہندوستان ایک سیکولر ریاست ہوگی لیکن 'مذہب' زبان اور دیگر عوامل کو عوامی دائرے سے پوری طرح خارج نہیں کیا ہے۔ سچائی تو یہ ہے کہ مملکت کے ذریعے ان کمیونٹیوں کو واضح طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ بین الاقوامی معیارات کے لحاظ سے اقلیتی مذاہب کو نہایت مضبوط آئینی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ عام طور پر ہندوستان میں قوانین اور اصولوں کی نسبت نفاذ اور عمل کے میدان میں مسائل زیادہ رہے ہیں لیکن مجموعی طور پر ہندوستان کو 'ریاست۔قوم' کی ایک اچھی مثال مانا جا سکتا ہے۔ تاہم قومی ریاستوں کو درپیش مسائل سے پوری طرح آزاد نہیں ہے۔

باکس 6.3

ثقافتی تنوع کے ساتھ قومی اتحاد۔ ایک جمہوری 'ریاست۔قوم' کی تعمیر

قومی ریاست کا ایک متبادل ہے ''ریاستی قوم'' جہاں نسلی، لسانی مذہبی یا ملکی پہچانوں پر مبنی مختلف ''قومیں'' ایک اکیلے ریاستی نظام حکومت کے تحت پرامن طور پر اور تعاون کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔

کیس مطالعات اور تجزیہ یہ دکھاتے ہیں کہ کثیر ثقافتی نظام حکومت میں روادار جمہوریتیں قائم کی جاسکتی ہیں۔ متنوع گروپوں کے ثقافتی اخراج ختم کرنے .....اور تعددی اور تکمیلی شناختوں کی تعمیر کرنے کے لیے نمایاں کوششوں کی ضرورت ہے۔ ایسی اثر پذیر پالیسیاں تنوع میں اتحاد یا

© NCERT not to be republished

کثرت میں وحدت کا احساس پیدا کرنے کے لیے 'ہم' کے جذبے کی ترغیب دیتی ہیں۔شہری اپنے ملک اور اپنی دیگر ثقافتی شناختوں کے ساتھ مشترکہ اداروں میں اپنا اعتماد قائم کرنے اور جمہوری سیاستوں میں حصہ لینے اور اس کی تائید کرنے کے لیے ادارہ جاتی اور سیاسی دائرہ دریافت کر سکتے ہیں۔ یہ سبھی جمہوریتوں کو مضبوط اور گہرا بنانے اور روادار ریاستی قوم کی تعمیر کرنے کے اہم عوامل ہیں۔

ہندوستان کے آئین میں اس تصور کو سمویا گیا ہے۔اگرچہ ہندوستان ثقافتی لحاظ سے ایک متنوع قوم ہے لیکن طویل وقت سے چلی آ رہی جمہوریتوں کا جن میں ہندوستان بھی ایک ہے، تقابلی سروے یہ دکھاتا ہے کہ اپنے تنوع کے باوجود یہ ایک نہایت مضبوط جمہوریت ہے۔لیکن جدید ہندوستان کو پورے ملک پر ایک اکیلی ہندو شناخت کو تھوپنے کے لیے آرزومند گروپوں کے ابھرنے کے ساتھ مختلف اور تکمیلی شناختوں کے اپنے آئینی عہد و پیماں کے زبردست چیلنج کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔آج ہندوستان کو درپیش یہ خطرات اشتمال کے جذبے کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اقلیتوں کے حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔حال میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ہیں ان سے مستقبل میں سماجی میل ملاپ کے جذبات کے تئیں گہری تشویش پیدا ہوتی ہے اور ملک کے ذریعے پہلے کی حصول یابیوں کو ٹھیس پہنچنے کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔

اور یہ حصول یابیاں معمولی نہیں کافی زیادہ ہیں۔تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کی آئینی وضع نے الگ الگ گروپوں کے دعووں کو تسلیم کیا ہے اور اس پر عمل کیا ہے اور علاقائی، لسانی اور ثقافتی تنوع کے باوجود ایک ساتھ مربوط کرنے میں نظام حکومت کو اہل بنایا ہے جیسا کہ شناخت کاری، بھروسہ اور تائید کے اظہاروں کے سلسلے میں ہندوستان کی کارکردگی سے پتہ چلتا ہے(چارٹ 1) کہ اس کے شہری ملک کے تنوع اور نہایت طبقہ بند سماج کے باوجود ملک اور جمہوریت کے ساتھ گہرائی سے وابستہ ہیں۔جب ہندوستانی جمہوریت کی کارکردگی کا موازنہ دیگر طویل عرصے سے قائم اور زیادہ خوش حال جمہوریتوں سے کیا جاتا ہے تو یہ زیادہ موثر نظر آتی ہے۔

جمہوری طریقوں سے کثیر اکائیت، ادارہ جاتی تطابق اور تصادم یا کشاکش کے حل کے لیے عمل کرنے میں ہندوستان کے پیمان وابستگی کو تقویت دینے میں چیلنج درپیش ہے۔ایک کثیر ثقافتی جمہوریت کی تعمیر کے لیے قوم کی تعمیر کی تاریخی کوششوں کی کمزوریوں کو تسلیم کرنا اور تعددی اور تکمیلی شناخت کے لوگوں کو تسلیم کرنا بہت ضروری ہے۔شناخت، اعتماد اور تائید کے ذریعے سماج کے سبھی گروپوں میں سماج کے تئیں وفاداری کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش بھی اہم ہے۔قومی پیوستگی میں یہ مطلوب نہیں ہوتا کہ کوئی ایک اکیلی پہچان سب پر تھوپ دی جائے اور تنوع کی مذمت کی جائے۔ریاست قوموں کی تعمیر کی کامیاب حکمت عملیوں میں اس تنوع کو تعمیری طور پر ثقافتی منظوری کی اثر پذیر پالیسیاں بنا کر تطابق کیا جا سکتا ہے اور کیا بھی جاتا ہے۔یہ سیاسی استحکام اور سماجی آہنگی یا میل ملاپ کے طویل مدتی مقاصد کو یقینی بنانے کا موثر حل ہے۔

اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام کی انسانی ترقیاتی رپورٹ 2004، باب 3 فیچر 3.1 سے لیا گیا۔



© NCERT not to be republished

چارٹ 1: ثقافتی تنوع کو پروان چڑھانا
ہندوستانی مملکت میں اعتبار

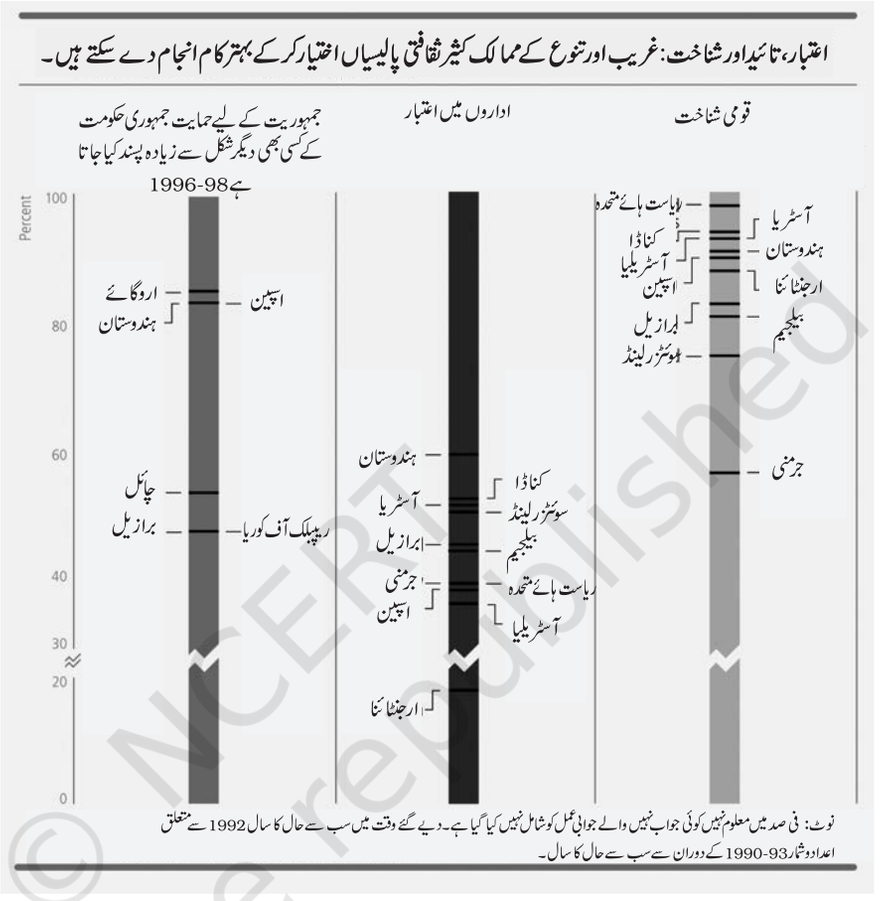

ماخذ: اقوام متحدہ ترقیاتی پروگرام کی انسان ترقیاتی رپورٹ 2004، باب 3، فیچر 3.1 شکل 6.2

6.2 ہندوستانی سیاق وسباق میں علاقائیت

ہندوستان میں علاقائیت، ہندوستان کی زبانوں، ثقافتوں، قبائل اور مذاہب میں تنوع کے سبب پائی جاتی ہے۔ اسے مخصوص خطوں میں اس شناختی اشارہ کاروں کے ارتکاز کے سبب بھی حوصلہ افزائی حاصل ہوتی ہے اور علاقائی محرومی کا احساس آگ میں گھی ڈالنے کا کام کرتا ہے۔ ہندوستانی وفاقیت ان علاقائی جذبوں کو ہم آہنگ کرنے والا ایک ذریعہ ہے (بھٹاچاریہ 2005)۔

آزادی کے بعد، ابتدائی طور پر ہندوستانی ریاست نے برطانوی ہندوستانی بندوبست کو ہی اپنائے رکھا۔ اس کے تحت ہندوستان بڑے بڑے صوبوں میں جنھیں، پریزیڈنسی بھی کہا جاتا تھا، تقسیم ہوا تھا۔ (مدراس، بمبئی اور کلکتہ تین بڑی پریزیڈنسیاں تھیں، ضمناً، حال میں ان تینوں شہروں کے نام جن کے نام پر پریزیڈنسیوں کے نام تھے، بدل دیے گئے ہیں۔) یہ بڑی بڑی، کثیر نسلی صوبائی ریاستیں تھیں جو ہندوستانی وفاق کہی جانے والی نیم وفاقی ریاست کی بڑی بڑی سیاسی انتظامی اکائیوں کی شکل میں کام

© NCERT not to be republished

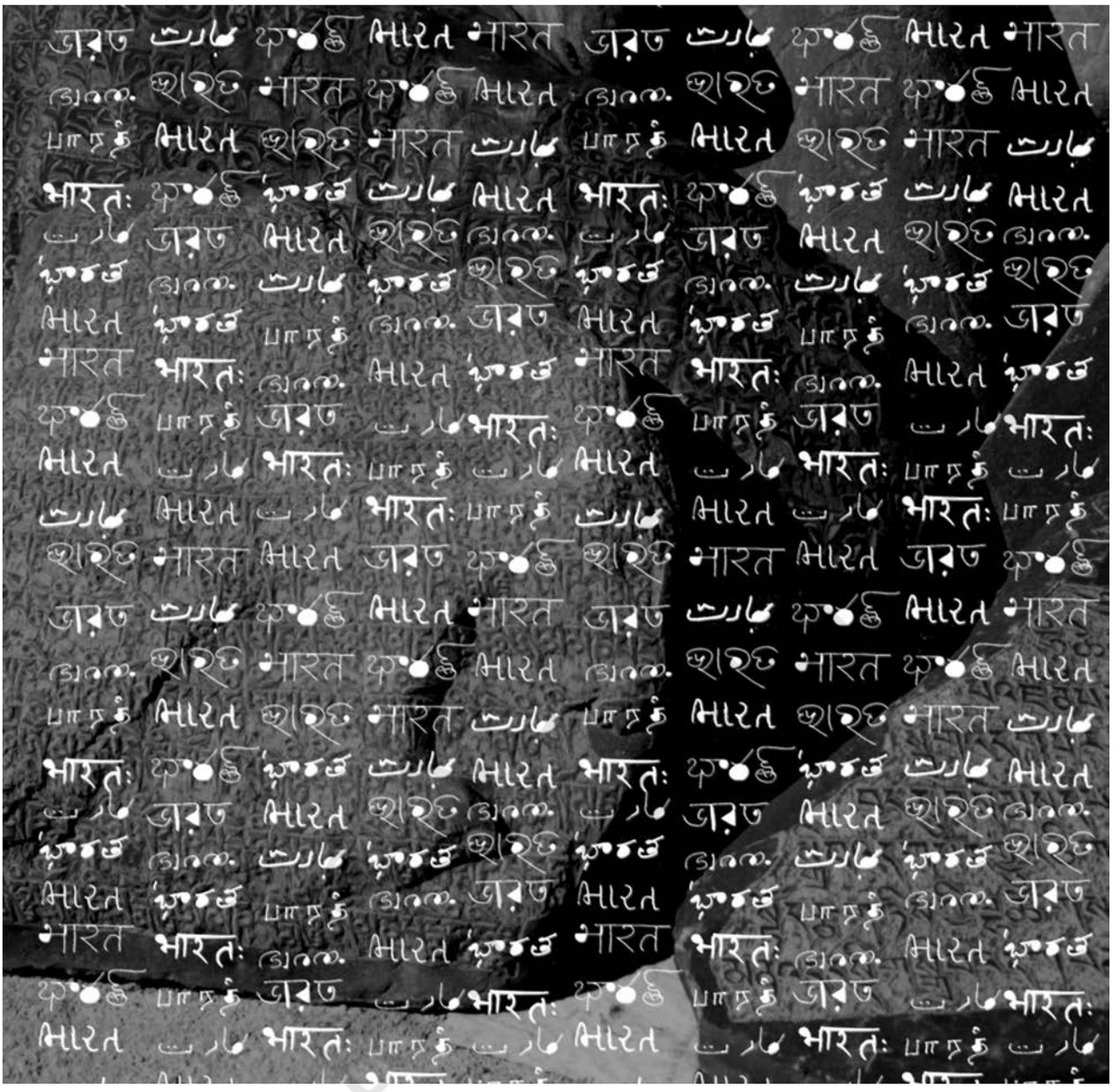

کرتی تھیں۔ مثال کے لیے پرانی بمبئی ریاست (جو بمبئی پریزیڈنسی کا ہی دوسرا نام تھا) مراٹھی، گجراتی، کنڑ اور کونکنی بولنے والے لوگوں کی کثیر لسانی ریاست تھی۔ اسی طرح مدراس ریاست تمل، تلگو اور ملیالم بولنے والے لوگوں سے مل کر بنی تھی۔ برطانوی ہندوستان حکومت کے ذریعے براہ راست حکمرانی کی جانے والی پریزیڈنسیوں اور صوبوں کے علاوہ پورے ہندوستان کی ملکی راجاؤں کی ریاستیں یا رجواڑے تھے۔ ان میں میسور، کشمیر اور بڑودہ کی ملکی ریاست نسبتاً بڑی تھی۔ لیکن آئین کو قبول کیے جانے کے فوراً بعد نو آبادیاتی دور کی ان سبھی اکائیوں کو زبردست عوامی احتجاجی تحریکوں کے سبب ہندوستانی وفاق میں نسلی ولسانی ریاستوں کی شکل میں نئے سرے سے منظّم کرنا پڑا (باکس 6.4 دیکھیے)۔

باکس 6.4

لسانی ریاستوں نے ہندوستانی اتحاد کو مضبوط کرنے میں مدد دی

ریاستوں کے تنظیم نو کمیشن (SRC) کی رپورٹ جو یکم نومبر 1956 کو نافذ کی گئی تھی، ملک کی سیاسی اور ادارہ جاتی زندگی کی کایا پلٹ کرنے میں مددگار رہی۔

ریاست کی تنظیم نو کے لیے کمیشن کا پس منظر یہاں دیا جا رہا ہے۔ 1920 کے دہے میں انڈین نیشنل کانگریس کو لسانی خطوط پر از سر نو تشکیل کیا گیا۔ اب اس کی صوبائی اکائیوں نے لسانی منطق کی پیروی کی، جیسے ایک مراٹھی بولنے والوں کے لیے، دوسرے اڑیہ بولنے والے لوگوں کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ اسی دوران، گاندھی جی اور ملک کے دیگر رہنماؤں نے اپنے پیروکاروں سے وعدہ کیا کہ جب آزادی مل جائے گی تو نئے ملک کو زبانوں کے مطابق نئی ریاستوں کی بنیاد پر از سر نو تشکیل کیا جائے گا۔

تاہم جب ہندوستان آخر کار 1947 میں آزاد ہوا تو اس کے ساتھ اس کی تقسیم بھی کر دی گئی۔ جب لسانی ریاستوں کی حمایت کرنے والوں نے رہنماؤں سے اپنے وعدے پورے کرنے کے لیے کہا تو کانگریس نے تامل کیا۔ ملک کی تقسیم کسی کے عقیدے سے شدید لگاؤ کا نتیجہ تھا، اسی طرح زبان سے گہری وفاداری پتہ نہیں کتنی تقسیم کروائے گی؟ ایسی سوچ اس وقت کے چوٹی کے کانگریس رہنما نہرو، پٹیل اور راجہ جی وغیرہ کے دل میں رہی۔

دوسری طرف، سبھی چھوٹے بڑے کانگریس رہنما زبان کے خطوط پر ہندوستان کا نیا نقشہ تیار کرنے پر آمادہ تھے۔ مراٹھی اور کنڑ زبان بولنے والوں نے اس کے لیے زبردست تحریک شروع کر دی۔ یہ لوگ اس وقت کی کئی سیاسی ریاستوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ جیسے اس وقت کی بمبئی اور مدراس کی پریزیڈنسیوں اور سابق دیسی راجاؤں کی ریاستیں جیسے میسور اور حیدر آباد وغیرہ لیکن سب سے زیادہ جنگجو تحریک بہت بڑے تیلگو لسانی گروپ کی طرف سے کی گئی جن کی آبادی بہت بڑی تھی۔ اکتوبر 1953 میں ایک سابق گاندھیائی لیڈر پوٹی سری رام مولو اس مسئلے پر مرن برت پر بیٹھ گئے اور سات ہفتے بعد ان کی موت ہوگئی۔ پوٹی سری رامولو کی قربانی نے پرتشدد مظاہروں کو بھڑکا دیا، نتیجتاً آندھر پردیش ریاست قائم کرنی پڑی جس میں 1956 میں لسانی ریاستوں کے اصول کی توثیق پر آخری مہر لگا دی۔

1950 کے دہے کے ابتدائی سالوں میں وزیر اعظم جواہر لعل نہرو بشمول کئی لیڈروں کو یہ ڈر تھا کہ زبان پر مبنی ریاست کہیں ہندوستان کی مزید ذیلی تقسیم کے عمل کو تیز نہ کر دے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے اس کے برخلاف واقع ہوا۔ زبان کی بنیاد پر مبنی ریاستوں نے ہندوستانی اتحاد کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچائی بلکہ اسے اور بھی مضبوط کرنے میں مددگار رہی۔ کنڑ اور ہندوستانی، بنگالی اور ہندوستانی، تمل اور ہندوستانی گجراتی اور ہندوستانی.....دونوں کا ساتھ ساتھ ہونا پوری طرح ہم آہنگ ثابت ہوا۔

لیکن یہ بھی سچ ہے کہ زبان پر مبنی ریاست کبھی کبھی آپس میں لڑتی ہیں حالاں کہ یہ تنازعے صحیح نہیں ہوتے لیکن یہ اور بھی زیادہ خراب ہو سکتے تھے۔ اسی سال 1956 میں جب ریاستی تشکیل نو کمیشن نے لسانی خطوط پر نقشہ تیار کرنے کی ہدایت دی، سیلون (سری لنکا) کی پارلیمنٹ نے شمال کے تمل زبان بولنے والے شہریوں کی زبردست مخالفت کے باوجود سنہلی کو واحد سرکاری زبان کے طور پر اعلانیہ جاری کر دیا۔ ایک بائیں بازو کے سنہلی ممبر پارلیمنٹ نے تو جارح پسند لوگوں کو پیش گوئی پر مبنی یہ تنبیہہ دے ڈالی، ''ایک زبان، دو قوم'' پر اضافہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا ''دو زبانیں، ایک قوم''۔

1983 سے سری لنکا میں جو خانہ جنگی چھڑی ہوئی وہ کچھ حد تک اکثریتی لسانی گروپ کے ذریعے اقلیتوں کے حقوق کو نظر انداز کیے جانے کا ہی نتیجہ ہے۔ ہندوستان کی دیگر پڑوسی ریاست پاکستان کی 1971 میں تقسیم ہوگئی کیوں کہ اس کے مغربی حصے کے پنجابی اور اردو بولنے والے لوگ مشرقی حصے کے بنگالیوں کے جذبات کا احترام نہیں کرنا چاہتے تھے۔

لیکن ہندوستان میں لسانی ریاستوں کی تخلیق کے سبب ہی ہندوستان کو کسی ایسی تباہ کن صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اگر ہندوستانی لسانی گروپوں کے جذبات اور آرزوؤں کو نظر انداز کیا جاتا تو شاید ہمارے یہاں بھی اسی طرح کی صورت حال پیدا ہو جاتی: ''ایک زبان، چودہ یا پندرہ اقوام۔''

ماخذ : یکم نو مبر 2006 کے ٹائمس آف انڈیا میں شائع رام چندر گوھا کے آرٹیکل سے اخذ کیا گیا۔

© NCERT not to be republished

اس طرح مذہب نے نہیں بلکہ زبان نے علاقائی اور قبائلی شناخت کے ساتھ مل کر ہندوستان میں نسلی قومی شناخت کی تشکیل کے لیے ایک نہایت موثر ذریعے کا کام کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سبھی لسانی کمیونٹیوں کو ریاستی حیثیت حاصل ہوگئی۔مثال کے لیے 2000 میں تین ریاستوں یعنی چھتیس گڑھ، اترانچل اور جھارکھنڈ کی تشکیل میں زبان نے کوئی خاص کردار نہیں نبھایا بلکہ قبائلی پہچان، زبان اور علاقائی محرومی اور ماحولیات پر مبنی نسلیت نے شدید علاقائیت کو بنیاد فراہم کی جس کے نتیجے میں نئی ریاستوں کا قیام عمل میں آیا۔اس وقت ہندوستانی قوم میں 28 ریاستیں (وفاقی اکائیاں) اور 7 مرکز کے زیر انتظام علاقے ہیں۔



1880 سے 1930 کے دوران مختلف علاقوں کے شادی شدہ جوڑے سب سے اوپر بائیں کونے سے، گجرات، تری پورہ، ممبئی، علی گڑھ، حیدر آباد، گوا، کولکاتہ۔مآخذ: مالویکا کارلیکر کی ادارت میں ویزوولایزنگ انڈین ویمن 1875-1947، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نئی دھلی سے۔

علاقائی جذبات کا احترام کرنا ہی محض ریاست کی تشکیل کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے ایک ادارہ جاتی ڈھانچہ ہونا بھی ضروری ہے جو یہ یقینی بنا سکے کہ وہ ایک بڑے وفاقی ڈھانچے کے تحت خودمختار اکائیوں کے طور پر چل سکتا ہے۔ ہندوستان میں یہ اہتمام ریاستوں اور مرکز کے اختیارات کو بیان کرنے والی آئینی شقوں کے ذریعے کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے آئین میں حکمرانی سے متعلق موضوعات یا کاموں کی فہرست ہوتی ہے جن کی خصوصی ذمہ داری ریاست یا مرکز کی ہوتی ہے، اس کے ساتھ ہی دیگر شعبوں کی متوازی فہرست بھی دی گئی ہے جہاں دونوں کو ہی عمل کرنے کی آزادی ہوتی ہے۔ ریاستی مقنّنہ، پارلیمنٹ کے اوپری ایوان، راجیہ سبھا کی ترکیب کا تعین کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ معیاری کمیٹیاں اور کمیشن ہوتے ہیں جو مرکز اور ریاست کے تعلق کو متعین کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال مالیاتی کمیشن ہے جسے دس سال میں مرکز اور ریاستوں کے درمیان ٹیکس محاصل کے تقسیم کرنے کے لیے قائم کیا جاتا ہے۔ ہر ایک پنج سالہ منصوبے میں بھی ریاستوں کے تفصیلی منصوبے شامل ہوتے ہیں جو ہر ریاست کے ریاستی پلاننگ کمیشنوں کے ذریعے تیار کیا جاتا ہے۔

کل ملا کر وفاقی نظام کافی اچھی طرح کام کرتا رہتا ہے حالاں کہ اس میں کئی متنازعہ امور بھی رہے ہیں۔ نرم کاری کے دور سے (یعنی 1990 سے) ہی بڑھتے ہوئے علاقائی معاشی اور اساسی ڈھانچے سے متعلق عدم مساوات پالیسی سازوں، سیاست دانوں اور دانش وروں کے لیے تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔ چوں کہ اقتصادی ترقی میں نجی پونجی سرمایہ کاری (غیر ملکی اور ہندوستانی دونوں) کو ہی زیادہ بڑا کردار سونپا گیا ہے اس لیے علاقائی معدلت کے عناصر کو کم اہمیت ملی ہے۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کیوں کہ نجی سرمایہ کار عام طور پر پہلے سے ترقی یافتہ ایسی ریاستوں میں پونجی لگانا چاہتے ہیں جہاں اساسی ڈھانچہ اور دیگر سہولیات بہتر ہوں۔ نجی صنعت کے برخلاف، حکومت صرف اپنے منافع کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کے بجائے علاقائی معدلت (اور دیگر سماجی مقصود) کو اہمیت دے سکتی ہے اس لیے اگر بازار معیشت کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ ترقی یافتہ اور پس ماندہ علاقوں کے درمیان موجود فرق کو بڑھا دیتی ہے۔ موجودہ رجحانات کو بدلنے کے لیے عوام کو نئے سرے سے پہل کرنے کی ضرورت ہوگی۔

سرگرمی 6.4

اپنی ریاست کی تشکیل کے بارے میں پتہ لگائیں۔ یہ کب بنائی گئی تھی؟ اس کی تعریف کے لیے خاص کسوٹیاں کیا تھیں؟ کیا وہ لسانی نسلی شناخت، علاقائی محرومی، ماحولیاتی فرق یا کوئی دیگر کسوٹی تھی؟ ہندوستانی قوم، ریاست کے تحت پائی جانے والی دیگر ریاستوں سے اس کا موازنہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟

ہندوستان کی سبھی ریاستوں کی، ان کی تشکیل کی کسوٹی کی بنیاد پر درجہ بند کرنے کی کوشش کریں۔

کیا آپ حال میں چل رہی سماجی تحریکوں سے واقف ہیں جو ایک ریاست کی تشکیل کی مانگ کر رہی ہیں؟ ان تحریکوں کے ذریعے استعمال کی جارہی کسوٹیوں کا پتہ لگانے کی کوشش کریں

اشارہ: تلنگانہ اور ودربھ تحریکوں اور آپ کے اپنے علاقے میں چل رہی کسی تحریک پر غور کریں۔

6.3 قوم ریاست اور مذہب سے متعلق امور اور شناختیں

ثقافتی تنوع کے سبھی پہلوؤں میں شاید مذہبی کمیونٹیوں اور مذہب پر مبنی شناختوں کے امور سب سے زیادہ متنازع ہیں۔ ان امور کو موٹے طور پر دو متعلقہ گروپوں سیکولرزم اور فرقہ واریت اور اقلیت واکثریت کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سیکولرازم اور فرقہ واریت کے سوال، ریاست کے مذہب اور ان سیاسی گروپوں کے ساتھ تعلقات کے بارے میں ہوتے ہیں جو مذہب کو اپنی پہلی شناخت

© NCERT not to be republished

مانتے ہیں۔اقلیتوں اور اکثریتوں کے بارے میں سوال ان فیصلوں سے متعلق ہوتے ہیں کہ ریاست مختلف مذہبی، نسلی یا دیگر کمیونٹیوں کے ساتھ جو تعداد اور طاقت (سماجی، معاشی اور سیاسی قوت) کے لحاظ سے غیر مساوی ہیں، کیسا برتاؤ کرتی ہے۔

اقلیتوں کے حقوق اور قوم کی تعمیر

ہندوستانی قوم پرستی کے غالب رجحان کی نشان دہی شمولیت اور جمہوریت کی نگاہ سے ہوتی رہی تھی۔اس نگاہ کو شمولیت کی نگاہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں تنوع و کثرت کو تسلیم کیا جاتا رہا ہے اور جمہوری اس لیے کہ اس میں امتیاز یا تفریق اور اخراج کی ترویج کی جاتی ہے اور ایک منصفانہ اور عدل پر مبنی سماج تیار کیا جاتا ہے۔عوام لفظ کو اخراج کے لحاظ سے، مذہب، نسلیت، نسل یا ذات کے ذریعے معیّن کسی خاص گروپ کے حوالے سے نہیں دیکھا گیا ہے۔نظریہ انسانیت ہندوستانی قوم پرستوں پر اثر انداز ہوا اور اخراجی قوم پرستی کے خراب پہلوؤں پر مہاتما گاندھی اور رویندر ناتھ ٹیگور جیسی اولین شخصیتوں کے ذریعے شدید تنقید کی گئی۔

باکس 6.5

اخراجی قوم پرستی کی خرابیوں پر رویندر ناتھ ٹیگور کے خیالات

..... جہاں مغربی قوم پرستی کا جذبہ غالب ہو، وہاں سبھی لوگوں کو بچپن سے ہی نفرت کرنا اور آرزوؤں کو پروان چڑھانا ہر طریقے سے سکھایا جاتا ہے جیسے تاریخ میں آدھا سچ اور آدھا جھوٹ بنا کر، دیگر نسلوں کے ساتھ لگاتار غلط بیانی کر کے اور ان کے تئیں مخالف یا غیر موافق جذبات کی تہذیب تخلیق کر کے.....کبھی لمحے بھر کے لیے بھی یہ سوچیں کہ جو آپ دوسری نسلوں کو پہنچاتے ہیں وہ آپ پر اثر انداز نہیں ہوں گے یا نفرت کے بیج آپ اپنے گھروں کے چاروں طرف بوتے ہیں، وہ آنے والے پورے وقت کے لیے تحفظ کی دیوار بن کر آپ کی حفاظت کریں گے؟ عوام کے دل میں اپنی برتری کا جھوٹا ناز کرنا، اپنی اخلاقی بے حسی اور غلط طریقوں سے جمع کی گئی دولت پر فخر کرنا سکھانا، جنگ کے ذریعے جیتے گئے مالِ غنیمت کے مظاہروں کے ذریعے مفتوح قوموں کو ہمیشہ ذلیل کرنا اور بچوں کے دل میں دوسروں کے لیے حقارت پیدا کرنے کے لیے ان مکاتب کا استعمال کرنا مغرب کی نقل کرنا ہے جہاں زخم میں ناسور پڑ رہا ہے.....

ماخذ: آن نیشنلزم، رویندر ناتھ ٹیگور، 1917 دوبارہ اشاعت 1930 میک ملن، مدراس

شمولی قوم پرستی کے تصور کو موثر بنانے کے لیے اسے آئین میں جگہ دینی پڑی۔جیسا کہ (سیکشن 6.1 میں)، پہلے ہی ذکر کیا جا چکا ہے کہ غالب گروپ میں یہ مان کر چلنے کا مضبوط رجحان ہوتا ہے کہ ان کی ثقافت یا زبان یا مذہب قومی ریاست کی ثقافت یا زبان کے مترادف ہوتا ہے۔تاہم ایک مضبوط اور جمہوری ملک کے لیے آئینی اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ سبھی گروپوں کے حقوق اور بطور خاص اقلیتی گروپوں کے حقوق کو یقینی بنائیں۔اقلیتوں کی تعریف کے بارے میں ایک مختصر بحث ہمیں ایک مضبوط، متحدہ اور جمہوری قوم کے لیے اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی اہمیت کو سمجھنے میں اہل بناتی ہے۔اقلیتی گروپوں کے تصور کا سماجیات میں وسیع طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی عددی امتیاز کے علاوہ اور بھی زیادہ اہمیت ہے۔اس میں عام طور پر اضافی نقصان کا کچھ مفہوم شامل ہوتا ہے۔لہٰذا مراعات یافتہ اقلیتوں جیسے نہایت دولت مند لوگوں کو عام طور پر اقلیت نہیں کہا جا سکتا، اور اگر، ذکر کرنا ہی ہو تو ان کے ساتھ مراعات یافتہ اقلیت جیسے الفاظ کو جوڑ دیا جاتا ہے۔جب اقلیت لفظ کا استعمال کسی تعریف کے بغیر کیا جاتا ہے تو عام طور پر اس

© NCERT not to be republished


ایک کشمیری لڑکی

کا مطلب نسبتاً چھوٹے لیکن ساتھ ہی آسانیوں سے محروم گروپ سے ہوتا ہے اقلیت لفظ کا سماجیاتی مفہوم یہ بھی ہے کہ اقلیت گروپ کے ممبر ایک اجتماعیت کی تشکیل کرتے ہیں یعنی ان میں اپنے گروپ کے تئیں یک جہتی رفاقت اور متعلق یا جڑے ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ یہ احساس ناموافق صورت حال سے دو چار ہونے کے احساس سے جڑا ہوتا ہے کیوں کہ تعصب اور تفریق کا شکار ہونے کا تجربہ عام طور پر اپنے ہی گروپ کے تئیں وفاداری اور دلچسپی کے احساسات کو بڑھاوا دیتا ہے (گڈنس 2001:248)۔ اس لیے جو گروپ شماریاتی لحاظ سے اقلیت ہوں جیسے بائیں ہاتھ سے کھیلنے یا لکھنے والے لوگ یا 29 فروری کو پیدا ہوئے لوگ سماجیاتی معنی میں اقلیت میں نہیں ہوتے کیوں یہ کسی اجتماعیت کی تشکیل نہیں کرتے۔

حالاں کہ کچھ ایسی غیر معمولی مثالیں بھی لی جاسکتی ہیں جہاں کوئی اقلیتی گروپ کسی ایک معنی میں تو محرومی کا شکار کہا جاسکتا ہے۔ لیکن کسی دوسرے معنی میں نہیں۔ مثال کے لیے پارسیوں یا سکھوں جیسے مذہبی اقلیتی گروپ معاشی لحاظ سے نسبتاً خوش حال ہوسکتے ہیں لیکن وہ پھر بھی ثقافتی معنی میں غیر مراعات یافتہ ہوسکتے ہیں کیوں کہ ہندوؤں کی بڑی آبادی کے مقابلے ان کی تعداد کم ہے۔ اکثریتی گروپ کے آبادیاتی غلبے کے سبب مذہبی اور ثقافتی اقلیتوں کو خصوصی تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جمہوری سیاست میں عددی اکثریت کا انتخاب کے ذریعے سیاسی طاقت میں تبدیل ہونا ہمیشہ ممکن رہتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذہبی یا ثقافتی اقلیتی گروپ سیاسی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں۔ بھلے ہی ان کی معاشی یا سماجی حیثیت کیسی بھی ہو۔ انھیں یہ جوکھم تو اٹھانا ہی ہوگا کہ اکثریتی کمیونٹی سیاسی اقتدار پر تسلط اختیار کرے گی اور ان کے مذہبی یا ثقافتی اداروں کو دبانے کے لیے نظام حکومت کا غلط استعمال کرے گی اور آخر کار انھیں اپنی الگ پہچان چھوڑ دینے کے لیے مجبور کردے گی۔





دائیں حاشیے پر کشمیری پوشاک میں سجی سنوری بچی، بائیں کونے میں ہندوستان کے مختلف حصوں کے کھانے، نیچے مختلف ہندوستانی ریاستوں کی پوشاکوں میں سجی گڑیاں۔

© NCERT not to be republished

باکس 6.6

مذہبی اقلیتوں کا نسبتی حجم اور تقسیم

جیسا کہ معروف ہے، ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت ہے، 2001 کی مردم شماری کے مطابق ان کی آبادی تقریباً 82.8 کروڑ ہے جو ملک کی پوری آبادی کا 80.5 فی صد ہے۔ ہندوؤں کی آبادی سبھی دیگر اقلیتی مذاہب کی مجموعی تعداد سے تقریباً چار گنا بڑی ہے اور سب سے بڑے اقلیتی گروپ یعنی مسلمانوں سے تقریباً چھ گنا بڑی ہے لیکن یہ حقیقت گمراہ کن بھی ثابت ہوسکتی ہے کیوں کہ ہندو گروپ نہیں ہیں بلکہ وہ کئی جاتیوں میں تقسیم ہیں۔

ویسے دیگر سبھی مذاہب میں بھی جاتیاں الگ الگ حدوں میں ہوتی ہیں۔ اب تک مسلمان ہی ہندوستان میں سب سے بڑا مذہبی اقلیتی گروپ ہے۔ 2001 میں ان کی آبادی 13.8 کروڑ یعنی کل آبادی کا 13.4 فی صد تھی۔ وہ ملک میں ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں، جموں وکشمیر میں وہ اکثریت میں ہیں اور مغربی بنگال، اتر پردیش، کیرل، آندھرا پردیش، کرناٹک اور راجستھان میں کافی بڑی آبادی پر مشتمل ان کے حلقے ہیں۔

عیسائیوں کی تعداد 2.4 کروڑ یعنی کل آبادی کا 2.3 فی صد ہے اور ان کی آبادی سبھی جگہ پھیلی ہوئی ہے البتہ مشرقی شمالی اور جنوبی ریاستوں میں ان کی آبادی کا حلقہ کافی بڑا ہے۔ تینوں عیسائی اکثریتی ریاستیں مشرق شمالی علاقے میں واقع ناگالینڈ (90 فی صد)، میزورم (87 فی صد)، میگھالیہ (70 فی صد)، گوا (27 فی صد) اور کیرل (19 فی صد) میں کافی بڑی تعداد میں عیسائی رہتے ہیں۔

سکھ مذہب کے ماننے والے 1.9 فی صد (1.9 کروڑ) ہیں۔ ویسے تو ملک کے سبھی حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن ان کا خاص ارتکاز پنجاب میں ہے جہاں وہ اکثریت (60 فی صد) میں ہیں۔

اس کے علاوہ اور دیگر چھوٹے چھوٹے مذہبی گروپ ہیں۔ بودھ 80 لاکھ (0.8 فی صد) جین (40 لاکھ، 0.4 فی صد) اور دیگر مذہب اور سکھ (70 لاکھ 0.7 فی صد) بودھوں کا تناسب سب سے زیادہ سکم (28 فی صد) اور اروناچل پردیش (13 فی صد) میں ہے۔ جب کہ بڑی ریاستوں میں سے مہاراشٹر میں بودھوں کا تناسب سب سے زیادہ 6 فی صد ہے۔ جینیوں کا تناسب سب سے زیادہ مہاراشٹر (1.3 فی صد) راجستھان (1.2 فی صد) اور گجرات (1 فی صد) میں پایا جاتا ہے۔

برطانوی استعماریت کے خلاف جدوجہد کے طویل سالوں میں، ہندوستانی قوم پرستوں نے ہندوستان کے تنوع کو تسلیم کرنے اور ان کے احترام کی لازمی ضرورت کو سمجھا۔ درحقیقت، کثرت میں وحدت، کا محاورہ ہندوستانی سماج کے کثرت اور تنوع کی فطرت کو سمجھنے کی علامت بن گیا۔ اقلیتوں اور ثقافتی حقوق کے بارے میں مباحثے انڈین نیشنل کانگریس کے غور وخوض کی نشان دہی کرتے ہیں اور ہندوستانی آئین میں آخر کار اس کا اظہار ہوا۔ (زیدی 1984)

باکس 6.7

اقلیتوں کو تحفظ دینے کے بارے میں ڈاکٹر امبیڈکر کے خیالات

ان قدامت پسندوں کو جن کے دل میں اقلیتوں کے تحفظ کے خلاف ایک طرح کے تعصب کو فروغ دیا گیا ہے، میں اس سلسلے میں دو باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ اقلیتی فرقہ ایک دھما کا خیز قوت ہے جو اگر بھڑک اٹھے تو ریاست کی پوری وضع کو تار تار کردے گی۔ یوروپ کی تاریخ اس حقیقت کی ٹھوس اور خطرناک شہادت پیش کرتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہندوستان کی اقلیت اپنے وجود کو اکثریتوں کے ہاتھوں میں سونپنے کے لئے متفق ہوئی ہے۔ آئرلینڈ کی تقسیم کو روکنے کے لیے چلی بات چیت کی تاریخ میں، ریڈمنڈ نے کارسن سے کہا، ''آپ پروٹسٹنٹ اقلیت کے لیے چاہے جو تحفظ طلب کرلیں، ہمیں آئرلینڈ کو متحدہ، غیر منقسم رکھنا ہے'' کارسن کا جواب تھا ''لعنت ہے تمھارے تحفظ پر، ہم خود تمھاری حکمرانی ہی نہیں چاہتے۔''

ہندوستان میں اقلیتوں کے کسی بھی گروپ نے یہ رخ نہیں اپنایا۔

(جان ریڈمنڈ، اکثریت کھیتولک کے رہنما، سرایڈورڈ کارسن، اقلیتی پروٹسٹنٹ کے رہنما)

ماخذ: آئین ساز اسمبلی کے بحث مباحثے 1950:310-311، نارنگ سے اقتباس 63 : 2002

© NCERT not to be republished


پارلیمنٹ بلڈنگ

ہندوستانی آئین ساز یہ جانتے تھے کہ ایک مضبوط اور متحدہ قوم کی تشکیل تبھی ممکن ہوگی جب عوام کے سبھی طبقات کو اپنے مذہب کی پابندی کرنے اور اپنی ثقافت اور زبان کو فروغ دینے کی آزادی ہوگی۔ ہندوستانی آئین کے خاص معمار ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے اس نقطے کو آئین ساز اسمبلی میں واضح کیا جیسا کہ باکس 6.7 میں دکھایا گیا ہے۔

بھیم راؤ رام جی امبیڈکر
(1891-1956)

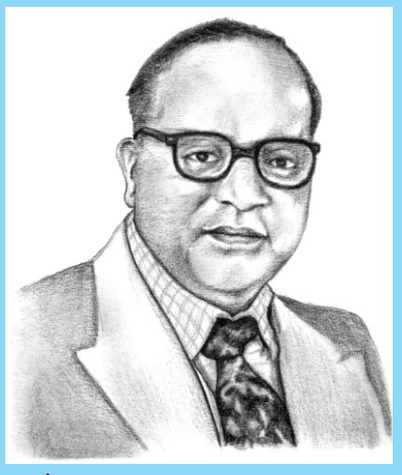

بودھ مذہب کے احیائے محرک، قانون داں، دانش ور اور سیاسی رہنما بھیم راؤ امبیڈکر ہندوستانی آئین کے اہم معمار ہیں۔ ان کی پیدائش ایک غریب اچھوت کمیونٹی میں ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی چھوا چھات اور ذات نظام کے خلاف جدوجہد میں لگادی۔

پچھلے تین دہوں میں ہم نے دیکھا ہے کہ کسی ملک میں مختلف گروپوں کے لوگوں کے حقوق کو تسلیم نہ کیے جانے سے قومی اتحاد کے لیے کتنے خطرناک نتیجے برآمد ہوسکتے ہیں۔ بنگلہ دیش کے کئی مسائل میں سے ایک اہم مسلہ پاکستانی ریاست کا بنگلہ دیش کے ثقافتی اور لسانی حقوق کو تسلیم کیے جانے کی نا رضامندی تھی۔ سری لنکا میں کئی متنازعہ فیہ امور میں سے ایک میں جس نے نسلی تنازعہ کے پس منظر کی تخلیق کی تھی وہ تھا قومی زبان کے طور پر سنہالی کا تھوپا

باکس 6.8

اقلیتوں اور ثقافتی تنوع پر ہندوستانی آئین کے آرٹیکل

آرٹیکل 29

(1) ہندوستان کی عمل داری یا اس کے کسی حصے میں رہنے والے شہریوں کا کوئی بھی طبقہ جس کی کوئی امتیازی زبان، رسم الخط یا ثقافت ہے، اسے بنائے رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔

(2) ریاست کے رکھ رکھاؤ میں یا ریاستی سرمایوں کو حاصل کرنے والے کسی تعلیمی ادارے میں داخلے سے کسی بھی شہری کو صرف مذہب، نسل، ذات، زبان یا ان میں سے کسی کی بنیاد پر محروم نہیں کیا جائے گا۔

آرٹیکل 30:

(1) مذہب یا زبان کی بنیاد پر سبھی اقلیتوں کو اپنی مرضی کے تعلیمی اداروں کے قیام اور انتظامیہ کا حق حاصل ہوگا۔

(2) تعلیمی اداروں کو مدد دینے میں ریاست کسی تعلیمی ادارے کے خلاف اس بنیاد پر تفریق نہیں کرے گی کہ وہ مذہب یا زبان پر مبنی کسی اقلیتی طبقے کے انتظامیہ میں ہے۔

© NCERT not to be republished

جانا۔اسی طرح ہندوستان میں کسی بھی زبان یا مذہب کو کسی گروپ پر جبریہ تھوپا جانا قومی اتحاد کو کمزور کرتا ہے جو تنوع کو تسلیم کرنے پر مبنی ہے، ہندوستانی قوم پرستی اسے تسلیم کرتی ہے اور ہندوستانی آئین اس کو توثیق کرتا ہے۔(باکس 6.8)

آخر میں، یہ بھی غور کرنا مفید ہے کہ اقلیتیں صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ ہر جگہ پائی جاتی ہیں، زیادہ تر قومی ریاستیں ایک غالب سماجی گروپ ہوتی ہیں خواہ ثقافتی، نسلی یا مذہبی ہو۔ دنیا میں کہیں بھی ایسی کوئی ریاست نہیں ہے جو امتیازی طور پر ایک اکیلے متجانس ثقافتی گروپ پر مشتمل ہو۔ یہاں تک کہ جہاں ایسا کافی حد تک صحیح تھا (جیسے آئس لینڈ، سویڈن یا جنوبی کوریا جیسے ملکوں میں) وہاں بھی جدید سرمایہ کاری، استعماریت اور بڑے پیمانے پر ہوئی نقل مکانی کے سبب گروپوں میں تکثیری کردار پایا جاتا ہے۔ حتٰی کہ سب سے چھوٹی ریاست میں اقلیت پائی جاتی ہے خواہ وہ مذہبی، نسلی، لسانی یا ذات کی بنیاد پر ہو۔

سرگرمی 6.5

ایسی کئی مثالیں ہیں جب ایک سیاق میں جو اکثریت میں ہوتے ہیں وہ کسی دوسرے ضمن میں؛ اقلیت بن جاتے ہیں یا اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے۔

اس کی کچھ ٹھوس مثالیں دریافت کیجیے اور اس کے ضمنی مفہوم پر بحث کریں۔

یاد رہے کہ ایک اقلیت کے سماجیاتی تصور میں صرف نسبتی اعداد ہی نہیں بلکہ نسبتی قوت بھی شامل ہوتی ہے۔

(تجاویز: نسلی عصبیت کے پہلے اور بعد میں جنوبی افریقہ میں سفید فام لوگ، کشمیر میں ہندو، گجرات میں مسلمان: ہندوؤں میں اونچی ذات اور مشرق شمالی ریاستوں میں قبائلی ریاستیں)

فرقہ واریت، سیکولرازم اور قومی مملکت

فرقہ واریت

روز مرہ کی زبان میں لفظ **فرقہ پرستی یا فرقہ واریت** کا مطلب ہے مذہبی شناخت پر مبنی جارحانہ شاونیت (فرقے کے حق میں شدید عصبیت)۔شاونیت اپنے آپ میں ایک ایسا رجحان ہے جس میں اپنے ہی گروپ کو جائز یا برتر گروپ مانا جاتا ہے اور دیگر گروپوں کو کم تر، ناجائز یا مخالف سمجھا جاتا ہے۔ اس بات کو اور بھی آسان لفظوں میں کہیں تو فرقہ واریت ایک جارحانہ نظریہ ہے جو مذہب سے جڑا ہوتا ہے۔ یہ ایک منفرد ہندوستانی یا شاید جنوبی کوریائی معنی ہے جو عام انگریزی لفظ کے مفہوم سے مختلف ہے۔ انگریزی میں 'Communal' لفظ کا مطلب ہے فرد کے بجائے فرقہ (یعنی کمیونٹی) یا اجتماعیت سے جڑا ہوا۔ انگریزی مطلب غیر جانب دار ہے جب کہ جنوبی ایشیائی مطلب پوری طرح بھرپور ہے۔ اس بھرپور معنی کو مثبت طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی فرقہ واریت کے تئیں ہمدری رکھتا ہو یا دیکھنے والا اس کا مخالف ہو تو منفی لحاظ سے بھی ہوسکتا ہے۔

اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ فرقہ واریت کا سیاست سے سروکار ہے نہ کہ مذہب سے۔ اگرچہ فرقہ پرست مذہب کے ساتھ گہرائی سے جڑا ہوتا ہے لیکن حقیقتاً انفرادی عقیدہ اور فرقہ واریت کے درمیان کوئی لازمی تعلق نہیں ہوتا۔ ایک فرقہ پرست کٹر مذہبی یا



مختلف مذاہب کی عبادت گاہیں

© NCERT not to be republished

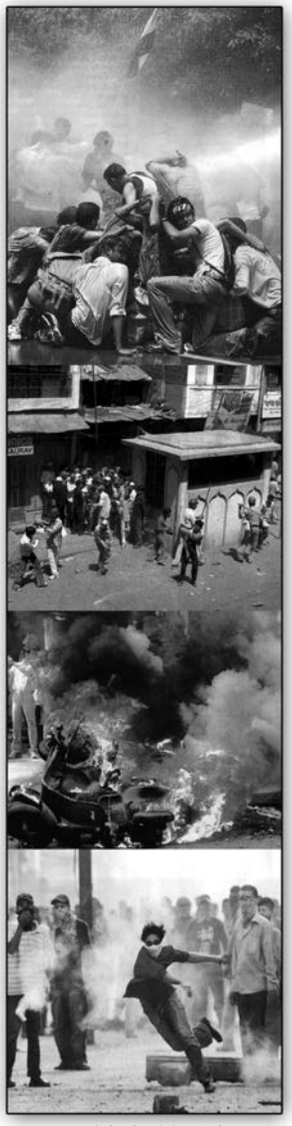

فرقہ وارانہ فسادات

متقی ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی اور کٹر مذہبی لوگ فرقہ رپرست بھی ہو سکتے ہیں اور نہیں بھی۔ لیکن سبھی فرقہ پرست مذہب پر مبنی ایک سیاسی شناخت میں ضرور یقین رکھتے ہیں۔ کلیدی عنصر لوگوں کا وہ رویہ ہے جو دیگر اقسام کی پہچانوں میں جن میں دیگر مذہب پر مبنی شناختیں بھی شامل ہیں، عقیدہ رکھتے ہیں فرقہ پرست جارحانہ سیاسی شناخت پروان چڑھاتے ہیں اور ایسے ہر فرد کی ملامت کرنے یا اس پر حملہ کرنے کو تیار رہتے ہیں جو ان کی شناخت میں شریک نہیں ہوتے۔

فرقہ واریت کی اہم امتیازی خصوصیات میں اس کا یہ دعویٰ ہے کہ مذہبی شناخت دیگر سبھی چیزوں کو مسترد کر دیتی ہے۔ خواہ کوئی غریب ہو یا امیر، چاہے کسی کا کوئی بھی پیشہ ہو، ذات یا سیاسی عقیدہ ہو، مذہب ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر اس کی شناخت ہوتی ہے۔ سبھی ہندو ایک جیسے ہوتے ہیں، جیسے سبھی مسلمان، سکھ وغیرہ۔ اس کے زیر اثر بڑے بڑے اور متنوع گروپ ایک اور متجانس ہو جاتے ہیں۔ یہ غور کرنے کے لائق ہے کہ یہ اپنے خود کے گروپ کے لیے اور دوسروں کے لیے بھی کیا جاتا ہے۔ یقینی طور پر اس امکان کو مسترد کر دے گا کہ مثال کے لیے کیرل کے ہندو، مسلمان اور عیسائی آپس میں ان ہم مذہب کے مقابلے میں زیادہ یکسانیت رکھتے ہیں جو کشمیر، گجرات یا ناگالینڈ میں رہتے ہیں۔ یہ اس امکان کی بھی تردید کرتی ہے کہ مثال کے لیے، بے زمین زرعی مزدور (یا صنعت کار) آپس میں بہت سی یکسانیت رکھ سکتے ہیں، بھلے ہی وہ مختلف مذاہب اور علاقوں سے متعلق ہوں۔

ہندوستان میں فرقہ واریت خاص طور پر ایک اہم مسئلہ بن گئی ہے کیوں کہ یہ بار بار واقع ہونے والے تناؤ اور تشدد کا ذریعہ رہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کے دوران لوگ اپنی متعلقہ کمیونٹیوں کے بے کردار، بے شناخت ممبر بن جاتے ہیں۔ وہ اپنی انانیت اور گھمنڈ کی بھڑاس میں اور اپنا پالا بچانے کے لیے دیگر کمیونٹیوں کے ممبروں کو مار ڈالنے، ان کے ساتھ زنا کرنے اور لوٹ پاٹ کو تیار ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر ایسے نفرت انگیز کاموں کے جواز کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ ہم تو اپنے ہم مذہب کے کہیں اور یا پہلے کبھی کیے گئے قتلوں یا بے عزتی کا بدلہ لے رہے ہیں۔ کوئی بھی خطہ ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی طرح کے فرقہ وارانہ تشدد سے پاک رہا ہو ہر مذہبی کمیونٹی نے کم یا زیادہ درجے میں اس تشدد کا سامنا کیا ہے۔ حالاں کہ اقلیتی کمیونٹیوں کے لیے تناسبی صدمہ زیادہ دہشت ناک رہا ہے۔ اگر فرقہ وارانہ فسادات کے لیے حکومت کو کسی حد تک ذمہ دار ٹھہرایا جائے تو کوئی بھی حکومت یا برسر اقتدار پارٹی اس معاملے میں بے قصور ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ دراصل، فرقہ وارانہ تشدد کی دو سب سے زیادہ دہشت ناک عصری مثالیں دو خاص سیاسی پارٹیوں کے دور حکومت میں واقع ہوئیں۔ دہلی میں 1984 کے سکھ مخالف فساد کانگریس کی حکومت میں ہوئے اور 2002 میں گجرات میں مسلمانوں کے خلاف بے انتہا تشدد کا غیر معمولی پیمانے پر پھیلاؤ بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے دور حکومت میں واقع ہوا۔

ہندوستان میں آزادی کے حصول سے پہلے کے وقت میں فرقہ وارانہ فساد ہوتے رہے ہیں۔ یہ فساد اکثر نو آبادیاتی حکمرانوں کے ذریعے اپنائی گئی پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی کے نتیجے میں ہوا کرتے تھے۔ لیکن استعماریت نے بین کمیونٹی جھگڑوں کو جنم نہیں دیا۔ نو آبادیاتی دور سے پہلے بھی ایسے جھگڑے ہونے کی طویل تاریخ رہی ہے اور اسی لیے آزادی کے حصول کے بعد کے فسادات اور قتل و غارت گری کے لیے یقیناً اسے قصوروار نہیں ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ دراصل اگر ہم مذہبی، ثقافتی، علاقائی یا نسلی کشاکش کی مثالیں تلاش کرنا چاہیں تو وہ ہماری تاریخ کے تقریباً ہر ایک دور میں مل جائیں گی۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے

© NCERT not to be republished

باکس 6.9

کبیر داس۔ تطبیقی یا ہم آہنگی کی روایت کی ایک مستقل علامت

ہندو اور مسلمان بھکتی کی ہم آہنگ (امتزاجی) شکل پیش کرتے کبیر کے دوہے کثیر اکائیت کی بہت پیاری علامتیں ہیں:

موکو کہاں ڈھونڈرے بندے
میں تو تیرے پاس میں
نہ تیرتھ میں، نہ مورت میں
نہ ایکانت نواس میں
نہ مندر میں، نہ مسجد میں
نہ کعبے، کیلاش میں
میں تو تیرے پاس میں بندے
میں تو تیرے پاس میں۔۔۔

کہ ہمارے یہاں مذہبی کثیر اکائیت کی بھی ایک طویل روایت رہی ہے جس میں پرامن بقائے باہمی سے لے کر حقیقی بین اختلاط یا توفیقیت (مختلف عقائد کے درمیان ہم آہنگی) شامل ہے۔ اس ہم آہنگی کی وراثت بھکتی اور صوفی تحریکوں کے بھکتی گیتوں اور شاعری میں نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ (باکس 6.9) مختصراً تاریخ ہمارے سامنے اچھی اور بری دونوں طرح کی مثالیں پیش کرتی ہے اس سے ہم کیا سیکھنا چاہتے ہیں یہ ہمارے اوپر منحصر ہے۔

سیکولرازم

جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ حمایتیوں اور مخالفین کے درمیان کچھ تلخ تنازعوں کے باوجود، فرقہ پرست اور فرقہ واریت لفظوں کے معنی بہت کچھ واضح ہیں۔ لیکن اس کے برعکس سیکولر اور سیکولرازم اصطلاحات کی واضح تعریف کرنا بہت مشکل کام ہے، حالاں کہ یہ بھی اتنے ہی متنازع ہیں۔ درحقیقت سیکولرازم سماجی وسیاسی نظریے میں پیش سب سے زیادہ مشکل الفاظ میں سے ایک ہے۔ مغربی سیاق وسباق میں ان لفظوں کا اصل مفہوم چرچ اور ریاست کی علاحدگی کو ظاہر کرتا ہے۔ مذہبی اور سیاسی اقتدار کی علاحدگی نے مغرب کی سماجی تاریخ میں ایک فیصلہ کن تبدیلی پیدا کی۔ یہ علاحدگی سیکولرائزیشن (یا غیر مذہب کاری) یا عوامی زندگی سے مذہب کی تدریجی پسپائی کے عمل سے متعلق تھا، کیوں کہ اب مذہب کو ایک لازمی ذمے داری کے بجائے رضا کارانہ انفرادی برتاؤ کے طور پر بدل دیا گیا تھا۔ غیر مذہب کاری خود جدیدیت کی آمد اور دنیا کے سمجھنے کے مذہبی طریقوں کے متبادل کی شکل میں سائنس اور استدلال (عقلیت) کے عروج کی شکل میں تھی۔

سیکولر اور سیکولرازم کے ہندوستانی معنی میں ان کے مغربی مفہوم تو شامل ہیں ہی لیکن ان میں کچھ اور بھی معنی جڑے ہیں۔ روزمرّہ کی زبان میں سیکولر کا سب سے زیادہ عام استعمال فرقہ پرست کے بالکل مخالف معنی میں کیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک سیکولر شخص یا ریاست وہ ہوتی ہے جو کسی خاص مذہب یا دیگر مذاہب کی طرف داری نہیں کرتی۔ اس مفہوم میں سیکولرازم یا غیر مذہبی ہونا مذہبی شاونیت یا جارح عصبیت کا مخالف معنی ہے اور اس میں مذہب کے تئیں معاندانہ جذبہ ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ریاست اور مذہب

© NCERT not to be republished

کے باہمی تعلقات کے لحاظ سے سیکولرزم کا مفہوم سبھی مذاہب کے تئیں یکساں احترام کی علامت ہے، نہ کہ الگاؤ یا دوری کا۔ مثال کے لیے، سیکولر ہندوستانی ریاست سبھی مذاہب کے تہواروں کے مواقع پر سرکاری چھٹی کا اعلان کرتی ہے۔

ریاست کے ذریعے سبھی مذاہب سے فاصلہ قائم رکھنے کے مغربی مفہوم اور ریاست کے ذریعے سبھی مذاہب کے یکساں احترام کے ہندوستانی مفہوم کے سبب دونوں کے درمیان تناؤ سے ایک طرح کی مشکل صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ ہر ایک مفہوم کے حمایتی پریشان ہوجاتے ہیں جب ریاست دوسرے مفہوم کی تائید کی بات کرتی ہے۔ کیا ایک سیکولر ریاست حج کے سفر کے لیے مالی معاونت فراہم کرے یا ترو پتی۔ ترومالا مندر کمپلکس کے انتظام کو دیکھے یا ہمالیہ کی تیرتھ یاترا کے لیے مدد دے؟ مثال کے لیے کیا یوم آزادی، یوم جمہوریہ، گاندھی جینتی اور امبیڈکر جینتی کو چھوڑ کر باقی سبھی مذاہب کی چھٹیوں کو ختم کردے؟ ایک سیکولر ریاست گوہتیا پر پابندی لگا دے کیوں کہ گائے ایک خاص مذہب کے لیے پاک ہوتی ہے؟ اگر وہ ایسا کر دے تو کیا وہ سوروں کے بھی ذبح کرنے پر پابندی لگا دے کیوں کہ ایک دوسرے مذہب میں سور کا گوشت کھانے کو منع کیا گیا ہے؟ اگر فوج میں سکھ سپاہیوں کو لمبے بال رکھنے اور پگڑی پہننے کی اجازت دے دی جائے تو کیا ہندو سپاہیوں کو بھی سر منڈانے یا مسلمان سپاہیوں کو لمبی داڑھی رکھنے کی اجازت دی جائے؟ ایسے سوالوں پر سخت تنازعہ پیدا ہو جائے گا جن کا حل بہت مشکل ہوگا ہندوستانی ریاست کے ذریعے سکولرازم کے تئیں وابستہ ہونے اور ساتھ ساتھ اقلیتوں کے تحفظ کا وعدہ کیے جانے کے درمیان تناؤ کے سبب بھی کچھ دیگر قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

اقلیتوں کے تحفظ کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کا ایک ایسے سیاق وسباق میں خاص خیال رکھا جائے جہاں سیاسی بندوبست کے عام کام کاج میں انھیں اکثریتی کمیونٹی کے مقابلے نقصان پہنچتا ہو۔ لیکن تحفظ دیے جانے پر فوراً ہی اقلیتوں کے ساتھ جانب داری یا مصالحت خواہی کا الزام لگتا ہے۔ مخالف یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس طرح کے سیکولرازم میں اقلیتوں کے ووٹ حاصل کرنے یا ان سے دیگر قسم کی حمایت لینے کے لیے انھیں اپنی طرف لانے کا محض ایک بہانہ ہے۔ حمایتی یہ دلیل دیتے ہیں کہ ایسے خصوصی تحفظ کے بغیر اقلیتوں پر اکثریتی کمیونٹی کی قدروں اور معیارات کو تھوپنے کا ایک بہانہ بن سکتا ہے۔

اس طرح کے تنازعات کا حل اس وقت اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جب سیاسی پارٹی یا سماجی تحریک اپنے پنہاں مفادات کے سبب انھیں حل نہیں ہونے دیتے بلکہ انھیں بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔ حال میں سبھی مذاہب کے فرقہ پرستوں نے تعطل کو قائم رکھنے میں اشتراک کیا ہے۔ ہندو فرقہ پرستوں کے ذریعے نئی سرگرمی کو ابھارنے اور نئی حاصل شدہ سیاسی طاقت کے سبب اسی پیچیدہ صورت حال میں ایک مزید بحث شامل ہوگئی ہے۔ سیکولرزم کو صاف طور پر ایک اصول کی شکل میں سمجھنے اور پالیسی کے طور پر اس پر عمل کئے جانے کو بہتر بنانے کے لیے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود یہ اب بھی سچ ہے کہ

سرگرمی 6.6

اپنے والدین اور خاندان کے بزرگوں سے بات کریں اور ان سے ایسی شاعری، گیتوں، مختصر کہانیوں کو جمع کریں جن میں مذہبی کثیر اکائیت، تطبیقیت یا توفیقیت یا فرقہ وارانہ ہم آہنگی جیسے امور پر خاص طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جب آپ ایسے پورے مواد اکٹھا کرکے کلاس کے سامنے پیش کریں گے تو آپ کو یہ جان کر خوش گوار حیرت ہوگی کہ مذہبی کثیر اکائیت کی ہماری روایتوں کی بنیاد کتنی وسیع ہے اور مختلف لسانی گروپوں، علاقوں اور مذاہب کے پیروکار کتنے جامع طور پر ان روایتوں میں شریک ہوتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

ہندوستان کا آئین اور قانونی ساخت مختلف قسم کی فرقہ واریت کے ذریعے پیدا کیے گئے مسائل سے نمٹنے کے لیے کافی کچھ موثر ثابت ہوتی ہے۔

آزاد ہندوستان کی پہلی نسل کے رہنماؤں نے (جو زیادہ تر ہندو اور اعلا ذات کے تھے) ایک جمہوری آئین کے ذریعے حکمرانی کی جانے والی ایک لبرل سیکولر ریاست کا انتخاب کیا۔ اسی کے مطابق ایک ایسی ریاست کا تصور کیا گیا جو سبھی شہریوں کی ایک مشمول عمل داری۔ سیاسی کمیونٹی ہو۔ قوم کی تعمیر کو خاص طور پر ریاست کے ذریعے چلائی جانے والی معاشی ترقی اور سماجی تبدیلی کے عمل کے طور پر دیکھا گیا۔ یہ امید کی گئی تھی کہ شہریت کے حقوق کی ہمہ گیریت اور آزاد و مسابقتی سیاست کے جمہوری عمل میں ثقافتی کثیر اکائیت کی آمیزش خود نسلی کمیونٹیوں اور ان کے اور ریاست کے درمیان ایک نیا اور شہری توازن فروغ پائے گا (شیٹھ :1999)۔ ہوسکتا ہے یہ توقعات مطلوبہ طور پر پوری نہ ہوئی ہوں۔ لیکن آزادی کے حصول کے وقت سے ہی، ہندوستان کے لوگوں نے اپنی براہ راست سیاسی حصہ داری اور انتخابات کے فیصلوں کے ذریعے بار بار ایک سیکولر آئین اور ریاست کے لیے اپنی حمایت کی توثیق کی ہے۔ ان کی آواز کو اہمیت دی جانی چاہیے۔

6.4 مملکت اور شہری معاشرہ

آپ نے شاید یہ غور کیا ہوگا کہ اس باب کے زیادہ تر حصے میں مملکت کے بارے میں ہی بتایا جاتا رہا ہے۔ جب ایک قوم میں ثقافتی تنوع کے اہتمام کی بات آتی ہے تو مملکت درحقیقت ایک نہایت فیصلہ کن ادارے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ حالاں کہ یہ قوم کی نمائندگی کرنے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن یہ قوم اور اس کے لوگوں سے ہٹ کر اپنی آزاد حیثیت بھی وضع کر سکتی ہے۔ اس حد تک کہ اسکے ڈھانچے مقنّنہ، (افسر شاہی)، عدلیہ، مسلح افواج، پولیس اور مملکت کے دیگر اعضا، لوگوں سے الگ ہوجاتے ہیں، اقتداریت یا آمرانہ ہونے کا امکان بھی رہتا ہے۔ ایک آمرانہ مملکت جمہوری مملکت کے برعکس ہوتی ہے۔ ایک آمرانہ مملکت میں لوگوں کی آواز نہیں سنی جاتی اور جس کے پاس طاقت ہوتی ہے وہ کسی کے تئیں جواب دہ نہیں ہوتا۔ آمرانہ مملکت اکثر بولنے کی آزادی، پریس کی آزادی، سیاسی سرگرمیوں کی آزادی، اقتدار کے ناجائز استعمال سے تحفظ کے حق، قانون کی واجب عمل کاری کے حق جیسی کئی قسم کی شہری آزادی کو محدود یا ختم کر دیتی ہے۔ آمریت کے علاوہ اس بات کا بھی امکان رہتا ہے کہ مملکت کے ادارے بدعنوانی، نااہلی یا وسائل کی کمی کے سبب لوگوں کی ضرورتوں کے بارے میں نہ سننا چاہیں۔ مختصراً، ایسی کئی مثالیں ہیں جن کی وجہ سے مملکت ویسی نہیں ہوگی جیسا کہ اسے ہونا چاہیے۔ اس سیاق وسباق میں غیر مملکتی کارندے یا ادارے اہم ہوجاتے ہیں کیوں کہ وہ مملکت پر نظر رکھ سکتے ہیں، اس کے غیر منصفانہ کاموں کی مخالفت کر سکتے ہیں یا اس کی کوششوں میں تعاون کر سکتے ہیں۔

شہری معاشرہ اس وسیع میدان کو نام دیا جاتا ہے جو خاندان کے نجی دائرے سے الگ ہوتا ہے لیکن مملکت اور بازار دونوں سے باہر ہوتا ہے۔ شہری معاشرہ عوامی دائرے کا غیر مملکتی اور غیر بازاری حصہ ہوتا ہے جس میں الگ الگ فرد اداروں اور تنظیموں کی تشکیل کرنے کے لیے رضا کارانہ طور پر آپس میں جڑتے ہیں۔ یہ سرگرم شہریت کا میدان ہے یہاں فرد مل کر سماجی امور

© NCERT not to be republished

باکس 6.10

لوگوں کو جواب دینے کے لیے مملکت کو مجبور کرنا: اطلاع کے حصول کا حق



اطلاع حاصل کرنے کے حق کا ایکٹ 2005 (ایکٹ نمبر 22/2005) ہندوستانی پارلیمنٹ کے ذریعے وضع کیا گیا ایک ایسا قانون ہے جس کے تحت ہندوستانیوں کو (جموں وکشمیر) ریاست میں رہنے والے لوگوں کو چھوڑ کر جن کے پاس ان کا اپنا خصوصی قانون ہے۔ سرکاری ریکارڈوں تک پہنچنے کا حق دیا گیا ہے۔ اس ایکٹ کی شرائط کے تحت کوئی بھی شخص کسی سرکاری اتھارٹی ادارے یا ریاست کے وسیلے سے اطلاع کے لیے استدعا کرسکتا ہے اور اس اتھارٹی سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ جلد از جلد یعنی 30 دن کے اندر اسے جواب دے گی۔ یہ ایکٹ ہر ایک سرکاری اتھارٹی سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ جامع اشاعت کے لیے اپنے ریکارڈوں کو کمپیوٹرائز کرے اور بعض زمروں سے متعلق اطلاع کو خود پیش قدمی کرکے شائع کرے تاکہ شہریوں کو اطلاع حاصل کرنے کے لیے رسمی طور پر درخواست کرنے کی کم سے کم ضرورت پڑے۔ پارلیمنٹ کے ذریعے اس قانون کو 15 جون 2005 کو پاس کیا گیا تھا اور یہ 13 اکتوبر 2005 سے لاگو ہوا۔ ہندوستان میں اطلاع کو ظاہر کرنے کے عمل پر اب تک سرکاری راز ایکٹ 1923 اور دیگر خاص قوانین کے ذریعے پابندی لگی ہوئی تھی لیکن نئی انفارمیشن حاصل کرنے کے حق کے ذریعے ان سب کو رد کردیا گیا ہے۔

ایکٹ میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ شہریوں کو:

- کسی بھی اطلاع کے حصول کے لیے (جیسا کہ صراحت کی گئی ہے) درخواست کرنے۔
- دستاویزوں کی نقل لینے۔
- دستایزوں، کاموں اور ریکارڈوں کا معائنہ کرنے،
- کام کے مواد کے توثیق شدہ نمونے لینے کا حق ہے۔
- پرنٹ آوٹ، ڈسک، فلاپی، ٹیپ، ویڈیو کیسٹ یا دیگر کسی بھی الکٹرونک طریقوں کی شکل میں پرنٹ آوٹ کے ذریعے شہری اطلاع حاصل کرسکتے ہیں۔

پر بحث کرتے ہیں، مملکت پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں یا مختلف مقاصد کے لیے تائید چاہتے ہیں۔ یہ شہریوں کے گروپوں کے ذریعے تشکیل کیے گئے رضا کار ایسوسی ایشن، تنظیم یا اداروں پر مشتمل ہے۔ اس میں سیاسی پارٹیاں، میڈیا، ادارے، مزدور یونین، غیر سرکاری تنظیمیں، مذہبی تنظیمیں اور دیگر قسم کے اجتماعی عناصر بھی شامل ہوتے ہیں۔ شہری سماج میں شامل ہونے کی اہم کسوٹی یہ ہے کہ تنظیم مملکت کے کنٹرول میں نہیں ہونی چاہیے اور خالصتاً کمرشیل منافع کمانے والے عناصر نہ ہوں۔ اسی طرح دور درشن شہری سماج کا حصہ نہیں ہے، بلکہ نجی ٹیلی ویزن چینل اس کا حصہ ہیں۔ ایک کار بنانے والی کمپنی شہری سماج کا حصہ نہیں ہے لیکن کے کام گاروں کی مزدور یونین اس کے تحت آتی ہے۔ درحقیقت یہ بہت سے دائروں کو واضع نہیں کرپاتیں۔ مثال کے لیے اخبار خالص طور پر ایک کمرشیل ادارے کے طور پر چلایا جاسکتا ہے یا ایک غیر سرکاری تنظیم کو سرکاری فنڈ سے مدد دی جاسکتی ہے۔

ہندوستانی عوام کو آمرانہ حکومت کا تھوڑا سا تجربہ ایمرجنسی کے دوران ہوا جو جون 1975 سے جنوری 1977 تک نافذ رہی تھی۔ پارلیمنٹ کو معطل کردیا گیا تھا اور حکومت کے ذریعے نئے قوانین بنائے گئے۔ شہری آزادی چھین لی گئی اور سیاسی طور پر

سرگرم لوگ بڑی تعداد میں گرفتار کرکے، بغیر مقدمہ چلائے، جیلوں میں ڈال دیے گئے۔ذرائع ابلاغ پر سنسر نافذ کردیا گیا اور سرکاری عہدے داروں کو عام عمل اپنائے بغیر برخاست کیا جاسکتا تھا۔حکومت نے نچلی سطح کے افسروں پر دباؤ ڈالا کہ وہ اس کے پروگراموں کو نافذ کریں اور فوری نتیجہ دکھائیں۔ان میں سب سے بدنام پروگرام نس بندی کی مہم تھی جس کے تحت بہت سے لوگ سرجری کی پیچیدگی سے پیدا ہوئے مسائل کے سبب فوت ہوگئے۔ جب 1977 کے شروع میں غیر متوقع طور پر انتخاب کرائے گئے تو لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حکمراں کانگرس پارٹی کی مخالفت میں ووٹ ڈالے۔

ایمرجنسی کے صدمے نے لوگوں میں سرگرم حصہ داری کی لہر پیدا کردی اور اس کے نتیجے میں 1970 کے دہے میں شہری سماج کے متعدد نئے نئے پروگرام شروع کیے گئے۔اس مدت میں طرح طرح کی سماجی تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئیں جن میں عورتوں، ماحول کا تحفظ، انسانی حقوق اور دلتوں کی تحریکیں اہم تھیں۔آج شہری سماج کی تنظیموں کی سرگرمیاں اور بھی وسیع شکل اختیار کرچکی ہیں جن میں قومی اور بین الاقوامی ایجنسیوں کے ساتھ تائیدی اور اثر انگیز سرگرمیاں چلانے کے ساتھ ساتھ مختلف تحریکوں میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینا شامل ہے۔مختلف قسم کے مسائل اٹھائے گئے جن میں زمین سے متعلق حقوق کے لیے قبائلی جدوجہد، شہری حکمرانی میں انتقال اختیارات، عورتوں کے تئیں تشدد اور زنا کے خلاف تحریک، باندھوں اور تعمیری ترقی کے دیگر پروجکٹوں کے سبب اجڑے ہوئے لوگوں کی باز آبادکاری، مشینوں کی مدد سے مچھلی پکڑنے کے خلاف ماہی گیروں کی جدوجہد، گھوم گھوم کر سامان فروخت کرنے والوں یا پٹری پر رہنے والوں کی باز آباوکاری، گندی بستیاں ہٹانے کے خلاف اور رہائش کے حقوق کے لیے مہم، ابتدائی تعلیم سے متعلق اصلاحات، دلتوں کے لیے زمین کی تقسیم وغیرہ شامل ہیں۔شہری آزادی تنظیم مملکت کے کام کاج پر نظر رکھنے اور اس سے قانون کی پابندی کروانے کی سمت خاص طور پر اہم رہی ہے۔ذرائع ابلاغ نے بھی خاص طور پر اس کے ابھرتے ہوئے بصری مواد اور الکٹرانک حصوں نے مستقل بڑھتا ہوا سرگرم کردار اختیار کیا ہے۔

حال میں اٹھائے گئے قابل ذکر اقدامات میں اطلاع کے حق کے لیے چلائی گئی مہم کو سب سے زیادہ اہم کہا جاسکتا ہے۔ اس کی شروعات دیہی راجستھان میں ایک ایسی تحریک کے ساتھ ہوئی تھی جو وہاں گاووں کی ترقی پر خرچ کیے گئے سرکاری سرمایوں کے بارے میں اطلاع دینے کے لیے چلائی گئی تھی۔آگے چل کر اس تحریک نے قومی پیمانے پر مہم کی شکل اختیار کرلی۔افسر شاہی کی مزاحمت کے باوجود حکومت کو اس مہم کا اثر لینا پڑا اور رسمی طور پر ایک نیا قانون بنانا پڑا جس کے تحت شہریوں کے اطلاع کے حق کو تسلیم کیا گیا (باکس 6.10)۔اس طرح کی مثال یہ ظاہر کرتی ہے کہ شہری سماج یہ یقینی بنانے کے لیے نہایت اہم ہے کہ مملکت، قوم اور اس کے لوگوں کے تئیں جواب دہ ہے۔

سرگرمی 6.9

ان شہری سماجی تنظیموں یا غیر سرکاری تنظیموں کا پتہ لگائیں جو آپ کے پاس پڑوس میں سرگرم عمل ہیں۔ وہ کس طرح کے مسائل اٹھاتی ہیں؟ ان میں کس طرح کے لوگ کام کرتے ہیں؟ یہ تنظیم کس طرح اور کتنی مختلف ہیں؟

(a) سرکاری تنظیموں سے

(b) کمرشیل تنظیموں سے

© NCERT not to be republished

سوالات

1۔ ثقافتی تنوع کا کیا مطلب ہے؟ ہندوستان کو ایک نہایت متنوع ملک کیوں سمجھا جاتا ہے؟

2۔ کمیونٹی کی پہچان کیا ہوتی ہے اور وہ کیسے بنتی ہے؟

3۔ قوم کی تعریف کرنا کیوں مشکل ہے؟ جدید سماج میں قوم اور مملکت کیسے متعلق ہیں؟

4۔ مملکتیں اکثر ثقافتی تنوع کے بارے میں مشکوک کیوں ہوتی ہیں؟

5۔ علاقائیت کیا ہوتی ہے؟ عام طور پر یہ کن عوامل پر مبنی ہوتی ہے؟

6۔ آپ کی رائے میں ریاستوں کی لسانی تشکیل نو سے ہندوستان کو مدد ملی ہے یا نقصان پہنچا ہے؟

7۔ ''اقلیت'' کیا ہے؟ اقلیتوں کو مملکت میں تحفظ کی کیوں ضرورت ہوتی ہے؟

8۔ فرقہ واریت یا فرقہ پرستی کیا ہے؟

9۔ ہندوستان میں وہ مختلف مفہوم کون سے ہیں جن میں سیکولرازم کو سمجھا جاتا ہے؟

10۔ آج شہری معاشرے میں تنظیموں کی کیا موزونیت ہے؟

حوالاجات

Bhargava, Rajeev. 1998. 'What is Secularism for?', in Bhargava, Rajeev. ed. Secularism and its Critics. Oxford University Press. New Delhi.

Bhargava, Rajeev. 2005. Civil Society, Public Sphere and Citizenship. Sage Publications. New Delhi.

Bhattacharyya, Harihar. 2005. Federalism and Regionalism in India: Institutional Strategies and Political Accommodation of Identities. working paper No. 27, South Asia Institute, Dept of Political Science. University of Heidelberg, Heidelberg.

Brass, Paul. 1974. Language, Religion and Politics in North India. Vikas Publishing House. Delhi.

Chandra, Bipan. 1987. Communalism in Modern India. Vikas Publishing House.

New Delhi.

Miller, David. 1995. On Nationality. Clarendon Press. Oxford.

Sheth, D.L. 1999. 'The Nation-State and Minority Rights', in Sheth, D.L. and Mahajan, Gurpreet. ed. Minority Identities and the Nation-State. Oxford University Press. New Delhi.

© NCERT not to be republished

نوٹس

© NCERT not to be republished



5273CH07

باب 7

پروجیکٹ کام کے لیے تجاویز
(Suggestions for Project Work)

© NCERT not to be republished

یہ باب کچھ چھوٹے چھوٹے عملی تحقیقی منصوبوں کے بارے میں تجاویز پیش کرتا ہے جن پر آپ کام کر سکتے ہیں۔ تحقیق کے بارے میں پڑھنے اور اسے عملاً انجام دینے میں کافی فرق ہوتا ہے۔ کسی سوال کا جواب دینے کے لیے عملی تجربے کی کوشش کرنا اور منظّم طریقے سے اس کی تصدیق کرنے والے کوائف اکٹھے کرنا ایک نہایت گراں قدر تجربہ ہے یہ تجربہ، امید ہے آپ کو سماجیاتی تحقیق کی کچھ دشواریوں سے ہی نہیں بلکہ اس کے محرکات سے بھی متعارف کرائے گا۔ اس باب کو پڑھنے سے پہلے براہ کرم ایک بار پھر گیارھویں جماعت کی درسی کتاب، سماجیات کا تعارف، کے باب 5 (سماجیات: تحقیقی طریقۂ کار) سے رجوع کریں۔

پروجکٹ کے سلسلے میں جو تجاویز پیش کی گئی ہیں، ان میں ان امکانی مسائل کا خیال رکھنے کی کوشش کی گئی ہے جو مختلف سیاق وسباق میں واقع مختلف طرح کے اسکولوں میں ایسے تحقیقی کاموں کے دوران اکثر طلبا کو پیش آسکتے ہیں۔ ان کا مقصد محض تحقیق کے لیے ایک احساس پیدا کرنا ہے۔ ایک 'حقیقی' تحقیقی منصوبہ یقیناً زیادہ تفصیلی ہوگا اور اسے انجام دینے کے لیے طلبا، کو اسکول میں دستیاب وقت سے کہیں زیادہ وقت دینے اور کوشش کرنے کی ضرورت ہوگی۔ یہ صرف تجاویز ہی ہیں۔ آپ اپنے اساتذہ سے مشورہ کر کے اپنے خود کے دیگر تحقیقی منصوبوں پر کام کرنے کے لیے آزاد ہیں۔

ہمیں ایک تحقیقی سوال پر کام کرنے کے لیے ایک مناسب یا موزوں تحقیقی طریقے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک سوال کا جواب اکثر ایک سے زیادہ طریقوں سے دیا جا سکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک تحقیقی طریقہ سبھی سوالوں کے لیے موزوں ہو۔ دوسرے لفظوں میں زیادہ تر تحقیقی سوالوں کے لیے محقق کے پاس امکانی طریقوں ک کو چننے کی آزادی ہوتی ہے لیکن یہ انتخاب عام طور پر محدود ہوتا ہے۔ تحقیقی سوال کے محتاط تعین کے بعد محقق کا سب سے پہلا کام مناسب طریقۂ کار کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ یہ انتخاب تکنیکی کسوٹیوں (یعنی سوال اور طریقۂ کار کے درمیان ہم آہنگی کا درجہ) کے مطابق ہی نہیں بلکہ عملی لحاظ سے کیا جانا چاہیے۔ اس عملی لحاظ میں کئی باتیں شامل ہوسکتی ہیں جیسے، تحقیق کے لیے دستیاب وقت کی مدت، لوگوں اور سامان دونوں کی شکل میں دستیاب وسائل، وہ حالات یا صورت حال جن میں تحقیق کی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

مثال کے لیے، فرض کیجیے کہ آپ مخلوط تعلیم کے اسکولوں، اور صرف لڑکوں، یا صرف لڑکیوں والے اسکولوں کے درمیان موازنہ کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے، یہ ایک جامع موضوع ہے۔ اس لیے سب سے پہلے آپ ایک خاص سوال تیار کریں جس کا آپ جواب دینا چاہتے ہوں۔ مثال کے لیے کیا مخلوط تعلیم کے اسکولوں کے طلبا صرف لڑکوں یا صرف لڑکیوں کے اسکولوں کے طلبا کی نسبت پڑھائی میں زیادہ بہتر مظاہرہ کرتے ہیں؟ کیا صرف لڑکوں والے اسکول کھیل کود میں مخلوط تعلیم کے اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کی نسبت زیادہ خوش رہتے ہیں یا اسی طرح کے دیگر سوالات۔ ایک مخصوص سوال چن لینے کے بعد اگلا قدم ہوتا ہے موزوں طریقۂ کار کا انتخاب۔

آخری سوال کے لیے، کیا واحد جنس والے اسکولوں کے بچے زیادہ خوش رہتے ہیں؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے آپ مختلف طرح کے اسکولوں کے طلبا سے انٹرویوز کا طریقہ چن سکتے ہیں۔ انٹرویو کے طریقے میں آپ طلبا سے سیدھے یہ سوال پوچھ سکتے ہیں کہ وہ اپنے اسکول کے بارے میں کیسا محسوس کرتے ہیں۔ پھر آپ اس طرح اکھٹّے کیے گئے سوالوں کا تجزیہ یہ دیکھنے کے لیے کر سکتے ہیں کہ کیا مختلف قسم کے اسکولوں میں پڑھنے والے طلبا کے جوابوں میں کیا کوئی اختلاف ہے؟ تحقیقی سوالوں کا

© NCERT not to be republished

جواب حاصل کرنے کے لیے متبادل کے طور پر ایک دوسرا طریقہ بھی اپنا سکتے ہیں جیسے کہ براہ راست مشاہدہ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو مخلوط تعلیم والے یا واحد صنف والے اسکولوں میں کچھ وقت یہ مشاہدہ کرنے میں گزارنا ہوگا کہ وہاں کے طالب علم کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ آپ کو کچھ کسوٹیاں متعین کرنی ہوں گی جن کی بنیاد پر آپ یہ کہہ سکیں گے کہ طلبا اپنے اسکول سے کتنا خوش ہیں۔ اس طرح کافی وقت مختلف قسم کے اسکولوں کا عام مشاہدہ کرنے کے بعد آپ اپنے سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دینے کی امید کرسکیں گے۔ آپ ایک تیسرا طریقہ، سروے کا طریقۂ کار بھی اپنا سکتے ہیں۔ اس کے لیے آپ کو طلبا سے ان کے اسکول کے بارے میں ان کے خیالات جاننے کے لیے ایک سوال نامہ تیار کرنا ہوگا۔ اس کے بعد اپنے سوال نامے کو ہمیں ہر طرح کے اسکولوں میں یکساں تعداد میں طلبا کو تقسیم کرنا ہوگا۔ اس کے بعد آپ طلبا کے ذریعے پر کیے گئے ان سوال ناموں کو جمع کر کے ان کے نتائج کا تجزیہ کریں گے۔

یہاں کچھ عملی دشواریوں کی مثالیں دی گئی ہیں جو اس طرح کی تحقیق کرتے وقت شاید آپ کے سامنے آسکتی ہیں مان لیجیے کہ آپ سروے کرنے کا فیصلہ لیتے ہیں۔ آپ کو سب سے پہلے سوال نامے کی بہت ساری کاپیاں تیار کرنی ہوں گی۔ اس کام میں وقت، کوشش اور رقم لگتی ہے۔ اس کے بعد آپ کو طلبا کو ان کی جماعتوں میں سوال نامہ تقسیم کرنے کے لیے اساتذہ کی منظوری بھی لینی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کو پہلی بار میں یہ اجازت نہ ملے یا یہ کہہ دیا جائے کہ بعد میں آنا۔ سوال نامے کی تقسیم کے بعد یہ صورتِ حال بھی پیدا ہوسکتی ہے کہ جن طلبا کو آپ نے سوال نامہ دیا تھا، ان میں سے اکثر نے تو اسے پر کر کے واپس کرنے کی زحمت ہی نہ کی ہو یا سبھی سوالوں کے جواب ہی نہ دیے ہوں۔ اس طرح کے اور بھی کئی مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔ تب آپ کو یہ فیصلہ لینا ہوگا کہ ایسے مسائل سے کیسے نپٹا جائے۔ کیا ادھورے جواب دینے والے جواب دہندگان کے پاس جا کر یہ کہا جائے کہ وہ اپنے سوال نامے کو پوری طرح بھریں یا نامکمل سوال ناموں کو ایک طرف چھوڑ کر ٹھیک سے بھرے گئے سوال ناموں پر ہی غور کیا جائے؟ پورے دیے گئے جوابات کی بنیاد پر ہی اپنا فیصلہ لیں وغیرہ۔ تحقیقی کام کے دوران آپ کو ایسے عملی مسائل سے نپٹنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔

7.1 طریقۂ کار کی کثیر الجہتی

شاید آپ کو گیارھویں جماعت کی درسی کتاب سماجیات کا تعارف کے پانچویں باب میں تحقیقی طریقوں پر کی گئی بحث یاد ہو۔ آپ کے پاس باب کے دوبارہ پڑھ کر اپنی یادداشت کو تازہ کرنے کا اچھا موقع ہے۔

سروے کا طریقۂ کار

سروے کے تحت عام طور پر متعین سوالوں کو نسبتاً بڑی تعداد میں لوگوں سے پوچھا جاتا ہے (یہ 30,100,2000 یا اس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے، بڑی تعداد سے مانا جائے گا کہ یہ سیاق وسباق اور موضوع کی قسم پر منحصر ہے)۔ یہ سوال تفتیش کنندہ کے ذریعے ذاتی طور پر پوچھے جاسکتے ہیں جہاں جواب دہندہ سوال سن کر ان کا جواب دیتا ہے اور تفتیش کنندہ ان سوالوں کے جواب لکھ لیتا ہے۔ یا سوال نامہ جواب دہندہ کو سونپ دیا جاتا ہے اور جواب دینے والا خود ان سوالوں کو بھر کر تفتیش کنندہ کو واپس کر دیتا

© NCERT not to be republished

ہے۔سروے کے طریقۂ کار کا خاص فائدہ یہ ہے کہ اس کے تحت ایک ساتھ کافی بڑی تعداد میں لوگوں کے خیالات جانے جاسکتے ہیں۔اس لیے اس کے نتائج متعلقہ گروپ پر یا آبادی کے خیالات کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔اس طریقۂ کار کی کمزوری یہ ہے کہ اس کے ذریعہ جو سوال پوچھے جاتے ہیں وہ پہلے ہی سے متعین ہوتے ہیں۔ سوال پوچھتے وقت اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔اس لیے اگر جواب دہندہ کسی سوال کو ٹھیک سے نہیں سمجھ پاتے تو غلط یا گمراہ کن نتائج پیدا ہوسکتے ہیں۔اس کے علاوہ اگر کوئی جواب دہندہ کوئی دلچسپ بات کہتا ہے تو اس کے بارے میں کوئی نئے سوال نہیں پوچھے جاسکتے کیوں کہ آپ کو سوال نامے کی متعین حدوں میں ہی رہنا پڑتا ہے۔اس کے علاوہ سوال نامے ایک خاص وقت پر کھینچی گئی تصویر کی طرح کی ہی تصویر پیش کرتے ہیں۔یہ صورت حال آگے چل کر بدل بھی سکتی ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے اس کی شکل آج جیسی نہ رہی ہو لیکن سروے میں اس بدلی ہوئی صورت حال کو شامل نہیں کیا جاسکتا۔

انٹرویو

انٹرویو، سروے سے اس طرح مختلف ہے کہ یہ ہمیشہ انفرادی طور پر کیا جاتا ہے اور اس طریقۂ کار میں نسبتاً کافی کم لوگوں (جیسے 5، 20 یا 40، عام طور پر اس سے زیادہ نہیں) کو شامل کیا جاتا ہے۔انٹرویو ساختہ ہوسکتے ہیں یعنی ان میں پہلے ہی سے متعین کیے گئے سوال پوچھے جاتے ہیں یا غیر ساختی ہوتے ہیں جس میں کچھ ہی موضوع پہلے سے متعین کیے جاتے ہیں اور اصل سوال بات چیت کے دوران ابھر کر آتے ہیں۔انٹرویوز زیادہ یا کم عمیق اس معنی میں ہوسکتے ہیں کہ انٹرویو لینے والا ایک فرد کا لمبے وقت (2 سے 3 گھنٹے) تک انٹرویو لے سکتا ہے یا ان کی کہانی کی تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لیے بار بار انٹرویو کرسکتا ہے۔

انٹرویو کے طریقۂ کار کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انٹرویو میں لچیلا پن ہوتا ہے۔یعنی کہ متعلقہ موضوعات پر تفصیل سے بحث کی جاسکتی ہے، سوالوں کو ضرورت کے مطابق دقیق بنایا جاسکتا ہے یا ترمیم کی جاسکتی ہے اور جواب دہندہ سے اس کے ذریعہ دیے گئے جواب کو واضح کرنے کے لیے بھی کہا جاسکتا ہے۔انٹرویو کے طریقے کی ایک کمزوری یہ ہے کہ اس میں بہت زیادہ لوگوں کو شامل نہیں کیا جاسکتا ہے اور افراد کے ایک منتخب گروپ کے خیالات کو ہی پیش کرسکتا ہے۔

مشاہدہ

مشاہدہ ایک طریقہ ہے جہاں محقق کو اپنی تحقیق کے لیے منتخب سیاق وسباق یا صورتِ حال میں کیا کچھ واقع ہو رہا ہے اس پر باریکی سے نظر رکھنی ہوتی ہے اور اس کا ریکارڈ تیار کرنا ہوتا ہے۔یہ بظاہر تو بہت آسان دکھائی دیتا ہے لیکن عملاً ہمیشہ اتنا آسان نہیں ہوتا۔ کون سا واقعہ تحقیقی عمل کے لحاظ سے موزوں ہے اور کون سا نہیں ہے اس کا فیصلہ پہلے سے کیے بغیر جو کچھ ہو رہا ہے اس پر محتاط طور پر نظر رکھنی ہوتی ہے۔کبھی کبھی جو واقع نہیں ہو رہا ہے وہ جو اصل میں واقع ہوتا ہے اتنا ہی دلچسپ اور اہم ہوتا ہے۔مثال کے لیے اگر آپ کا تحقیقی سوال یہ ہو کہ مختلف زمروں کے لوگ کچھ مخصوص مقامات (جیسے باغ، پارک یا میدان یا دیگر عوامی مقامات) کا استعمال کیسے کرتے ہیں تب یہ جاننا بھی اتنا ہی اہم ہوتا ہے کہ ایک مخصوص طبقے یا گروپ کے لوگ (جیسے مثال کے لیے غریب متوسط طبقے کے لوگ) اس جگہ کبھی نہ گئے ہوں یا انھوں نے اسے کبھی دیکھا نہ ہو۔

© NCERT not to be republished

ایک سے زیادہ طریقوں کی آمیزش

آپ ایک ہی تحقیقی سوال پر مختلف زاویوں سے غور کرنے کے لیے طریقوں کی آمیزش بھی کر سکتے ہیں۔ درحقیقت اسی آمیزش کو اپنانے کے لیے اکثر سفارش کی جاتی ہے۔ مثال کے لیے اگر آپ سماجی زندگی میں اخبارات اور ٹیلی ویژن جیسے ذرائع ابلاغ کی بدلتی ہوئی حالت کے بارے میں تحقیق کر رہے ہیں تو سروے اور تاریخی طریقہ کار سے آپ کو یہ پتہ چل سکے گا کہ پہلے میگزین، اخبارات یا ٹیلی ویژن کے پروگرام کیسے ہوتے تھے۔

7.2 چھوٹے تحقیقی پروجیکٹوں کے لیے ممکنہ مرکزی خیالات اور موضوعات

یہاں کچھ ممکنہ تحقیقی موضوعات کے بارے میں تجاویز پیش کی جا رہی ہیں، یہ محض تجاویز ہی ہیں، آپ اپنے اساتذہ سے مشورہ کر کے دیگر موضوع چن سکتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ یہ صرف موضوعات ہیں۔ آپ کو ان موضوعات پر مبنی مخصوص سوالات کو منتخب کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ ان میں سے زیادہ تر موضوعات کے لیے زیادہ تر طریقوں کو استعمال میں لایا جا سکتا ہے، لیکن آپ نے جس مخصوص سوال کو چنا ہے، اس کے لیے اپنائے جانے والے طریقے موزوں ہونے چاہئیں۔ آپ طریقوں کی آمیزش بھی کر سکتے ہیں۔ مجوزہ موضوع کسی خاص ترتیب میں نہیں دیے گئے۔ جو موضوع آپ کی درسی کتابوں سے واضح یا براہ راست طور پر نہیں لیے گئے ہیں، ان پر خصوصی زور دیا گیا ہے کیوں کہ درسی مواد سے متعلق اپنے پروجیکٹ سے متعلق خیالات پر غور کرنا آپ کو اور آپ کے اساتذہ کو زیادہ آسان لگے گا۔

1۔ عام وسائل نقل وحمل

لوگوں کی زندگی میں اس کا کیا کردار ہے؟ اس کی ضرورت کہاں ہوتی ہے؟ انھیں اس کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟ مختلف قسم کے لوگ عام وسائل نقل وحمل پر کتنا منحصر ہیں؟ عوامی نقل وحمل میں کس طرح کے مسائل اور امور جڑے ہوتے ہیں۔ عام نقل وحمل کے وسائل یا ان کی شکلیں وقت کے ساتھ کس طرح بدلتی رہی ہیں۔ کیا عوامی نقل وحمل کی موجودگی میں فرق آنے سے سماجی مسائل پیدا ہوتے ہیں؟ کیا ایسے گروپ ہیں جنھیں عام وسائل نقل وحمل کی ضرورت نہیں ہوتی؟ ان کی اس کے تئیں کیا سوچ ہے؟ کیا آپ نقل وحمل کے کسی ایک خاص ذریعے جیسے تانگہ یا رکشہ یا ریل گاڑی کو بھی چن سکتے ہیں اور اپنے قصبے یا شہر کے ضمن میں اس کی تاریخ لکھ سکتے ہیں۔ نقل وحمل کے ان وسائل میں اب تک کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں؟ اس کا دیگر کن کن وسائل کے ساتھ زبردست مقابلہ رہا ہے؟ طریقوں کے ساتھ اس مقابلے میں کس کی جیت یا ہار ہوئی؟ اس ہار یا جیت کی وجوہات کیا تھیں؟ نقل وحمل کے اس طریقے کا مستقبل کیسا ہوگا؟ کیا کوئی اس کی کمی محسوس کرے گا؟

اگر آپ دہلی میں رہتے ہیں تو دلی میٹرو (ریل) کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ کیا آپ سائنس پر مبنی کہانی لکھ سکتے ہیں کہ آج سے تقریباً 50 سال بعد یعنی 2050 یا 2060 میں یہ میٹرو ٹرین کیسی ہوگی؟ (یاد رہے ایک

© NCERT not to be republished

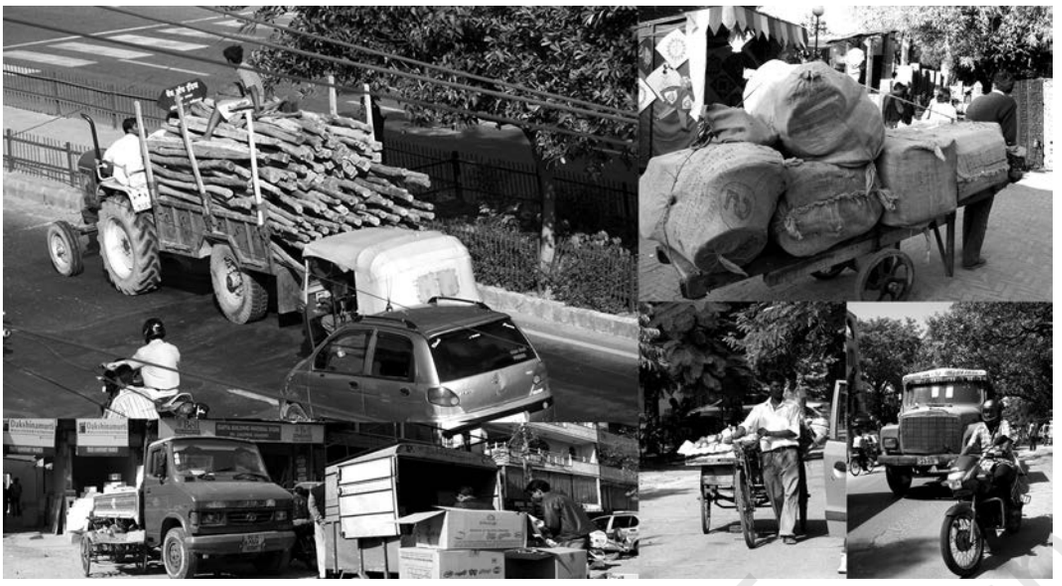

اچھی سائنسی کہانی لکھنا آسان نہیں ہوتا! آپ جو بھی تصور کریں اس کے اسباب ضرور بیان کریں۔ یہ تخیلات موجودہ اشیا، حالات اور رشتوں سے الگ ہوتے ہوئے بھی ان سے کسی معنی میں جڑے بھی ہونے چاہیے۔اس لیے آپ کو یہ تخیل کرنا ہوگا کہ مستقبل میں عام وسائل نقل وحمل موجودہ صورت حال میں کس طرح فروغ پائیں گے اور آج کے مقابلے میٹرو کی اہمیت مستقبل میں کیسی ہوگی)۔

2۔سماجی زندگی میں ذرائع ترسیل کا کردار

ترسیلی ذرائع میں ذرائع ابلاغ جیسے اخبارات، ٹیلی ویژن، فلمیں، انٹرنیٹ وغیرہ شامل ہوسکتے ہیں جو اطلاع فراہم کرتے ہیں اور بڑی تعداد میں لوگوں کے ذریعہ دیکھے جاتے ہیں یا بڑی تعداد میں لوگ ان کا استعمال کرتے ہیں۔ ان میں وہ ذرائع بھی شامل کیے جاسکتے ہیں جن کا استعمال لوگ باہمی رابطہ کے لیے کرتے ہیں جیسے ٹیلی فون، خطوط، موبائل فون، ای میل اور انٹرنیٹ۔ان میدانوں میں آپ مثال کے لیے سماجی زندگی میں ذرائع ابلاغ کے بدلتے ہوئے مقام اور مطبوعہ مواد، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور دیگر اہم ذرائع میں ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں تحقیق کرسکتے ہیں۔ایک اور سطح پر آپ فلموں، کتابوں وغیرہ کے بارے میں کچھ خاص گروپوں (طبقات، عمر گروپوں، جنس) کی پسند اور ناپسند کے بارے میں کئی طرح کے سوال پوچھ سکتے ہیں۔ جدید ترسیلی ذرائع (جیسے موبائل فون انٹرنیٹ) اور ان کے اثرات کے بارے میں لوگوں کا زاویۂ نگاہ کیا ہے؟ لوگوں کی زندگی میں ان کا مقام کیا ہے۔اس بارے میں ہم مشاہدہ اور پوچھ تاچھ کے ذریعہ کیا جان سکتے ہیں؟ مشاہدہ کے ذریعہ آپ کہی گئی باتوں اور عملی برتاؤ کے درمیان فرق (اگر کوئی ہو) کو جان سکتے ہیں۔لوگ جتنے گھنٹے ٹیلی ویژن دیکھنے کے بارے میں سوچتے ہیں کیا وہ حقیقتاً اتنے ہی گھنٹے ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں یا ان کے خیال سے کتنے گھنٹے ٹیلی ویژن دیکھنا مناسب ہوگا، وغیرہ)۔ترسیلی ذرائع کی بیرونی شکل میں تبدیلی ہوجانے کے کچھ نتائج کیا ہیں؟ (مثال کے لیے، کیا ٹیلی ویژن نے ریڈیو اور اخبارات کی اہمیت کو درحقیقت کم کردیا ہے یا ہر ایک ذرائع کا اپنا مقام ہے) وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے لوگ کسی ایک یا دیگر ذرائع کو زیادہ پسند کرتے ہیں؟

© NCERT not to be republished

متبادل کے طور پر آپ ذرائع ابلاغ (اخبارات، میگزین، ٹیلی ویژن وغیرہ) کے مواد کے تجزیہ کی بنیاد پر خواہ جتنے پروجکٹوں پر کام کرنے کی بات سوچ سکتے ہیں اور یہ بھی کہ ان ذرائع نے کچھ خاص موضوعات یا مرکزی خیال جیسے اسکول اور اسکولی تعلیم، ماحول، ذات، مذہبی تنازعات، کھیل کود کے پروگرام، مقامی بنام قومی یا علاقائی خبروں وغیرہ کا کیسا تجزیہ کیا ہے۔



3۔ گھروں میں کام آنے والے ساز وسامان اور گھریلو کام کاج

ایسے گھریلو ساز وسامان کا مطلب ہے وہ سبھی ساز وسامان جو گھریلو کام میں استعمال کیے جاتے ہیں جیسے گیس، مٹی کے تیل والے یا دیگر قسم کے اسٹوو، مکسیاں، گرنڈر مختلف قسم کے فوڈ پروسسر اور کپڑوں پر استری کرنے کے لیے بجلی یا دیگر قسم کی استریاں کپڑے دھونے کی مشینیں، اوون، ٹوسٹر، پریشر کوکر وغیرہ۔ وقت کے ساتھ گھریلو کام کاج میں کیسی تبدیلی ہوتی ہے؟ کیا ان ساز وسامان کے آجانے سے کام کی شکل خاص طور پر گھروں میں محنت کی تقسیم کی شکل بدل گئی ہے۔ وہ لوگ کون ہیں جو ان ساز وسامان کا استعمال کرتے ہیں؟ کیا وہ زیادہ تر مرد یا عورتیں جوان یا بوڑھے، تنخواہ یافتہ یا غیر تنخواہ یافتہ کام کرنے والے لوگ ہیں؟ ان ساز وسامان کا استعمال کرنے والے ان کے بارے میں کیا محسوس کرتے ہیں؟ کیا ان ساز وسامان نے کام کو واقعی آسان بنا دیا ہے؟ عمر کے لحاظ سے گھروں میں کیے جانے والے کاموں میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟ (یعنی کیا اب جوان/ بوڑھے لوگوں کے ذریعہ کیے جانے والے مختلف قسم کے کاموں میں پہلے کے مقابلے کوئی فرق آیا ہے؟)

متبادل کے طور پر آپ صرف اس بات پر ہی توجہ مرکوز کر سکتے ہیں کہ گھر خاندان کے اندر گھریلو کاموں کی تقسیم کیسے کی جاتی ہے۔ کون کیا کرتا ہے اور کیا اس سلسلے میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟



4۔عام مقامات کا استعمال

یہ تحقیقی موضوع ان عام مقامات (جیسے کھلا میدان، سڑک کے کنارے کی جگہ یا فٹ پاتھ، رہائشی بستیوں میں خالی پڑے مقامات، عوامی دفاتر کے باہر کی خالی جگہ وغیرہ) کے بارے میں ہے جن کا استعمال مختلف طرح سے کیا جاتا ہے۔ مثال کے لیے، کچھ خالی جگہوں میں تو کئی طرح کے چھوٹے چھوٹے کاروبار چلتے ہیں جیسے سڑک کے کنارے کی خالی جگہ میں چھوٹے چھوٹے دوکاندار سامان فروخت کرنے والے کھڑے ہوتے ہیں۔ چھوٹی موٹی عارضی دوکانیں ہوتی ہیں یا گاڑی کھڑی کی جاتی ہے۔ دیگر جگہیں ویسے تو خالی دکھائی دیتی ہیں لیکن وقتاً فوقتاً مختلف طریقوں سے کام میں لائی جاتی ہیں جیسے شادی یا مذہبی تقاریب کے لیے عوامی جلسوں کے لیے یا کئی طرح کی چیزیں پھینکنے کے لیے کئی خالی جگہوں پر بے گھر غریب لوگ رہنے لگتے ہیں اور اس طرح وہاں ان کے گھر ہی بن جاتے ہیں۔ اس عام موضوع پر کچھ تحقیقی سوال تیار کرنے کی کوشش کریں: مختلف طبقوں کے لیے عام مقامات کے استعمال کے بارے میں کیا محسوس کرتے ہیں؟ ان طبقوں کے لیے اس خالی جگہ کا کیا استعمال ہوسکتا ہے؟ آپ کے پڑوس میں واقع کسی خالی جگہ کا استعمال، وقت

کے ساتھ کیسے بدلتا رہا ہے؟ کیا اس کی وجہ سے کوئی لڑائی جھگڑا یا تناؤ پیدا ہوتا ہے؟ ان جھگڑوں کی وجوہات کیا ہیں؟



5۔ مختلف عمر گروپوں کی بدلتی ہوئی خواہشات

کیا آپ کی پوری زندگی میں آپ کی تمنائیں ہمیشہ ایک جیسی ہی رہی ہیں؟ زیادہ تر لوگ خاص طور پر چھوٹی عمر کے لوگ اپنے مقصد بدلتے رہتے ہیں۔ اس تحقیقی موضوع کے تحت یہ پتہ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ تبدیلی کون سی ہے اور کیا مختلف گروپوں میں ان تبدیلیوں کی کوئی خاص شکل ہے۔ اس بارے میں تحقیقی عمل کرنے کے لیے آپ مختلف قسم کے اسکولوں میں مختلف عمر گروپوں (جیسے پانچویں، آٹھویں اور گیارھویں جماعت کے بچوں، مرد عورت مختلف والدینی پس منظر وغیرہ کے لوگوں کو چن سکتے ہیں اور یہ دیکھ سکتے ہیں کہ کیا ان میں تبدیلی کی کوئی خاص شکل دکھائی دیتی ہے۔ آپ اپنے تحقیقی عمل میں بالغوں کو بھی شامل کر سکتے ہیں اور یہ دیکھ سکتے ہیں کہ کیا انھیں کوئی ایسی تبدیلی یاد آتی ہے اور کیا اسکول جانے والے بچوں میں تبدیلیوں کے مقابلے اسکولی تعلیم ختم کر چکے بچوں میں تبدیلیوں کی کوئی مخصوص شکل ہے۔

6۔ ایک شے کی روئداد

آپ اپنے گھر میں موجود ایک خاص صرفی شے جیسے ٹیلی ویژن، موٹر سائیکل، قالین یا فرنیچر کے بارے میں سوچیں۔ یہ تصور کرنے کی کوشش کریں کہ اس شے کی تاریخ حیات کیا رہی ہوگی۔ آپ خود کو وہ شے مان کر اپنی آپ بیتی لکھیں اس شے کو اپنی موجودہ حالت تک پہنچنے کے لیے مبادلے کے کن دوروں سے گزرنا پڑا ہے؟ کیا آپ ان سماجی رشتوں کو تلاش کر سکتے ہیں جن کے ذریعہ وہ شے بنائی، فروخت اور خریدی گئی تھی؟ اس کی اس کے مالکوں یعنی آپ، آپ کے خاندان، کمیونٹی کے لیے کیا علامتی اہمیت ہے؟



اگر آپ کا ٹیلی ویژن (یا صوفہ سیٹ یا موٹر سائکل) خود سوچ یا بول سکتا تو وہ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتا جن کے ربط میں وہ آیا ہے؟ (جیسے کہ آپ کے خاندان یا دیگر خاندانوں یا گھر جن کا آپ تخیل کر سکتے ہوں)

© NCERT not to be republished

تحقیق	تحقیقی طریقہ کار/تکنیک کی قسم	
موضوع/میدان	مشاہدہ	سروے
عام وسائل نقل وحمل کے طریقے، مقامی ریلوے یا بس اسٹیشن	برتاؤ کا طریقۂ متوقع آداب واخلاق، جگہ کی حصہ داری	وقت کے ساتھ ہوئی تبدیلیوں کے بارے میں رائے تجربہ، مشکلات وغیرہ
گھریلو ساز وسامان (کھانا بنانے کے ایندھن کے طریقے، پنکھے، کولر، ایرکنڈیشن، استری، فریج مکسی۔۔۔)	استعمال کی شکل؛ محنت کی گھریلو تقسیم جنسی پہلو	مختلف قسم کے ساز وسامان سے متعلق رویے/یاداشت
عوامی جگہوں کا استعمال (سڑک کے کنارے، خالی زمین وغیرہ)	مشاہدہ کیجیے کہ مختلف جگہوں پر خالی جگہوں کا استعمال کیسے ہوتا ہے؟	مخصوص عوامی مقامات کے مختلف قسم کے استعمال کے بارے میں لوگوں کے مختلف طبقوں کی رائے
مختلف عمر میں (جیسے پانچویں، آٹھویں گیارھویں جماعت کے طلبا) اسکولی بچوں کی بدلتی خواہشات	موزوں نہیں	مختلف نسلوں کے بالغوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کا سروے (یادداشت کی بنیاد پر)
سماجی زندگی میں ترسیلی ذرائع (موبائل فون سے لے کر سیٹلائیٹ ٹیلی ویژن تک) کا مقام	غور کریں کہ عوامی مقامات پر لوگ موبائل فون کا استعمال کیسے کرتے ہیں، ان کی زندگی میں ان ساز وسامان کی کیا اہمیت ہے؟	مختلف قسم کے لوگ کتنا ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں اور ان کے پسندیدہ پروگرام کیا ہیں؟

© NCERT not to be republished

تحقیقی طریقۂ کار تکنیک کی قسم		
تاریخی	انٹرویو	تبصرات/تجاویز
تبدیلی کی تاریخی کو جاننے کے لیے اخبارات اور دیگر وسائل	باقاعدگی سے یا کبھی کبھی استعمال کرنے والوں کے خیالات کا مرد بنام عورتیں وغیرہ	نسبتاً بڑے شہروں کے لیے ہی مناسب
مختلف قسم کے ساز وسامان کے اشتہارات کی شکل	مخصوص ساز وسامان کے بارے میں مختلف قسم کے لوگوں کا ردعمل کیا ہے؟	اس کام کو کرنے کے لیے لڑکوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ یہ موضوع، لڑکیوں کا ہی نہ بن کر رہ جائے۔
پچھلے سالوں میں کسی مخصوص مقام کو کن الگ الگ طریقوں سے استعمال کیا جاتا تھا؟	کیا مختلف سماجی طبقات، گروپوں کے لوگ خالی جگہ کے استعمال کے بارے میں مختلف خیالات رکھتے ہیں؟	بہتر یہی ہوتا ہے کہ تحقیقی عمل کے لیے ایسے مقامات کو چنا جائے جن سے لوگ اچھی طرح واقف ہوں اور تعلق رکھتے ہوں
ماضی سے مواد (جیسے اس موضوع پر اسکول میں لکھے گئے مضامین) کی دستیابی پر منحصر	ایک گروپ سے ان کی اپنی ترقی کے بارے میں بات چیت کریں یا مختلف عمر گروپ کے لوگوں سے بات چیت کریں	انٹرویو لینے کے لیے چنے گئے طالب علم اپنے ہی اسکول کے نہیں ہونے چاہئیں۔
کسی بھی موجودہ دلچسپ معاملے کو ترسیلی دائرے میں دی گئی اہمیت کا تجزیہ	فون کی دستیابی کے بعد لوگ خط لکھنے کے سلسلے میں آئی کمی کے بارے میں کیا محسوس کرتے ہیں؟	اس معاملے پر کوئی پہلے سے فیصلہ نہ لیں (جیسے یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ خط لکھنے کے معاملے میں اتنی کمی آئی ہے) بلکہ ان سے دریافت کریں انھیں بتائیں نہیں

© NCERT not to be republished

فرہنگ اصطلاحات

حسابی افزائش(Arithmetic progression): اعداد کا ایسا سلسلہ یا تواتر جو کسی بھی تعداد سے شروع ہوسکتا ہے لیکن جہاں ہر اگلا عدد پچھلے عدد میں ایک متعین عدد جوڑنے سے حاصل ہوتا ہے۔ مثال کے لیے 18,14,10,6 وغیرہ جہاں 6 ایک اختیاری یعنی حسب مرضی لیا گیا ابتدائی نقطہ ہے لیکن 10=6+4, 14=10+4, 18,=14+4 وغیرہ کے سلسلے میں ہوتے ہیں۔

انجذاب(Assimilation): ثقافتی اتحاد اور متجانس بنانے کا ایک عمل جس کے ذریعے نئے شامل ہوئے یا ماتحت گروپ اپنی امتیازی ثقافت سے محروم ہو جاتے ہیں اور غالب اکثریت کی ثقافت کو اپنا لیتے ہیں۔ انجذاب جبری یا رضا کارانہ ہوسکتا ہے اور عام طور پر نامکمل ہوتا ہے جہاں پر ماتحت یا شامل ہونے والے گروپ کو مساوی شرائط پر پوری ممبر شپ نہیں فراہم کی جاتی۔ مثال کے لیے غالب اکثریت کے ذریعے ایک تارک وطن کمیونٹی کے ساتھ امتیازی برتاؤ کرنا اور باہمی رشتہ ازدواج کو منظوری نہ دینا۔

جابریت(Authoritarianism) حکومت کا وہ نظام جس میں لوگوں سے اپنا استحقاق یا جواز نہیں حاصل کیا جاتا۔ یہ حکومت کی جمہوری شکل نہیں ہے۔

ضبط تولید(Birth Control) حمل اور پیدائش کو روکنے کے لیے مانع حمل تکنیکوں کا استعمال۔

کاروباری عمل کے لیے بیرونی ذرائع سے مدد حاصل کرنا(Business Process Outsourcing: BPO) ایک ایسا طریقہ جس کے ذریعے پیداواری عمل کے کس حصے کو یا خدمات صنعت کے کسی جزو کو کسی تیسرے فریق کے ذریعے انجام دیے جانے کا معاہدہ کیا جائے یا ٹھیکہ دیا جائے۔ مثال کے لیے ٹیلی فون کی لائنیں اور خدمات فراہم کرنے والی ٹیلی فون کمپنی اپنے گاہک خدمات ڈویزن کے کام باہری ذرائع سے پورا کرواسکتی ہے؛ جیسے کہ وہ اپنے سبھی گاہکوں کی کالوں اور شکایتوں پر کاروائی کرنے کے لیے کسی ایک چھوٹی کمپنی کی خدمات لے سکتی ہے۔

سرمایہ یا اصل (Capital): قابل سرمایہ وسائل کا جمع فنڈ۔ اس لفظ کا استعمال عام طور پر 'سرگرم' سرمایوں یعنی ایسے سرمایوں کے لیے کیا جاتا ہے جو صرف سجا کر اکٹھے نہیں کیے جاتے بلکہ انھیں سرمایہ کاری کے لیے سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ پونجی کو بڑھانے، اس میں رقم جوڑنے کی کوشش کرنا۔ یہی جمع کرنے کا عمل ہے۔

سرمایہ داری (Capitalism): عام استعمال کی اشیا پر مبنی پیداوار کا ایک طریقہ یا ایک سماجی نظام جہاں (a) نجی جائداد اور بازار سبھی سیکٹروں میں داخل ہے اور سبھی چیزوں کے ساتھ ساتھ قوت محنت کو بھی بازار میں فروخت ہونے والی شکل میں بدل دیا ہے، (b) دو اہم طبقات موجود ہوتے ہیں، ایک ہر دن محنت کرنے والے مزدور جن کے پاس اپنی قوت محنت (محنت کرنے کی ان کی صلاحیت) کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، اور سرمایہ داروں کا ایک طبقہ جو سرمایہ دار کی حیثیت سے

© NCERT not to be republished

بنے رہنے کے لیے اپنی پونجی کی سرمایہ کاری ضرور کرتے ہیں اور مسابقتی بازار معیشت میں ہمیشہ بڑھتا ہوا منافع حاصل کرتے ہیں۔

مثبت روک (Checks Positive): ٹی۔آر۔مالتھس کے ذریعے اس لفظ کا استعمال آبادی میں اضافے کی شرح پر لگنے والی ایسی روک تھام کے بارے میں کیا گیا ہے جو فطرت کے ذریعے انسان کی مرضی یا خواہشات کی پروا نہ کرتے ہوئے لگائی جاتی ہے۔ایسی رکاوٹوں کی مثالوں میں قحط سالی، اور دیگر قدرتی آفات شامل ہیں۔

منفی رکاوٹیں (Checks Preventive): ٹی۔آر۔مالتھس کے ذریعے اس لفظ کا استعمال آبادی میں اضافے کی شرح پر لگنے والی ایسی روک تھام کے سلسلے میں کیا گیا ہے جو انسانوں کے ذریعے خود اپنے اوپر رضا کارانہ طور پر لگائے جاتے ہیں۔ایسی رکارٹوں کی مثالوں میں شادی میں تاخیر اور تجر دیا برہم چریہ اور ضبط تولید شامل ہے۔

سول سماج (Civil Society): سماج کا وہ دائرہ جو خاندان سے الگ ہو لیکن مملکت یا بازار کا حصہ نہ ہو۔ان رضا کار اداروں اور تنظیموں کا میدان جو ثقافتی، سماجی، مذہبی یا غیر کاروباری یا غیر حکومتی کاموں کے لیے تشکیل دیا گیا ہو۔

طبقہ (Class): ایک ایسا معاشی گروپ جو پیداواری سماجی تعلقات میں آمدنی اور خوش حالی کی سطحوں پر، طرز زندگی اور سیاسی ترجیحات کے ضمن میں مشترکہ یکساں حیثیت پر مبنی ہوتا ہے۔

استعماریت(Colonialism): ایک ایسا نظریہ جس کے ذریعے ایک ملک دوسرے ملک کو جیتنے اور اسے اپنی نو آبادی بنانے (جبراً وہاں بسنے، اس پر حکومت کرنے) کی کوشش کرتا ہے۔ایسی نو آبادی، نو آبادکار ملک کا ماتحت حصہ بن جاتی ہے اور نو آبادکار ملک کے فائدے کے لیے اس نو آبادی کا طرح طرح سے استحصال کیا جاتا ہے۔ویسے تو استعماریت سامراجیت سے متعلق ہے لیکن استعماریت کے تحت نو آبادکار ملک نو آبادی میں بسنے اور ایسی حکمرانی بنائے رکھنے میں (یعنی جامع طور پر مقامی نگرانی میں رکھنے) میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے جب کہ سامراجی ملک نو آبادی کو لوٹ کر اسے چھوڑ دیتا ہے یا دور سے ہی اس پر حکمرانی کرتا ہے (یعنی وہاں آکر بستا نہیں)

اشیا کاری یا نا اشیا(Commodification or commoditisation): غیر شے کا (یعنی ایسی شے جسے بازار میں رقم کے لیے خریدا یا فروخت نہیں کیا جاتا) شے میں بدلنے کا عمل۔

جنس یا شے (Commodity): کوئی شے یا خدمت جو بازار میں خریدی یا فروخت کی جاسکتی ہو۔

شے سے غیر معمولی عقیدت(Commodity fetishism): سرمایہ داری کے تحت ایک ایسی صورت جس میں سماجی تعلقات کو بھی اشیا کے درمیان رشتوں کی طرح ظاہر کیا جاتا ہے۔

فرقہ واریت یا فرقہ پرستی(Communalism): مذہبی شناخت پر مبنی شدید فرقہ پرستی یا تعصب۔یہ یقین کہ مذہب ہی فرد یا گروپ کی پہچان کے سبھی دیگر پہلوؤں کے مقابلے بالا تر ہوتا ہے۔عام طور پر یہ ان افراد یا گروپوں کے تئیں ایک جارحانہ اور دشمنانہ رویہ ہوتا ہے جو دوسرے مذاہب کو مانتے ہیں یا جن کی شناخت غیر مذہبی ہوتی ہے۔

© NCERT not to be republished

کمیونٹی (Community): کسی بھی ایسے امتیازی گروپ کے لیے استعمال کیا جانے والا لفظ جس کے ممبر شعوری طور پر منظور شدہ مشترکہ خصوصیات اور قرابت داری، زبان، ثقافت کے بندھنوں وغیرہ کے سبب ایک دوسرے سے جڑے رہتے ہوں۔ ان مشترکہ خصوصیات عقیدہ ان کے وجود کے حقیقی ثبوت سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔

صرف (Consumption): ان لوگوں کے ذریعے اشیا اور خدمات کا آخری استعمال جنھوں نے اسے خریدا ہے (یعنی صارف)

جمہوریت (Democracy): حکومت کی وہ شکل جو عوام سے اپنا استحقاق حاصل کرتی ہے اور انتخابات کے ذریعے یا عوام کی رائے جاننے کے کسی اور طریقے سے عوام کی واضح حمایت پر منحصر ہوتی ہے۔

بحث یا مقالہ (Discourse): سماجی زندگی کے کسی مخصوص شعبے میں فکر کا خاکہ۔ مثال کے لیے خطا کاری پر بحث کا مطلب ہے کہ ایک مخصوص سماج میں لوگ خطا کاری کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

امتیاز یا تفریق (Discrimination): ایسے برتاؤ، عمل یا سرگرمیاں جن کے نتیجے میں کسی ایک خاص گروپ کے ممبروں کو ان اشیا، خدمات، ملازمت، وسائل وغیرہ سے محروم رکھتا ہے جو عام طور پر دوسروں کو دستیاب ہوتے ہیں۔ تفریق اور تعصب میں فرق کو سمجھنا ضروری ہے حالاں کہ یہ دونوں عام طور پر ایک دوسرے سے گہرائی سے جڑے ہوئے ہیں۔

تنوع (ثقافتی تنوع) [Diversity (Cultural Diversity)]: بڑے قومی، علاقائی یا کسی اور سیاق و سباق میں متعدد مختلف قسم کی ثقافتی کمیونٹیاں جیسے وہ جن کی تعریف زبان، مذہب، علاقے، نسل وغیرہ کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ یعنی شناختوں کی کثیر اکائیت۔

غالب ذات (Dominant Caste): کوئی بھی متوسط یا اعلا متوسط درجے کی ذات جن کی آبادی کافی بڑی ہو اور جن کے ذریعے زمین کی ملکیت کے حقوق نئے نئے حاصل گئے گے ہوں۔ بڑی آبادی اور ان نئے نئے حاصل ہوئے حقوق کے سبب یہ جاتیاں ہندوستان کے متعدد خطوں کے دیہی علاقوں میں سیاسی اور معاشی اور اسی لیے سماجی لحاظ سے غالب ہوگئی ہیں۔ غالب جاتیاں ان پرانی جاتیوں کا مقام حاصل کر لیتی ہیں جن کو پہلے غلبہ حاصل تھا، ان پہلے کی ذاتوں کے بر خلاف یہ دوسری بار جنمی (twice born) جاتیاں نہیں ہیں (یعنی برہمن، چھتریہ یا ویشیہ ورن کے تحت نہیں آتیں)۔

معاشی انسانیات (Economic anthropology): سماجی وثقافتی انسانیات کا ایک ذیلی میدان جو قبل تاریخی، تاریخی اور نسل بیانی ریکارڈوں میں پائی جانے والی سبھی طرح کی معیشتوں اور ثقافتوں خاص طور پر غیر بازاری معیشتوں کا مطالعہ کرتا ہے۔

جمایا ہوا (Embedded) (سماجی طور پر ٹھوس شکل میں قائم): ایک بڑے سماج یا ثقافت کے اندر موجود ہونا جس سے مذکورہ عمل کاری یا مظہر کو بنیاد یا ٹھوس شکل فراہم ہوتی ہے۔ یہ کہنا کہ معاشی ادارے سماج میں ٹھوس شکل میں قائم ہیں، یہ بتاتا ہے کہ وہ سماج میں موجود ہیں اور اس لیے اپنا کام کر سکتے ہیں کیوں کہ سماج نے اس سلسلے میں ضروری ضوابط اور تنظیم و ترتیب بنا رکھی ہے۔

داخلی زوجیت (Endogamy): اس رواج کے تحت فرد اپنے ثقافتی گروپ جس کا وہ پہلے ہی سے ممبر ہے، مثال کے لیے ذات کے اندر رشتۂ ازدواج قائم کرسکتا ہے۔

شمار (Enumeration): لفظی معنی ''گننا''۔ اس سے مراد گننے اور پیمائش کے (خاص طور پر عوام سے متعلق) عمل سے ہے۔ جیسے مردم شماری یا سروے سے۔

وبا (Epidemic): یونانی لفظ سے اخذ کیا گیا ہے (epi=پر، demos=لوگ) اس کا مطلب ہے کسی خاص جغرافیائی علاقے میں ایک مخصوص وقت پر کسی ایسی بیماری کی شرح میں اچانک اضافہ ہونا جس کا اثر لوگوں پر پڑتا ہے۔ کسی عام بیماری کو وبائی مرض بنانے والا فیصلہ کن عنصر یہ ہے کہ اس کے ہونے یا پھیلنے کی شرح (وقت کی فی اکائی جیسے یومیہ، ہفتہ وار یا ہر ماہ اطلاع کیے گیے نئے مریضوں کی تعداد عام شرح سے کافی اونچی ہو۔ یہ فیصلہ جزوی طور پر داخلی یا موضوعی بھی ہوسکتا ہے۔ اگر کسی بیماری کی شرح کسی خاص جغرافیائی خطے میں اونچی تو ہو لیکن لگاتار ایک سطح پر ہی بنی رہے (یعنی اس میں اچانک کوئی اضافہ نہ ہو) تو اسے مخصوص علاقے کا مرض کہا جائے گا۔ اگر کوئی وبا کسی خاص جغرافیائی علاقے تک محدود نہ رہے اور دور دور تک (یعنی ملکی، بیرون ممالک یا عالمی سطح پر) پھیل جائے تو اسے ملک گیر یا عالمی وبا (Pandemic) کہا جاتا ہے۔

نسلی صفائی (Ethnic cleaning): دیگر نسلی آبادی کو ایک ساتھ باہر نکال کر نسلیاتی طور پر متجانس علاقے کی تخلیق۔

نسلیت (Ethnicity): نسلی گروپ وہ ہوتا ہے جس کے سبھی ممبر ایک ایسی مشترکہ ثقافتی شناخت کے تئیں بیدار رہتے ہیں جو انھیں آس پاس کے دوسرے گروپوں سے الگ کرتی ہیں۔

خارجی زوجیت (Exogamy): اس کے تحت فرد اپنے خود کے گروپ کے باہر شادی کرتا ہے۔

خاندان (Family): یہ افراد کا ایک ایسا گروپ ہوتا ہے جو قرابت داری رشتے کے ذریعے آپس میں جڑا رہتا ہے، اس کے بالغ ممبر بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتے ہیں۔

بارآوری (Fertility): انسانی آبادی کے سیاق وسباق میں اس سے مراد نوع انسانی کی تولیدی یعنی بچے پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔ چوں کہ تولید بنیادی طور پر عورتوں پر مرکوز عمل ہے اس لیے تولیدی صلاحیت کا حساب عورتوں کی آبادی یعنی بچے کو جنم دینے کی عمر والی عورتوں کی تعداد کے حوالے سے لگایا جاتا ہے۔

صنف یا جنس (Gender): سماجی نظریے میں یہ لفظ مردوں اور عورتوں کے درمیان سماجی وثقافتی طور پر پیدا ہونے والے فرق کو ظاہر کرنے کے لیے کیا گیا ہے (یہ ان جنسی خصوصیات 'Sex' سے مختلف ہے جو مرد اور عورت کے درمیان جسمانی و حیاتیاتی فرق کو ظاہر کرتا ہے)۔ قدرت جسمانی وحیاتیاتی جنسی خصوصیات کی تخلیق کرتی ہے جب کہ سماج صنف کی تخلیق کرتا ہے۔

© NCERT not to be republished

ضربی افزائش (Geometric Progression): اعداد کا ایسا سلسلہ یا تواتر جو کسی بھی عدد سے شروع ہوسکتا ہے لیکن جہاں ہر ایک اگلا عدد پچھلے عدد کو مستقل ضرب دینے کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ مثال کے لیے 500,100,20,4 اور اسی طرح آگے بھی جہاں 4 حسب مرضی لیا گیا ایک ابتدائی نقطہ ہے لیکن 500=100x5، 100=20x5، 20=4x5 وغیرہ وغیرہ کے سلسلے میں ہوتے ہیں۔

عالم کاری (Globalisation): معاشی، سماجی، ٹکنالوجیکل، ثقافتی اور سیاسی تبدیلیوں کا ایک پیچیدہ سلسلہ جس نے الگ الگ مقامات کے لوگوں اور معاشی عوامل (کمپنیاں) میں باہمی انحصار، یک جہتی اور بین عمل یا باہمی رابطے کا اضافہ کیا ہے۔

یک جہتی (Integration): ثقافتی جڑاؤ یا اتحاد پیدا کرنے کا ایک عمل جس کے ذریعے ثقافتی امتیاز نجی حیثیت میں چلے جاتے ہیں اور ایک مشترکہ عوامی ثقافت کو سبھی گروپوں کو اپنا لیا جاتا ہے۔ اس عمل کے تحت عام طور پر طاقت ور یا بااثر گروپ کی ثقافت کو ہی رسمی ثقافت کے طور پر اپنایا جاتا ہے۔ ثقافتی فرق، تفریق، یا امتیازیت کے اظہار کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی یا کبھی کبھی عوامی عمل داری میں ایسے اظہار پر روک لگادی جاتی ہے۔

ججمانی نظام (Jajmani System): ہندوستانی گاؤں (شمالی) میں پیداوار، اشیا اور خدمات کا غیر بازاری مبادلہ جس میں رقم کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ یہ مبادلہ جاتی نظام اور رواجی برتاؤ پر مبنی ہوتا ہے۔

ذات (Caste) کے لیے یہ لفظ۔ ایسی ذاتوں کا ایک مخصوص علاقے میں درجہ بندی یا حسب مراتب ترتیب جو اپنی حدوں میں شادیاں کرتے ہیں، موروثی پیشے اپناتے ہیں، یہ سب پیدائش کی بنیاد پر متعین ہوتا ہے۔ یہ ایک روایتی نظام ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس میں کئی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔

قرابت داری (Kinship): افراد کے درمیان ایسا تعلق جو شادی یا نسبی سلسلے کے ذریعے قائم ہوتا ہے اور خونی رشتوں (ماں، باپ، بھائی بہن اولاد وغیرہ) کو آپس میں جوڑتا ہے۔

قوت محنت (Labour Power): محنت کرنے کی صلاحیت، انسانوں کی ذہنی اور جسمانی صلاحتیں جو پیداواری عمل میں کام آتی ہیں۔ (یہ محنت سے الگ ہے جو انجام دیا جانے والا کام ہے)

عدم مداخلت (laissez faire): (فرانسیسی، جس کے لفظی معنی، ہونے دو یا تعرض نہ کریں ہے) ایک معاشی فلسفہ جو آزاد بازار نظام اور معاشی معاملوں میں کم ترین حکومتی مداخلت کی وکالت کرتا ہے۔

نرم کاری (Liberalisation): یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے معاشی سرگرمی پر مملکت کا کنٹرول ڈھیلا کر دیا جاتا ہے اور انھیں بازاری قوتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ عام طور پر ایک ایسا عمل جس کے ذریعے قوانین کو زیادہ نرم اور آسان بنا دیا جاتا ہے۔

مواقع زندگی (Life chances): کسی فرد کو اپنی زندگی میں دستیاب ہونے والے امکانی مواقع یا ممکنہ حصول یابیاں۔

© NCERT not to be republished

طرز زندگی (Lifestyle): جینے کا طریقہ، زیادہ ٹھوس شکل میں صرف کی مخصوص اقسام اور سطح جن سے کچھ خاص سماجی گروپوں کی روزمرہ زندگی معین ہوتی ہے۔

بازارکاری(Marketisation): سماجی، سیاسی یا معاشی مسائل کے حل کے لیے بازار پر مبنی حلوں کا استعمال

شادی (Marriage): دو بالغ افراد کے درمیان سماجی طور پر تسلیم شدہ اور توثیق شدہ جنسی تعلق۔ جب دو لوگ آپس میں شادی کرتے ہیں تب وہ ایک دوسرے کے قرابت دار بن جاتے ہیں۔

اقلیتی گروپ(Minority groups): کسی مخصوص سماج میں لوگوں کا ایسا گروپ جو اپنی امتیازی مادی یا ثقافتی خصوصیات کے سبب اقلیت میں ہوں اور خود کو اس سماج کے اندر عدم مساوات کی کیفیت میں پاتے ہوں۔ ان گروپوں میں نسلیاتی اقلیتیں بھی آتی ہیں۔

طریقۂ پیداوار (Mode of production): مارکس کی تاریخی مادیت میں، پیداوار کی قوتوں اور پیداوار کے رشتوں کا ایک مخصوص اتحاد جو تاریخی لحاظ سے امتیازی سماجی تشکیل کرتا ہے۔

جواب کاری(Reciprocity): ایک غیر بازاری معیشت میں اشیا اور خدمات کا غیر رسمی ثقافتی منضبط مبادلہ (تجارت)۔

کرداری کشاکش (Role Conflict): ان مختلف سماجی کرداروں کے درمیان کشاکش جنھیں ایک ہی فرد سے نبھانے کی توقع رہتی ہے۔ مثال کے لیے، ایک کام گار کی شکل میں اس کا کردار اور ایک والد یا شوہر کے طور پر اس کے کردار کے درمیان اپنے کرداروں یا رول کے درمیان کرداری کشاکش کا تجربہ کرسکتا ہے۔

یک زوجگی(Monogamy): اس میں ایک وقت میں ایک ہی جیون ساتھی (میاں/ بیوی) رکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس نظام کے تحت ایک مخصوص وقت پر ایک مرد ایک ہی بیوی اور ایک عورت ایک ہی شوہر رکھ سکتی ہے۔

پیدائشی خاندان (Natal Family): وہ خاندان جس میں فرد کی پیدائش ہوئی ہو، پیدائش کا خاندان (یہ سسرالی خاندان سے بالکل الگ ہوتا ہے جسے شادی کے لیے اپنایا جاتا ہے۔)

قوم(Nation): ایک ایسی کمیونٹی جو خود کو ایک کمیونٹی مانتی ہے اور متعدد مشترکہ خصوصیات جیسے مشترکہ زبان، جغرافیائی وقوع، تاریخ، مذہب، نسل، نسلیت، سیاسی تمناؤں وغیرہ پر مبنی ہوتی ہے۔ لیکن قوم ایسی ایک یا زیادہ خصوصیات کے بغیر بھی وجود میں رہ سکتی ہے۔ ایک قوم ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اس قوم کے وجود، معنی اور قوتوں کے آخری ضامن ہوئے ہیں۔

قومی ریاست(Nation state): ایک مخصوص قسم کی ریاست جو جدید دنیا کی خصوصیت ہے جس میں ایک حکومت کی ایک مخصوص جغرافیائی خطے پر مقتدر اعلا حیثیت ہوتی ہے اور وہاں رہنے والے لوگ اس کے شہری کہلاتے ہیں جو اپنے آپ کو اس واحد قوم کا حصہ مانتے ہیں۔ قومی ریاست قومیت کے ابھار سے قریبی طور پر جڑی ہے۔ اگرچہ قوم پرستانہ وفاداریاں ہمیشہ ان کی مخصوص ریاستوں کی، جو آج موجود ہیں سرحدوں کے مطابق نہیں ہوتیں۔ قومی ریاستوں کا

© NCERT not to be republished

فروغ، ابتدا میں یوروپ شروع ہوئے قومی ریاست نظام کے تحت ہوا تھا لیکن آج یہ قومی ریاست پوری دنیا میں پائی جاتی ہے۔

قوم پرستی (Nationalism): اپنی قوم اور اس سے متعلق ہر چیز کے لیے پیمان وابستگی، عام طور پر جذباتی وابستگی۔ ہر معاملے میں قوم کو سب سے اوپر رکھنا، اس کے حق میں جانب داری یا میلان وغیرہ۔ یہ نظریہ زبان، مذہب، تاریخ نسل، نسلیت وغیرہ کی یکسانیت کمیونٹی کو امتیازی حیثیت اور انفرادیت فراہم کرتی ہے۔

جانب داری (Prejudice): کسی فرد یا گروپ کے بارے میں پہلے سے رائے قائم رکھنا، ایسے خیال جو کہ نئی معلومات حاصل ہونے پر بھی بدلنے کو تیار نہ ہو۔ پہلے سے قائم رائے یا تعصب مثبت، اور منفی دونوں طرح کا ہوسکتا ہے، لیکن اسی کا عام استعمال منفی یا توہین آمیز پہلے۔ قائم رائے کے لیے ہی ہوسکتا ہے۔

زراعت کی پیداواریت (Productivity of agriculture): زراعتی پیداوار کی مقدار (یعنی اناج یا دیگر فصلوں کی مقدار) جو فی اکائی رقبے (مثلاً ایکڑ، ہیکٹیر، بیگھا وغیرہ) میں پیدا ہوتی ہے۔ پیداواریت کا حساب لگاتے وقت انھیں اضافے کو شامل کیا جاتا ہے جو صرف کھیتی کے طریقوں میں اور درآید کے معیار میں کی گئی تبدیلیوں کے سبب ہوتی ہے، نہ کہ زراعت کے رقبے میں کی گئی وسعت کے سبب۔ ان تبدیلیوں کی مثالوں میں ٹریکٹروں، فرٹیلائیزروں بہتر قسم کے بیجوں وغیرہ کا استعمال شامل ہوتا ہے۔

رجعی اضطراریہ (Reflexive): لفظی معنی ہیں اپنی طرف مڑنا۔ ایک اضطراری یا رجعی (یا خود اضطراری) نظریہ وہ ہوتا ہے جو دنیا کے بارے میں ہی توضیح کرنے کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ دنیا میں اپنے نجی کاموں کی وضاحت کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ اس طرح ایک رجعی سماجیات دیگر باتوں کی توضیح کے ساتھ سماجیات کو خود ایک سماجی مظہر کی شکل میں بیان کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ عام طور پر یہ نظریہ اپنے مقصد کے بارے میں ہی توضیح کرتا ہے۔ اپنے بارے میں نہیں۔

علاقائیت (Regionalism): ایک خاص علاقائی شناخت سے وابستہ نظریات جو جغرافیائی خطے کے علاوہ زبان، نسل وغیرہ دیگر خصوصیات پر مبنی ہوتے ہیں۔

پیداوار کا رشتہ (Relations of production): پیداورا کے مقابلے میں لوگوں اور گروپوں کے درمیان کا رشتہ جو جائداد اور محنت سے متعلق ہوتا ہے۔

بھرپائی سطح (Replacement level): بارآوری کی وہ سطح جس پر موجود نسل اتنے ہی بچے پیدا کرتی ہے جو ان کی اپنی جگہ کی بھرپائی کے لیے کافی ہوں جس سے کہ اگلی نسل کا حجم (کل آبادی) اتنی ہی ہو جتنا کہ موجودہ نسل کی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ عورت کو تقریباً 2.1 بچے جنم دینے کی ضرورت ہے جس سے یہ یقینی ہوسکے کہ شریک زندگی کی موت ہونے پر ان کی خالی جگہ بھر جائے گی (اضافی 0.1 رکھنا غیر متوقع یا حادثاتی موت سے ہونے والے جو کھم کی بھرپائی کے لیے مطلوب ہیں) دوسرے لفظوں میں کل بارآوری شرح کی بھرپائی سطح عام طور پر 2.1 بتائی جاتی ہے۔

© NCERT not to be republished

سنسکرت کاری(Sanskritisation): ایم۔این۔سری نواس کے ذریعے تخلیق کیا گیا یہ لفظ اس عمل کا ذکر کرتا ہے، جس کے ذریعے متوسط یا نچلی جاتیاں اپنے سے اونچی جاتیوں عام طور پر برہمنوں اور چھتریوں رسمی اور سماجی برتاؤ اور رواجوں کو اپنا کر سماج میں اوپر کی طرف بڑھانے کی کوشش کرتی ہے۔

ہاتھ سے صفائی کرنے کا پیشہ یا عمل (Scavenging): انسان کا فضلہ (بول و براز) اور دیگر کوڑا کرکٹ اور ردی چیزوں کو ہاتھ سے صاف کرنے کا رواج۔ یہ رواج آج بھی ان جگہوں پر رائج ہے جہاں گند نکاسی (sewerage) کا نظام موجود نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی خدمت یا کام ہوسکتا ہے جسے اچھوت ذاتوں کو کرنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔

سیکولرازم (Secularism) : اس کی مختلف شکلیں ہیں: (a) وہ اصول نظریہ جس کے ذریعے مملکت کو مذہب سے بالکل الگ رکھا جاتا ہے یعنی مغربی سماجوں کی طرح چرچ اور مملکت کی علاحدگی (b) ایسا نظریہ جس کے تحت مملکت الگ الگ مذاہب کے درمیان امتیاز یا تفریق نہیں برتتی اور سبھی مذاہب کا یکساں طور پر احترام کرتی ہے۔ (c) اس کا عوامی مفہوم ہے: فرقہ پرستی یا فرقہ واریت کا مخالف ہونا یعنی ایسا رویہ جو کسی بھی مذہب کے حق میں یا خلاف نہ ہو۔

سماجی تعمیریت(Social Constructionism): ایسا تناظر جو حقیقت کی تشریح کرتے وقت فطرت کے مقابلے سماج پر زیادہ زور دیتا ہے۔ یہ حیاتیات یا فطرت کے بجائے سماجی رشتوں، قدروں اور بین عمل کو حقیقت کے معنی اور مواد کے تئیں فیصلہ کن مانتا ہے (مثال کے لیے سماجی تعمیریت میں یہ مانا جاتا ہے کہ جنس، بڑھاپا، قحط سالی وغیرہ چیزیں مادی یا قدرتی ہونے کے بجائے سماجی زیادہ ہے۔)

سماجی اخراج (Social exclusion): یہ محرومی اور تفریق کا ملا جلا نتیجہ ہے جو افراد یا گروپوں کو اپنے سماج کے معاشی، سماجی اور سیاسی زندگی میں پوری طرح سے شامل ہونے سے روکتا ہے۔ سماجی اخراج ساختی ہوتا ہے یعنی انفرادی عمل ہونے کے بجائے یہ سماج عمل کاری اور اداروں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

بیٹے کو ترجیح(Son Preference): ایک سماجی مظہر جہاں ایک کمیونٹی کے ممبر بیٹیاں ہونے کے بجائے بیٹوں کا ہونا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ یعنی وہ بیٹیوں کی نسبت بیٹوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ بیٹے کی ترجیح کے بارے میں حقیقت بیٹیوں اور بیٹوں کے تئیں سماجی برتاؤ کے مشاہدہ یا ان کی ترجیحات یا ادراک کے بارے میں سیدھے ان سے پوچھنے کے ذریعے معلوم کی جاسکتی ہے۔

ریاست (State): ایک مجرد ہستی (اکائی) جو کئی طرح کے سیاسی و قانونی اداروں پر مشتمل ہو، جو ایک خاص جغرافیائی علاقے پر اور اس میں رہنے والے لوگوں پر اپنے کنٹرول کا دعویٰ کرتی ہے۔ ایک مخصوص علاقے میں جائز تشدد کے استعمال کی ایک اجارہ داری قائم کرنے کے لیے کئی باہمی جڑے اداروں کا مجموعہ۔ ان اداروں میں مقنّنہ، عدلیہ، انتظامیہ، فوج، پولیس اور انتظامیہ جیسے ادارے شامل ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے مفہوم میں ایک بڑی قومی ساخت کے اندر ایک علاقائی حکومت کو بھی یہ نام دیا جاتا ہے جیسے کہ تمل ناڈو کی ریاستی حکومت وغیرہ۔

© NCERT not to be republished

بندھا ٹکا روایتی انداز (Stereo type): لوگوں کے ایک گروپ کا متعین اور غیر لچک دار مخصوص کردار۔

طبقہ بندی (Stratification): سماج کے مختلف حصوں کی طبقاتی ترتیب یا ذیلی گروپوں میں درجہ بند بندوبست جس کے سبھی ممبران سلسلۂ مدارج میں ایک سی عام حیثیت رکھتے ہوں۔ طبقہ بندی کا مطلب ہے عدم مساوات، مساوات پر مبنی سماجوں میں نظریاتی طور پر طبقات نہیں ہوتے۔ اگرچہ ان میں ذیلی گروپ بندی ہوتی ہے جو سلسلہ مدارج یا مراتب میں نہیں ہوتا۔

اسٹاک بازار (Stock Market): کمپنیوں کے اسٹاک یا شیئروں (حصوں) کا بازار جوائنٹ پونجی کمپنیاں اپنے شیئر فروخت کرکے اپنے لیے پونجی مہیا کرتی ہیں۔ ایک شیئر کمپنی کے اثاثوں کا ایک مخصوص حصہ ہوتا ہے۔ حاصل شیئر (شیئر ہولڈر) کمپنی میں اپنے حصے (شیئر) خریدنے کے لیے رقم دیتے ہیں اور کمپنی اپنا کاروبار چلانے کے لیے اس رقم کا استعمال کرتی ہے۔ شیر ہولڈروں کو منافع یا کمپنی کے ذریعے کمائے گئے منافع میں سے ان کا حصہ دیا جاتا ہے۔ اس منافع کو ہر ایک حاصل شیئر (حصص) کے شیئروں کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔ اسٹاک بازار ایک ایسا مقام یا میکانیت ہے جہاں ان شیئروں کی خرید و فروخت ہوتی رہتی ہے۔

قدر زائد (Surplus Value): سرمایہ کاری کی قدر میں اضافہ یا پونجی کی واپسی، سرمایہ کاری کے تحت، قدر زائد وہ رقم ہے جو اس محنت سے حاصل کی جاتی ہے اور مزدوروں کی مزدوری ادا کرنے کے بعد بچ جاتی ہے۔

تطبیقیت (Syncretism): ایک ثقافتی مظہر جس کے تحت مختلف مذاہب یا روایات کا باہمی ملنا یا آمیزش ہوجاتی ہے۔ دو امتیازی مذہبی یا ثقافتی روایتوں کا اختلاط

قانون شکنی (Transgression): کسی قانون یا اصول یا معیار کی خلاف ورزی سماجی اور ثقافتی لحاظ سے مقررہ اصولوں اور رواجوں اور روایتوں سے بالاتر ہونا؛ سماجی یا ثقافتی قوانین (جو ہوسکتا ہے جائز یا رسمی طور پر تحریری نہ ہوں) کو توڑنا۔

قبیلہ (Tribe): ایک سماجی گروپ جس میں کئی خاندان اور نسب (یا خیل) شامل ہوں اور جو قرابت داری، نسلیت، مشترکہ تاریخ یا علاقائی، سیاسی تنظیم کے مشترکہ بندھنوں پر مبنی ہو۔ یہ ذات سے یہ اس طرح الگ ہے کہ ذات باہمی طور پر الگ الگ جاتیوں کا درجہ بند نظام ہے جب کہ قبیلہ ایک اشتمالی گروپ ہوتا ہے (حالاں کہ اس میں خیل یا نسب پر مبنی تقسیم بھی ہوسکتی ہے۔)

چھوا چھوت (Untouchability): ذات پات کے نظام کے اندر ایک سماجی رواج جہاں نچلی ذاتوں کے ممبران رسمیاتی طور پر اتنے ناپاک سمجھے جاتے ہیں کہ صرف چھونے سے ہی اعلا ذات کے لوگوں کو ناپاک یا آلودہ کردیتے ہیں۔ اچھوت ذاتیں سماجی پیمانے پر سب سے نیچے کے درجے میں آتی ہیں اور زیادہ تر سماجی اداروں سے باہر رکھی جاتی ہیں۔

ورن (Varna): اس کا لفظی مطلب ہے، رنگ، ذات کے نظام کی ایک ملک گیر شکل جو سماج کو چار سلسلۂ مدارج ترتیب میں ورنوں یا ذات گروپوں یعنی برہمن، چھتریہ، ویشیہ اور شودر میں تقسیم کرتی ہے۔

© NCERT not to be republished

مجازی بازار (Virtual market): ایک ایسا بازار جو صرف الکٹرانک شکل میں ہی موجود ہو اور کمپیوٹروں اور ٹیلی مواصلاتی ذرائع سے لین دین کرتا ہو۔ ایسا بازار ایک مادی مفہوم میں نہیں بلکہ اعداد و شمار کی شکل میں موجود ہوتا ہے جو الکٹرانک طور پر جمع ہوتا ہے۔

وصیت نامہ (Will): اس کے لفظی معنی ہیں ارادہ یا خواہش (جینے کی خواہش وغیرہ)۔ لیکن ایک اسم کے طور پر یہ ایک ایسی دستاویز ہوتا ہے جس میں فرد کی ایسی خواہشات یا ارادے کی صراحت ہوتی ہے کہ اس کی موت کے بعد اس کی جائداد کا کیا استعمال کیا جانا چاہیے۔ اس میں عام طور پر وراثت کے بارے میں یہ صراحت شامل ہوتی ہے کہ فلاں شخص کو متوفی کے اثاثوں کی ملکیت دی جائے گی۔

© NCERT not to be republished